حصہ اول

# اعظم الکلام

فی

# ارتقاء الاسلام



یعنی اُردو ترجمہ

## پروپوزڈ پولیٹیکل، لیگل اینڈ سوشیل ریفارمز انڈر مسلم رول

مصنفہٗ

نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی مرحوم فنانشل و ریونیو سکریٹری دولت آصفیہ

مصنف الجہاد، ریاو پر افٹ، حیدر آباد انڈر سر سالار جنگ اور اسلام کی دینوی برکتین وغیرہ وغیرہ

جسمین

علامہ مصنف نے بزبان انگریزی ۱۸۸۳ء مین ایک یوروپین عالم ریورنڈ ملکم میکال کے اس اعتراض کی تردید مین کہ "مذہب اسلام مانع ترقی ہے" قرآن، حدیث، فقہ اور تاریخ سے نہایت عالمانہ طریق پر ثابت کیا ہے کہ اسلام روحانی، اخلاقی، اور دماغی ترقی کا حامی، تغیرات زمانہ کے ساتھ نئے تمدن و سیاست کا ساتھ دینے والا اور زندہ ضروریات کے مطابق ہر قسم کے قوانین کی بنیاد بننے کی صلاحیت رکھنے والا مذہب ہے، اور اسکی فطرت جمود و خمود کے منافی ہے اسی ضمن مین اسلام کے متعلق دوسرے یوروپین مصنفین مثلاً سر ولیم میور اور باسورتھ اسمتھ وغیرہ کی غلط بیانیون کی اصلاح بھی مشرقی اور مغربی حوالون سے کیگئی ہے ساتھ صدہا اسلامی مسائل متعلق معاشرت و سیاست پر عالمانہ و مجتہدانہ بحث کیگئی ہے۔

مترجمہ مولانا عبد الحق صاحب بی-اے (علیگ)

شائع کردہ مولوی عبد اللہ خان حیدر آباد دکن کتب خانہ آصفیہ

مطبع مفید عام آگرہ مین اہتمام سے محمد قادر علیخان صاحب کے چھپا

سنہ ۱۹۱۰ء

بار اول دو ہزار جلد

# اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام

## فہرست مضامین


| نمبر فقرہ | مضمون | صفحہ |
| --- | --- | --- |
| | **دیباچہ** | |
| ۱ | تمہید | ۱ |
| ۲ | انگریزی گورنمنٹ سب سے بڑی اسلامی سلطنت ہے ، | ״ |
| ۳ | یورپین لوگون کو اسلام کی نسبت بہت کم واقفیت ہے | ۲ |
| ۴ | اسلام مین تمدنی اور اخلاقی اصلاحون کی صلاحیت ہے | ״ |
| ۵ | اسلامی قوانین کی جمہوریت | ۳ |
| ۶ | مختلف فقہی مذاہب | ایضاً |
| ۷ | نئے حالات کے لئے نئے فقہ کی ضرورت | ۴ |
| ۸ | مختلف فقہی مذاہب اصول مذکورہ بالا پر مبنی ہین اقتباس از مسٹر سیل | ۵ |
| ۹ | تغیر و تبدل کی ممانعت نہیں | ایضاً |
| ۱۰ | مقلد | ۶ |
| ۱۱ | اجتہاد معدوم نہین ہوا | ایضاً |
| ۱۲ | بحر العلوم کا قول | ایضاً |
| ۱۳ | مذاہب اربعہ کی کیفیت | ۷ |
| ۱۴ | فقہ حنفی | ایضاً |
| ۱۵ | فقہ مالکی | ۱۱ |
| ۱۶ | فقہ شافعی | ۱۲ |
| ۱۷ | فقہ حنبلی | ایضاً |
| ۱۸ | فقہ ظاہری | ۱۳ |
| ۱۹ | یہ مذاہب قطعی نہین | ۱۴ |
| ۲۰ | فقہ کے ماخذون پر ایک نظر | ۱۵ |

| نمبر فقرہ | مضمون | صفحہ | نمبر فقرہ | مضمون | صفحہ |
|---|---|---|---|---|---|
| ۲۱ | (۱) قرآن | ۱۵ | ۳۵ | (۴) قیاس | ۲۴ |
| ۲۲ | قرآن سے استخراج نتائج | ایضاً | ۳۶ | قیاس قابل استناد نہیں | ایضاً |
| ۲۳ | قرآن کی تفسیر | ۱۶ | ۳۷ | سول لا کے بعض حصے از سر نو لکھے جانے چاہئیں | ۲۵ |
| ۲۴ | قرآن کوئی سول اور پولٹیکل قانون کا ضابطہ نہیں ہے | ۱۷ | ۳۸ | مختلف اقوام رعایا میں مساوات | ایضاً |
| ۲۵ | (۲) حدیث یا سنت | ۱۸ | ۳۹ | مجوزہ اصلاحوں کو کون عمل میں لا سکتا ہے | ۲۸ |
| ۲۶ | احادیث کی تحقیق تنقیدی اصول پر مبنی نہیں | ۱۹ | ۴۰ | مجوزہ اصلاحوں کو شروع کیونکر کیا جاوے؟ اور کس سند سے؟ | ۲۹ |
| ۲۷ | عقیدۃً احادیث کی پیروی لازمی نہیں | ۲۰ | ۴۱ | انتخاب از مسٹر لین پول | ۳۱ |
| ۲۸ | پیغمبر اسلام نے احادیث جمع کرنے کا کبھی حکم نہیں دیا | ایضاً | ۴۲ | قرآن روحانی ترقی اور سیاسی و تمدنی اصلاحات کا مانع نہیں | ۳۳ |
| ۲۹ | (۳) اجماع | ۲۱ | ۴۳ | مذہب و سلطنت دونوں ملے ہوئے نہیں ہیں | ۳۴ |
| ۳۰ | اجماع مستند نہیں | ایضاً | | | |
| ۳۱ | اجماع کے اقسام | ۲۲ | ۴۴ | پیغمبر اسلام نے آزادی خیالات کی اجازت دی ہے | ۳۵ |
| ۳۲ | اجماع کے مشتہر کرنے کا طریقہ | ایضاً | | | |
| ۳۳ | اجماع کی نسبت مختلف رایوں کا خلاصہ | ۲۳ | ۴۵ | سید امیر علی اور مسٹر سیل | ایضاً |
| ۳۴ | اجماع کے متعلق مسٹر سیل کی رائے | ایضاً | ۴۶ | یہ حدیث عقلی ترقی کی ترغیب دیتی اور گزشتہ زمانہ کی بندشوں کو مٹا دیتی ہے | ۳۷ |

# حصہ اول

## سیاسی وقانونی اصلاحین


| نمبر فقرہ | مضمون | صفحہ |
| --- | --- | --- |
| ۱ | مسٹر میکال کی راے اسلام کی فرضی الہی سلطنت کے متعلق | ۳۹ |
| ۲ | اسلامی خلافتین بجاے آلہی سلطنت کے دول جمہوری تہیں | ایضاً |
| ۳ | قانون سازی کی ابتدائی ضرورت | ۴۰ |
| ۴ | صدر اسلام مین قانون کی غیر متیقن حالت | ۴۱ |
| ۵ | اس قانون کی ابتدا | ایضاً |
| ۶ | تیسری اور چوتھی صدی مین فقہ کی غیر مطمئن حالت | ۴۲ |
| ۷ | فقہ اور احکام قرآنی مین امتیاز | ۴۳ |
| ۸ | کیمبل ہنٹر اور ہملٹن کی راے اسلامی قانون کے متعلق | ایضاً |
| ۹ | اسلام مین ترقی کی گنجایش ہے | ۴۵ |
| ۱۰ | پیغمبر اسلام نے کسی قانون کی بنا نہین ڈالی | ۴۶ |
| ۱۱ | فقہ کی تعریف | ۴۷ |
| ۱۲ | قرآن کی معروضہ غیر مساوات متعلق بہ اقوام غیر | ایضاً |
| ۱۳ | آیات قرآنی دربارۂ مساوات حقوق اقوام غیر | ۴۸ |
| ۱۴ | فقہ کی مساحت | ۵۳ |
| ۱۵ | قرآن کا مقصد | ۵۴ |
| ۱۶ | قرآن سے جنگ وجدل کا جواز مستنبط نہین ہوسکتا | ۵۵ |
| ۱۷ | پیغمبر اسلام کا مساوی سلوک مسلم اور غیر مسلم سے | ۵۶ |
| ۱۸ | دنیا کی تقسیم "دارالحرب" اور "دارالاسلام" قرآن مین کہین نہین پائی جاتی | [illegible] |
| ۱۹ | "دارالحرب" اور "دارالاسلام" کے متعلق صاحب ہدایہ کی راے | ۶۰ |
| ۲۰ | ہندوستان نہ دارالحرب ہے نہ دارالاسلام | ۶۲ |
| ۲۱ | حقوق رعایا | ۶۳ |

| نمبر فقرہ | مضمون | صفحہ |
| --- | --- | --- |
| ۲۲ | رقیت و ملوک - - | ۶۵ |
| ۲۳ | پہلی شرعی عدم مساوات غیر مسلم کی شہادت مین - - | ۶۶ |
| ۲۴ | "مجلا" یا ترکش سول کوڈ مجریہ سنہ ۱۱۹۷ھ - - | ایضاً |
| ۲۵ | ترکی عدالتون مین مسئلہ شہادت غیر مسلم کی بحث - - - | ۶۷ |
| ۲۶ | غیر مسلم کی شہادت کے متعلق قرآن سے لغو نتائج نکالنا - - | ۶۹ |
| ۲۷ | سر جارج کیمبل کی راے اسلامی قانون شہادت پر - - | ۷۱ |
| ۲۸ | دوسری شرعی عدم مساوات - مذہبی آزادی مین - - - | ۷۲ |
| ۲۹ | گرجا کے گھنٹے بجانے کی ممانعت - - - | ۷۴ |
| ۳۰ | تعمیر گرجا کے بارے مین کانسل پال گرلو کی راے - - | ۷۵ |
| ۳۱ | فقہ اسلامی اور گرجاؤن کی تعمیر | ۷۶ |
| ۳۲ | اسلامی شہرون کی تقسیم - | ۷۷ |
| ۳۳ | تنقیح احادیث در بارۂ تعمیر گرجا | ایضاً |

| نمبر فقرہ | مضمون | صفحہ |
| --- | --- | --- |
| ۳۴ | قرآن مین گرجاؤن کی تعمیر کے خلاف کوئی حکم نہین - - | ۷۹ |
| ۳۵ | عیسائی بڑے عہدون سے کبھی محروم نہین رکھے گئے - | ایضاً |
| ۳۶ | ترکون کی قابل تقلید سماحت - | ۸۰ |
| ۳۷ | ترکی سماحت کی چند مثالین | ۸۱ |
| ۳۸ | ترکی کی ترقی پذیر تہذیب و شائستگی | ۸۲ |
| ۳۹ | یورپ مین روس کے مقابلہ مین ترک زیادہ پسند کیے جاتے ہین - | ۸۴ |
| ۴۰ | فقہ کی بے انتہا سماحت - | ۸۵ |
| ۴۱ | ذمی اور جزیہ - - | ۸۶ |
| ۴۲ | قرآن مین ارتداد واجب التعذیر فعل نہین - - | ایضاً |
| ۴۳ | احکام فقہ متعلق بہ مرتدین - | ۸۹ |
| ۴۴ | سزاے مرتد پر بحث - | ایضاً |
| ۴۵ | تنقیح احادیث متعلق بہ ارتداد | ۹۱ |
| ۴۶ | احمد توفیق آفندی کا معاملہ - | ۹۲ |
| ۴۷ | انگریزی قانون متعلق بہ کفر | ۹۳ |
| ۴۸ | ارتداد و بغاوت فقہ مین ایک سمجھے جاتے ہین - - | ۹۴ |

| نمبر فقرہ | مضمون | صفحہ |
|---|---|---|
| ۴۹ | گورنمنٹ ترکی کی مذہبی آزادی | |
| | پرسارس تہلن کی راے - | ۹۴ |
| ۵۰ | ترکی سلاطین نے سزاے | |
| | ارتداد کو موقوف کردیا - | ۹۵ |
| ۵۱ | عیسائی قانون دربارہ مرتدین | ۹۶ |
| ۵۲ | معاہدون کی کامل پابندی - | ۹۷ |
| ۵۳ | تیسری اور چوتھی قانون غیرمساوات | |
| | اسلحہ وجزیہ مین - - | ۹۹ |
| ۵۴ | وہ فلیس ٹکس جو عیسائی رعایا ترکی | |
| | سلطنت کو دیتی ہے - | ۱۰۱ |
| ۵۵ | فوجی خدمت سے عیسائیون کا | |
| | مستثنا ہونا اور اس سے ترکی | |
| | گورنمنٹ کو نقصانات - | ایضاً |
| ۵۶ | غیرمسلمون کی فوجی خدمت | ۱۰۵ |
| ۵۷ | جزیہ کا مسئلہ اس کی تاریخ اصل اور | |
| | لغو بیانات - - | ۱۰۶ |
| ۵۸ | مسلم اور غیرمسلم مین مساوات - | ۱۱۴ |
| ۵۹ | مساوات کے متعلق اسلامی | |
| | اصول - - - | ۱۱۵ |
| ۶۰ | مسلم غیرمسلم کے ساتھ انصاف | |

| نمبر فقرہ | مضمون | صفحہ |
|---|---|---|
| | مین ترسکتا - - | ۱۱۶ |
| ۶۱ | آرمینیا کی مجوزہ حکومت - | ۱۱۸ |
| ۶۲ | پریسکاٹ کی عمدہ راے عربون | |
| | کی سالمت کے بارے مین | ۱۱۹ |
| ۶۳ | اسپانیہ کی اسلامی عہد کے | |
| | متعلق کانڈی کی راے - | ۱۲۰ |
| ۶۴ | اہل عرب کا انصاف - | ۱۲۱ |
| ۶۵ | وان کریمر کی راے خلفاے | |
| | بغداد کی مذہبی سالمت کے | |
| | متعلق - - - | ۱۲۲ |
| ۶۶ | پروفیسر پورٹر کی راے ترکی | |
| | سالمت پر - - | ۱۲۳ |
| ۶۷ | چارلس ولمیس کی راے ترکی | |
| | سالمت پر - - | ۱۲۷ |
| ۶۸ | کپتان جیمس کرے کی راے | |
| | ارض روم کے قبضہ کے متعلق | ایضاً |
| ۶۹ | آرمینیا کو روس کے زیرحکومت | |
| | کرنا بالکل فضول ہے - | ۱۲۸ |
| ۷۰ | ترکی مین غیرملکی مداخلت | ۱۲۹ |
| ۷۱ | قانون بین الاقوام - | ۱۳۰ |

| نمبر فقرہ | مضمون | صفحہ | نمبر فقرہ | مضمون | صفحہ |
|---|---|---|---|---|---|
| ۷۲ | وٹیل کی رائے خارجی مداخلت پر | ۱۳۰ | ۸۲ | شیخ الاسلام - - | ۱۴۳ |
| ۷۳ | خارجی مداخلت بیکار اور غیر ضروری ہے | ۱۳۲ | ۸۳ | حقوق مین غیر مساوات مستند نہین | ۱۴۴ |
| ۷۴ | آرمینی ترکی کو روس پر ترجیح دیتے ہین | ایضاً | ۸۴ | اس غیر مساوات کا ذکر قرآن مین نہین ہے - - - - | ۱۴۵ |
| ۷۵ | اس بحث پر فریڈ برینی کی رائے | ۱۳۳ | ۸۵ | خالد کا قانون نہ مذہبی ہے نہ مستند | ۱۴۶ |
| ۷۶ | آرمینی سیلف گورنمنٹ کے ناقابل ہین - - - | ۱۳۴ | ۸۶ | لباس وغیرہ کا امتیاز - | ایضاً |
| ۷۷ | آرمینیون مین سوراج کی قابلیت نہین - - - | ۱۳۶ | ۸۷ | حضرت عمرؓ کی پالیسی یہ تھی کہ عربون کو غیر مسلمون سے بالکل الگ رکھا جائے - - | ۱۴۸ |
| ۷۸ | ترکون اور آرمینیون مین منافرت | ۱۳۷ | ۸۸ | امام نووی کی رائے ذمیون کی تذلیل کے بارے مین - - | ۱۴۹ |
| ۷۹ | کتاب ملتقی اور ریورنڈ مسٹر میکال | ۱۳۹ | ۸۹ | ٹکس ادا کرتے وقت جسم کی ایک خاص حالت ذلت - | ۱۵۱ |
| ۸۰ | کتاب ملتقی اور اس کے ماخذ | ۱۴۰ | ۹۰ | مصنف خراج فقہاے اسلام کی اظہار ناپسندیدگی | ایضاً |
| ۸۱ | ترکی مین غیر مسلم رعایا کے حقوق کی غیر مساوات بذریعہ فرامین موقوف کردی گئی ہے - - - - | ۱۴۱ | | | |


[illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# دیباچہ



تمہید

اِن اوراق کے لکھنے کا باعث یہ ہوا تھا کہ ریورینڈ مسٹر ملکم میکال نے رسالہ کنٹمپوری ریویو بابت ماہ اگست سنہ ۱۸۸۱ع مین ایک آرٹیکل اِس مضمون پر لکھا تھا کہ "آیا مسلمانون کی حکومت مین اصلاحین ممکن ہین" ؟ اُسی سال کی آخر سہ ماہی مین یہ کتاب لکھی گئی تھی، اور اب اُن اہل یورپ اور انگریزی مصنفون کے لئے، جو مجھے افسوس ہے کہ اِس دہوکے مین ہین کہ اسلام مین کسی طرح کی سیاسی، قانونی، یا معاشرت کے متعلق اصلاحین عمل مین آنا ممکن نہین ہین، یہ کتاب مشتہر کی جاتی ہے۔

انگریزی گورنمنٹ سب سے بڑی اسلامی سلطنت ہے،

۲- انگریزی مصنفون کے لئے بہت نازیبا ہے، کہ وہ ایک ایسے معاملے مین جس سے انگلینڈ کی بہت بڑی غرض متعلق ہے، کم باخبر رہین- دنیا بہر مین سلطنت انگریزی سب سے بڑی اسلامی سلطنت ہے، یعنی ملکہ انگلستان وقیصر ہند کی عملداری سب بادشاہون سے زیادہ، خصوصًا اعلیٰحضرت سلطان روم سے بہی، زیادہ مسلمانون پر ہے [1]

---

[1] مسلمانون کی تعداد انگریزی ہندمین ساڑہے چار کروڑ تخمینہ کی جاتی ہے، اور سلطان المعظم کی عملداری مین

یورپین لوگون کو اسلام کی نسبت بہت کم واقفیت ہے

۳- یہ خیالات کہ اسلام اصلاً بہت سخت ہے، اور تبدیل پذیر نہین ہے، اور اس کے مذہبی سیاسی، اور معاشرتی احکام ایسے خاص اُصول پر مبنی ہین کہ جن مین نہ اب کچھہ زیادہ کیا جاسکتا ہے، اور نہ کچھہ اس مین کمی ہوسکتی ہے، اور نہ ترمیم ہوسکتی ہے، کہ ان کو اب کے بدلے ہوئے حالات کے موافق کرلین، اور اس کا انتظام ملکداری من جانب اللہ ہے، خلاصہ یہ کہ یہ خیالات کہ اسلام کے قوانین کا مجموعہ ناقابل تبدیل اور ناقابل ترمیم ہے، یورپین کے دماغ مین ایسے متمکن ہوگئے ہین کہ وہ اِس مضمون پر زیادہ باخبر ہونے کو گوارا نہین کرتے - یورپ کے مصنف اسلام کی بنیادون کی گہری تلاش نہین کرتے، اور اس وجہ سے اِن کی معلومات نہ صرف نہایت سطحی ہوتی ہین، بلکہ غیر معتبر اُصول پر مبنی ہوتی ہین -

اسلام مین تمدنی اور اخلاقی ترقیون کی صلاحیت ہے

۴- مین نے اس کتاب مین یہ ثابت کرنا چاہا ہے، کہ مسلمانون کے مذہب مین جیسا کہ ان کو حضرت پیغمبر عربی صلعم نے سکہلایا ہے، اس امر کی کافی گنجایش ہے کہ وہ اپنے آپ کو معاشرت اور سیاست کے اُن انقلابون کے اجرا سکے گرد پیش ہوتے ہون، موافق بنانے کے قابل ہوجائے، مسلمانون کا "کامن لا" یعنی شریعت یا فقہ (اگر اسے کامن لا کہہ سکین، کیونکہ مسلمانون کے ہان کوئی اسٹیچوٹ لا نہین ہے) کسی طور سے ناقابل تبدیل و ترمیم نہین ہے - مسلمانون کا یا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲ - یورپ، ایشیا، اور افریقہ ملا کے جملہ ایک کروڑ اکسٹھہ لاکہ اڑسٹھہ ہزار مسلمان ہین ای، ایچ کین نے ایشیا کے متعلق ایک کتاب لکہی ہے، اسکو سر آر ٹمپل نے چہاپا ہے اس کے صفحہ ۵۰۳ مطبوعہ لندن سنہ ۱۸۸۲ع مین لکہا ہے کہ قوم ہند کے مسلمان، جو عموماً سنی ہین، اور اُن مین شیعون کا بہی چہوٹا سا باوقعت گروہ ہے، عموماً بنگالے، ممالک مغربی و شمالی اور پنجاب مین رہتے ہین، اور ان کی تعداد ساڑہے چار کروڑ ہے، پس قیصر ہند، بہ نسبت اور مشرقی بادشاہون کے، سب سے زیادہ مسلمانون پر حکومت کرتی ہے -

۵- مقصود یہ ہے کہ قانون یا شرع کی، جس کو انگریزی مین "لا" کہتے ہین، دو قسمین ہین، ایک "قومی" جو ملک کے رسم و رواج کا مجموعہ ہوا کرتا ہے، اور دوسرا "ریویلڈ لا" یعنی وحی - پس مسلمانون کا فقہ

اسلام کا دینی قانون قرآن ہے اور صرف قرآن ہی ہے جس کو تیار رشیا لکم میکال بھی قبول کرتے ہین کہ وہ مسلمانون کے "کامن لا" (مجموعۂ فقہ) کے مقابلے مین، ترحم اور صداقت کا مجموعہ ہے۔

اسلامی قوانین کی جمہوریت

۵ — اسلامی سلطنتون کا طرز انتظام "تھیوکراٹک" (آسمانی من جانب اللہ) نہین ہے، اور اسلامی شریعت جمہوری اصول پر مبنی ہونے کی وجہ سے خود مختار مسلمان بادشاہون پر ایک بڑی روک ہے۔ ابتدائی چار پانچ خلافتین، ہر ایک وضع مین خالص جمہوری تھین۔ اور قانون جب ابتدا مین بنا تھا تو اُس مین بادشاہ اور امیر بلکہ شریف آدمیون کے لئے بھی، پہلے کی طرح، کوئی تفریق قایم نہین کی گئی تھی۔ (یعنی سب مساوات کے درجہ مین تھے)۔ خلفاء راشدین کی حیثیت اور حکومت اس کے مشابہ تھی جیسے روم قدیم کی جمہوری سلطنت مین "ڈکٹیٹر" ہوتے تھے۔ سلطنت روم کو نہ تو دعویٰ ہے اور نہ دعویٰ کر سکتی ہے کہ وہ "تھیوکراٹک" (آسمانی من جانب اللہ) سلطنت ہے، جیسے کہ مسٹر میکال ثابت کیا چاہتے ہین۔ سر ہنری الیٹ سفیر انگریزی متعینہ باب عالی نے اپنے مراسلہ مورخۂ بست و پنجم مئی ۱۸۷۶ء مین "سفتون[۵] کے باب مین لکھا ہے کہ "قرآن کی آیتین اس غرض سے شایع کی گئی ہین کہ وہ طرز سلطنت جو اُن آیتون مین مجاز کیا گیا ہے جمہوری ہے"۔

مختلف فقہی مذاہب

۶ — جیسے جیسے مسلمانون مین معاشرت اور سیاست کے متعلق تبدیلیان ہوتی گئین، ویسے ہی تشریع احکام کے لئے مختلف اور متعدد مذہبون کی بنیاد پڑتی گئی، تاکہ مسلمانون کی ترقی پذیر حاجتون اور تبدیل ہوتی ہوئی حالتون کی مناسبت سے فقہی احکام کو اور بھی زیادہ موافق بنائین۔ مگر اُن متعدد فقہی مذاہب مین سے کوئی مذہب بھی قطعی نہ تھا۔ سب اِن مین سے یقیناً تدریجی تھے، یعنی درجہ بدرجہ ترقی کرتے جانے والے، اور وہ سب کے سب

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲ بمقابلہ "کامن لا" کے ہے، اور قرآن "رِٹن ویلڈ لا" کی تقسیم مین آتا ہے۔ اور "اسٹیچوٹ لا" اُس قانون کو کہتے ہین جس کو کوئی خاص جماعت قانون ساز پاس کرے۔

[۵] مسجدون کے مدارس کے جوشیلے طلبا۔ یہ فارسی لفظ "سوختہ" سے نکلا ہے۔

مذہب (یا مذاہب) مسلمانون کے بعض لیشن (تفقہ) تشریع احکام (قانون بنانے) کی رفتار یا جولانگاہ کی، بجاے خود، ایک ایک منزل تھے۔ بہت سے مذہب یا اجتہاد کے طریقے جو ابتدا مین قایم ہوے اِن کی تفصیل یہ ہے۔

| نمبرشمار | نام بانی مذہب | تاریخ وفات | نمبرشمار | نام بانی مذہب | تاریخ وفات |
|---|---|---|---|---|---|
| ۱ | عبداللہ ابن مسعود | سنہ ۳۲ھ | ۱۱ | سفیان الثوری | سنہ ۱۶۴ھ |
| ۲ | عبداللہ بن عمر | سنہ ۷۳ھ | ۱۲ | امام لیث | سنہ ۱۷۵ھ |
| ۳ | حضرت عائشہ ام المومنین | سنہ ۸۵ھ | ۱۳ | امام مالک | سنہ ۱۷۹ھ |
| ۴ | مجاہد | سنہ ۱۰۱ یا ۱۰۲ھ | ۱۴ | سفیان ابن عیینہ | سنہ ۱۹۸ھ |
| ۵ | عمر بن عبدالعزیز | سنہ ۱۰۱ھ | ۱۵ | امام شافعی | سنہ ۲۰۴ھ |
| ۶ | الشعبی | سنہ ۱۰۳ یا ۱۰۴ھ | ۱۶ | اسحاق ابن یعقوب بن راہویہ | سنہ ۲۳۸ھ |
| ۷ | عطا بن ابی رباح | سنہ ۱۱۵ھ | ۱۷ | امام احمد بن حنبل | سنہ ۲۴۱ھ |
| ۸ | الاعمش | سنہ ۱۴۷ یا ۱۴۹ھ | ۱۸ | امام داؤد ابو سلیمان | |
| ۹ | امام ابوحنیفہ | سنہ ۱۵۰ھ | | الظاہری | سنہ ۲۷۰ھ |
| ۱۰ | اوزاعی | سنہ ۱۵۷ھ | ۱۹ | محمد بن جریر طبری | سنہ ۳۱۰ھ |

۷۔ یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ جیسا کہ مسلمانون کی بادشاہت مین ضرورتین بڑھتی جانے سے کئی ایک مذاہب فقہیہ کے قایم کرنے، اور قرآن سے استنباط احکام یا استدلال بالکتاب کے مختلف طریقے نکالنے، اور حدیثون کی تنقیح اور ان کی استناد کے قاعدے بنانے، کی ضرورت پڑتی گئی، ایسے اب بھی حال کے بسر برو معاشرت اور سیاست (سوشل اور پولٹیکل) کے مقتضا سے، اور دیگر حالات زمانہ کی تبدیل سے، جیسا کہ روم اور ہند مین پائے جاتے ہین، ایک نیا طریقہ تمثیلی دلیلون سے قایم کیا جاے، اور اس مین صرف اصول مندرجۂ قرآن ہی کو (جو کہ اب تک ہادی مجرد اور حاوی جمیع ضروریات نہین سمجھا جاتا) بہت مضبوطی

نئے حالات کے لئے نئے فقہ کی ضرورت

سے پکڑے رہیں۔ قانون بنانے کا علم (یا فقہ) ایک ایسا علم ہے جو تجربے اور استقرا سے متعلق ہے، نہ کہ منطقی قیاس اور تمثیل یا قیاس فقہی سے۔ ملکون کی طبیعتون کے اختلاف، اور اہل ملک کی خصوصیات، اور اُن کے گزشتہ حالات کا ضرور لحاظ رکھنا چاہیئے، اور اون کی حاجتون اور خواہشون اور اون کی معاشرت اور سیاست کے قرائن حالات پر بھی نظر رکھنی چاہیئے، اور انہیں سب باتون کی رعایت مسلمانون کے اوایل زمانہ کی ترقی پذیر سلطنت کی فقاہت کی بہت سی منزلوت یا مقاسون مین رکھی گئی تھی۔

مختلف فقہی مذاہب اصول مذکورہ بالا پر مبنی ہین۔ اقتباس از مسٹر سیل۔

۸ - چارون مجتہدون یا صاحبان مذہب نے جن کا اب رواج ہے، اور اُن مذاہب کے امام یا مجتہدون نے، جو اُب معدوم ہوگئے ہین، انہین اصول کو جو اوپر بیان ہوئے ہین، مدنظر رکھا تھا اور فرید برآن یہ بھی کہ اِن کے مذاہب تعمیل کے لئے محض مختص المقام تھے، اور اس وجہ سے مسلمانانِ ہند یا مسلمانانِ ٹرکی (روم) پر واجب العمل نہین ہین۔

ریورنیڈ مسٹر اڈورڈ سیل نے لکھا ہے کہ:-

"پکے مسلمانون کا عقیدہ یہ ہے کہ چارون امامون کے بعد کوئی ایسا مجتہد نہین ہوا ہے جو اون کا
"سا اجتہاد کرے۔ اگر کوئی ایسی صورت پیش آوے جس مین فتویٰ دینے کی ضرورت ہو تو لازم
"ہے کہ فتویٰ دینے والا اُس مذہب کے موافق فتوے دے جس کا وہ مقلد ہے۔ اِس سے
"بالکل تبدیل یا اصلاح کی ممانعت پائی جاتی ہے، اور نئی بات نکالنے کی ممانعت، خواہ وہ بات
"بُری ہو یا بھلی، اسلام کو ایک حال پر ٹھیرا ہوا چھوڑ دیتی ہے"[۱]

تغیر و تبدل کی ممانعت نہین۔

۹ - مگر پکے مسلمانون کے ایسے عقیدہ کے لئے کوئی شرعی یا دینی حجت نہین ہے، اور نہ عام مسلمانون پر ایسی تقلید فرض ہے۔

اوّل، تو چارون مذہب کے بانیون نے اپنے مذہب یا فتوون کے لئے ایسی قطعیت

[۱] "دی فیتھ آوف اسلام" (عقیدہ اسلام) مصنفہ ریورنڈ ای - سل، فیلو مدراس یونی ورسٹی، صفحہ ۲۲ سنہ ۱۸۸۰ع اس کتاب کا اُردو مین ترجمہ ہوگیا ہے۔

کا دعویٰ نہین کیا- وہ اس سے بہت دور تہے، کہ اپنے تمثیلی استنباط یا قیاسات کو اپنے ہمعصرون پر واجب العمل ٹہیراتے، چہ جائے کہ اپنے مذہب کو اس کثیر الوسعت اسلامی بادشاہت کی آیندہ پشتون پر بہی واجب العمل ٹہیرا جاتے۔

مقلد

١٠- دوسرے، یہ کہ ایک بہی مجتہد یا محدث ان چارون امامون کے مذہب کو ایسی بڑی وقعت کی نظر سے نہین دیکہتا- صرف مقلدین، یعنی تقلید کرنے والے جو چارون مذہب مین سے کسی ایک کی تقلید آنکہہ بند کرکے کرتے ہین، اور اپنی رائے بصیرت اور بہلے برے کی تمیز یا علم کو دخل نہین دیتے، ایسا خیال رکہتے ہین کہ چارون امامون کے بعد پہر کوئی ایسا مجتہد نہین ہوا ہے جو نیا مذہب قایم کرے، اور تقلید کے بارے مین انہین کا وہ قول ہے جو مسٹر سیل نے "نہایت المراد" اور "تفسیر احمدی" سے نقل کیا ہے- ان کتابون کے مصنف سخت ترین مقلد تہے، اور مسٹر سیل شاید مقلدون اور غیر مقلدون مین کچہہ فرق نہ سمجہہ کے مقلدون کی تحریرون سے آئمہ اربعہ کی تقلید پر سند لاتے ہین، اور اسی کے ساتھ ان کے مذاہب کی قطعیت تمام جہان کے مسلمانون پر، جن مین غیر مقلد اور اہل حدیث اور دیگر مجتہدین بہی داخل ہین، لازم کرتے ہین- مگر ان مقلدون کی رایون اور مسائل کا کچہہ لحاظ نہین کرنا چاہیے۔

اجتہاد معدوم نہین ہے

١١- حنبلی مذہب مین، کہ وہ بہی ان چارون مذاہب مین سے ایک مذہب ہے، اس بات پر بہت اصرار ہے کہ ہر زمانے مین ایک مجتہد ہونا چاہیے - پس وہ مقلد جو آپ اجتہاد کو معدوم سمجہتے ہین، اور کسی اور مجتہد کے قایم ہونے کو امکان سے خارج سمجہتے ہین، اور ان مقلدون کے حامی مسٹر سیل بہی اپنی غلطی پر تعجب کرین گے۔

بحر العلوم کا قول

١٢- مین یہان مسٹر سیل کو مولوی عبد العلی بحر العلوم کی کتاب کا حوالہ دیتا ہون - یہ صاحب اکثر اور آخر عمر مین مدراس مین رہے ہے، جہان سیل صاحب بہی ہین، وہ مسلم الثبوت کی شرح "فواتح الرحموت" مین، جو مسلمانون کے اصول فقہ مین ہے، مولوی صاحب نے لکہا ہے کہ وہ

| | |
|---|---|
| ان من الناس من حکم بوجوب الخلو من بعد العلامة | " یہ جو بعض ایسا کہتے ہین کہ اقتہ مین اجتہاد |

الشفی، وختم الاجتہاد بہ، وعنوا الاجتہاد فی المذہب
واما الاجتہاد المطلق فقالوا اختتم بالائمۃ الاربعۃ،
حتی اوجبوا التقلید بواحد من ہؤلاء علی الامۃ،
وہذا کلہ ہوس من ہوساتہم، لم یاتوا بدلیل،
ولا یعباء بکلامہم، وانما ہم من الذین حکم الحدیث
انہم افتوا بغیر علم، فضلوا، واضلوا، ولم یفہموا
ان ہذا اخبار بالغیب فی خمس لا یعلمہن الا اللہ تعالے
"فواتح الرحموت" مطبوعہ نولکشور لکھنؤ صفحہ ۶۲۴)

فی المذہب علامہ نسفی کے بند ہوگیا ہے
اور اجتہاد مطلق تو چاروں اماموں پر
ختم ہو چکا ہے، اب صرف ان میں سے ایک کی
تقلید ہی امت پر واجب ہے یہ سب
محض وہیات ہے، نہ اس کی کوئی دلیل ہے اور
نہ ان کے کہنے کا کچھ لحاظ کرنا چاہیئے - یہ لوگ
ان لوگوں میں سے ہیں جن کی نسبت حدیث
میں یہ حکم ہے کہ وہ بے جانے بوجھے فتوی دیتے
ہیں خود بھی گمراہ ہوتے ہیں، اور اوروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں، اور یہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ ایسا
دعوی کرنا گویا آیندہ کی خبر دینا ہے، جو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا، جیسا کہ قرآن میں ہے
لا تدری نفس ماذا تکسب غدا، (سورہ ۳۱-۴ آیت ۳۴) یعنی سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہیں
کہ کل وہ کیا کرے گا"

مذہب اربعہ کی کیفیت

۱۳- ان چاروں قسم کے طریق ترتیب ادلہ واستنباط مسائل یا طرز اجتہاد مروجہ حال کی
جس کو عموماً مذہب بولتے ہیں اور انگریزی میں اس کو "اسکول آف جیورس پروڈینس" کہتے
ہیں، خصوصیات پر نظر کرنے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ ایک بھی ان میں سے صاحب مذہب
کے نزدیک "الہی الاصل" یا قطعی نہ تھا۔

فقہ حنفی

۱۴- حضرت امام ہمام ابو حنیفہ نے اپنے استخراج احکام فروعی کو کمتر احادیث پر مبنی کیا ہے،

۱۵- کرنل آس برن نے غلط کہا ہے کہ امام ابو حنیفہ کا طریقہ فقاہت انفراداً اور انحصاراً قرآن ہی پر
مبنی تھا، اور بذریعہ استنباط یا قیاس منطقی طور سے قرآن پر متفرع ہوا تھا (دیکھو کتاب "اسلام بزمانہ
خلفاء بغداد" صفحہ ۲۴ و ۲۵ مطبوعہ لندن ۱۸۷۸ء) حنفیوں کا طرز اجتہاد یا ترتیب دلائل وطریق
استنباط وفقاہت کو میں نہیں سمجھتا کہ وہ قیاسات حسب المنطق مستخرج از قرآن ہیں، بلکہ ان کا

اور اپنے طرز اجتہاد مین اشارہ حدیثون کو قطعی قبول کیا ہے - اون کا طرز فقاہت راے اور قیاس پر مبنی تہا - اِن دونون اصول کو مدنظر رکہہ کے اُنہون نے اور اُن کے شاگردون

بقیہ حاشیہ صفحہ ۷ - نظام فقہ وطرز ترتیب دلائل واستنباط مسائل رائے اور قیاس پر مبنی ہے، جس سے قرآن وسنت اور قدیم امامون کے اقوال ایک طرف رہ جاتے ہین، اور قیاس شرعی جو دیگر مذاہب فقہیہ مین ہے وہ قیاس منطقی نہین ہے - بلکہ اِستدلال بالتمثیل ہے -

امام ابوحنیفہ کی فقاہت اور اجتہاد ملک عراق یا اہل عراق کے لئے تہا، اور شک نہین ہے کہ ان کا مذہب یعنی ان کا طریق ترتیب دلائل واستنباط مسائل اور رائے وقیاس بہت مناسب تر اور بلحاظ مکان وزمان وحالات وعُرف موافق تر تہا - قانون کے واسطے ایسا ہی ہونا چاہیئے - اور اور یہ جو انہون نے حدیثون اور روایتون اور اقوال صحابہ اور تابعین پر اپنے فقہ کی بنیاد نہین رکہی بہت ہی درست کیا، کیون کہ یہ تو ظاہر ہے کہ جناب پیغمبر کے زمانہ مین تو یہ فقہ نہین تہا، اور نہ جناب پیغمبر نے فقہ مین، کہ جیسا اب ہے، کوئی کتاب لکہنی یا لکہوانی ضرور سمجہی تہی، ورنہ مثل قرآن کے حجم مین اِس سے بیشتر، ایک کتاب فقہ مین ہی لکہواتے - بعد مین جب ملک کے لئے، بلکہ مختلف ملکون اور قومون کے لئے، ایک قانون کی ضرورت ہوئی، تو امام ابوحنیفہ نے اپنے طرز اجتہاد کو اپنی رائے اور قیاس پر رکہا جس مین ضرور ہے کہ عامۂ ناس کے عمل درآمد اور عُرف اور اُن کی حاجتون اور ضرورتون کے لحاظ اور تغیرات زمانہ کا پاس مدنظر رکہہ کے مسائل فروع مین فتویٰ دیا، اور بجاے خود کچہہ اصول بہی بنا کے اور پیش نظر رکہے - کاش بعد مین علماء حنیفہ اسی طریق کو قایم رکہتے، مگر جب سے کہ لوگون کو احادیث جمع کرنے کا شوق ہوا (حالانکہ وہ بہی واجبات سے نہ تہا، ورنہ جناب پیغمبر خود ہی اپنی احادیث جمع کرا دیتے) اور حدیثون مین بہت اختلاف نکلا، اور مختلف غرضون سے لوگون نے جہوٹی حدیثین بنائین، اور غلط تو بہت ہی ہوگئی تہین، تب اِن کے پرکہنے کے قاعدے مقرر ہوئے، اور اُنکو چہانا گیا - اس وقت بہت سے مسائل حنیفہ صحیح حدیثون کے خلاف پائے گئے، اور باوجودے کہ حدیثون کی صحت ہی اصطلاحی تہی

نے ایک پورا انتظام فقہی بنایا، مگر حضرت امام ابوحنیفہ کی تعلیم زبانی ہوتی تھی، اُنہون نے کوئی کتاب نہین لکھی۔ جملہ اصول مسائل، و قیاسات، و استدلالات، و تخریجات، و تفریعات

**بقیہ حاشیہ صفحہ ۸** — اور کوئی بھی ان مین سے قطعی نہتھی، کیونکہ وہ اخبار احاد تھین جو مفید علم نہین ہوتین، مگر بناچاری یا زبردستی موجب عمل سمجھی جانے لگی تھین۔ اس وجہ سے حنفیون کو بہت وقت پیش آئی، کیونکہ حدیثون کی عظمت اور اون کے موافق عمل کرنے کا میلان اور میلان عامۂ ناس مین بھی بہت ہو چلا تھا۔ اور گو کہ فی الحقیقت حدیثون کے موافق عمل کرنے کے لیے بدون کو ہر ملک اور ہر قوم کے آدمیون پر واجب العمل ماننے کے لئے کوئی دینی حکم نہ تھا، اور نہ ایسا کبھی جناب پیغمبر نے ٹھیرایا تھا، ورنہ اس کا اہتمام اور بندوبست اُسی وقت ہوتا، اور یہ تو صرف اہل شوق نے دُور دُور ملکون مین پھر کے زبانی اور تحریری روایتون کو کئی ایک واسطون سے جمع کیا، اور جمع کرنے کے بعد پھر اس کی تنقید اور صحیح و ضعیف کی تمیز کے قاعدے ٹکل پچو بنائے، مگر ان مین پوری کامیابی نہین ہوئی، کیونکہ ان احادیث کا درجہ ظن اور گمان سے صحت قطعی تک نہین پہنچا، مگر حدیثون کی تعریف عمومی اور شوقِ عامۂ ناس کی وجہ سے، حنفیون نے بھی عُرف عام کی موافقت کی وجہ سے، صحاح کی حدیثون کو بظاہر قبول کرنا شروع کیا، مگر اس کے لئے اُصول فقہ مقرر کئے، جس مین ہر ایک صحیح حدیث کو اگر وہ کیسی ہی اصح الصحیح ہو (یہ صحت اصطلاحی ہے نہ یہ کہ اس معنی سے سچی حدیث یا یقینی فرمودۂ جناب پیغمبر ہے) کئی طور سے ناقابل عمل ٹھیرایا۔ مثلاً یہ کہ وہ حدیث عمل کثیر الوقوع یا عموم بہ البلوی کے خلاف نہ ہو، اور یہ کہ راوی اصلِ حدیث فقیہ اور مجتہد ہو، تب تو قیاس کو چھوڑ حدیث قبول کرین گے، ورنہ اگر اس کی حدیث خلاف قیاس ہو تو قبول نہین کرین گے، اور ایسے ہی ایک قسم انقطاع باطنی ہے جس سبب احادیث کو رد کرتے ہین۔ پھر تقلید مذہب مخصوص کا رواج چوتھی صدی ہجری سے نکلا گیا، اور یون سمجھایا گیا کہ یہ حدیثین اکثر درست ہین تو امام صاحب نے کیون چھوڑ دین، اور معلوم نہین کہ اِن کے خلاف مین اور بھی حدیثین ہین یا نہین، اور یہ منسوخ ہین یا نہین؟ اور ان سے وجوب کا حکم نکلتا ہے یا استحباب کا، یا خاص ہین یا عام ہین، اسناد بھی روایات

جنکے شاگردون اور شاگردون کے شاگردون نے نکالے، اور جو حضرت امام صاحب کے خواب و خیال مین بھی نہ گذرے تھے، وہ اب سب کے سب امام ابو حنیفہ کے سمجھے جاتے ہین، اور اُن کا مذہب کہلاتے ہین - امام ابو یوسف اپنے فتاوے و قضایا مین روایتون کو طرح دے جاتے تھے، اور مسائل فقہی کو قیاس و استنباط سے فیصل کرتے تھے -

**بقیہ حاشیہ صفحہ ۹** - جو قول امام ہے، یا امام کے مذہب پر نکالی گئی ہے ماننی چاہیئے اور صرف ایک ہی امام کی تقلید کرنی چاہیئے - اور پھر اس تقلید مین، جو کہ محض نا واجب تھی، یہ بھی سختی کی کہ اگر کوئی ایک مذہب کی تقلید چھوڑ کر دوسرے مذہب مین جاوے حالانکہ وہ مذہب بھی انہین چارون سے ہو، اس کے لئے سزا بھی تجویز کرتے تھے - اور اسی تقلید کے وجوب کے ساتھ یہ بھی اعتقاد کیا گیا کہ اجتہاد تو آئمہ اربعہ پر ختم ہو چکا ہے، اب کوئی مجتہد ہونے ہی کا نہین، حالانکہ مجتہد بہت ہوتے آئے ہین اور آیندہ بھی ہون گے، مگر یہ سب اشکلات حضرات حنفیون کو اس وجہ سے پیش آئین، اور آتی رہین گی، کہ اُنہون نے خاص اس طرز کو جو امام ابو حنیفہ نے فقاہت اور اجتہاد مین اختیار کیا تھا چھوڑ دیا، اور ایسا ہر مذہب اور ہر فن اور ہر صناعت یا ہر علم مین ہوتا ہے کہ بانی اور بادی کی اصل بات جاتی رہتی ہے، اور اس کی تخریجات اور تفریعات ہو کر صورت بدل جاتی ہے -

امام صاحب کی طرف سے یہ عذر بیان کیا جاتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے وقت مین حدیثون کی تدوین اور تالیف ہو کر یکجا جمع نہین ہوئی تھین، اس لئے ان کو حدیث کم ملی، اور مسائل مین خلاف حدیث رائے اور قیاس سے کام لیا، اس مین یہ ترجیح ہے کہ امام صاحب کے وقت مین احادیث کی تدوین و تالیف نہین ہوئی تھی، لیکن اگر حدیثون پر قانون بنانا ضرور تھا تو حدیثون کو تلاش کرنا اور جمع کرنا بھی امام صاحب پر فرض تھا، پس نہ اُنہون نے ایسا سمجھا اور نہ ایسا کیا، اور نہ ایسا کرنا ضرور تھا، کیونکہ جناب پیغمبر کے فتاوے یا احکام، جو خارج از قرآن ہین، وہ بھی تو رائے اور اجتہاد سے ہین (انی انما اقضی بینکم برائے فیما لم ینزل علیّ الوحی - رواہ ابو داؤد) اس کو عامۂ امت کے لئے

**فقہ ملکی** — امام مالک کا انداز فقاہت و طرز اجتہاد اکثر رواج اہل مدینہ پر مبنی تھا۔ ان کے مذہب کو ٹھیک ٹھیک طور سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ کامن لا تھا جس میں رسوم و رواج اہل ملک جس میں وہ خود رہتے تھے، اور جن کے لئے انہوں نے ایک غیر قلمبند شدہ شریعت کو قلمبند کیا تھا، شریک تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب "موطا" میں تین سو حدیثوں سے استفادہ کیا ہے۔ ان کا مذہب عربوں کے سادہ طرز بسر زندگی کے مناسب تر تھا، بہ نسبت حنفیوں کے استنباطی غامض اور صناعتی فقہ کے۔ امام مالک کا مذہب، جو کہ رواج اہل مدینہ پر مبنی تھا، خاصتاً مختص المقام تھا۔ جو احکام عربوں کے ابتدائی تمدن اسلامی کے لئے کافی تھے، وہ دور دراز ملکوں کی جمع کثیر خلائق کی حاجات کے مقابلے میں عہدہ برآ نہیں ہو سکتے تھے، مگر محض اتفاقات سے امام مالک کا مذہب بیشتر اسپین اور شمالی افریقہ میں بہت پھیل گیا۔

---

**بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰** — قانون نہیں بنایا۔

اور یہ بھی معذرت میں کہا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے حدیثوں کی روایت قصداً نہیں ترک کی، بلکہ ان کے نزدیک روایتوں کی جانچ اور پڑتال کے اصول بہت سخت و شدید تھے، اس لئے کم روایتیں انہوں نے قبول کیں۔ کاش بعد کے علماء حنفیہ اس قاعدے ہی پر چلتے، اور ویسے ہی احادیث کی تنقید میں سخت نکتہ چینی کے اصول قرار دیتے، حالانکہ وہ تو صحابہ کی مرسل حدیثوں کو، بلکہ دوسرے اور تیسرے قرن کے تابعین اور تبع تابعین کی مرسل روایتوں کو بھی لے لیتے ہیں (دیکھو توضیح، منار، منہاج، اور دائرہ)، بلکہ ان کو مسند پر تفوق دیتے ہیں اور اس میں مبالغہ کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ مختلف قوموں اور ملکوں کے معاملات و مقدمات اور روزانہ حادثات کے باب میں ہر وقت گوارا کرنا کہ ان سب کے احکام قرآن و حدیث اور اقوال صحابہ و روایات آئمہ اور اجماع امت اور قیاس تمثیلی سے نکالنا چاہئیں، ایک غیر ضروری تکلیف ہے، بلکہ ایک زمانہ مابعد کا طریقہ ہے، جس کو بعض اہل شوق نے نکالا، اور دوسروں پر واجب العمل اور ضروری التقلید بھی نہیں ٹھیرایا۔ اس کو من جانب اللہ

فقہ شافعی

۱۶- امام شافعی کا طرز انتخاب المذاہب تھا، انہوں نے امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے مذہبوں پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھی، مگر سب سے پہلے اُنہوں نے ہی اصول میں کتاب لکھی۔

فقہ حنبلی

۱۷- امام احمد بن حنبل تو بالکل، فقہ میں، قیاس سے مسائل و احکام نکالنے کے خلاف تھے، ان کی کتاب "مسند" میں تیس ہزار حدیثیں جمع ہوئی ہیں۔ ان کا مذہب الٰہیات اور فقہ میں، اُس زمانہ کے تناون و معنہیات کی کثرت کی نظر سے اوس کی مداہنت اور خلاف میں بہت شدید تھا۔ فقہاے حنفیہ حاضر باشِ دربارِ خلیفہ مامون کو، اُن آسانیوں کی وجہ سے جو اون کو راے اور قیاس[۵] پر عمل کرنے کی وجہ سے حاصل تھیں، کچھ مشکل نہیں

[۵] - میں نے اس کتاب کے صفحہ ۱۷ و ۲۳ (ان صفحات سے اصل انگریزی کتاب کے صفحے مراد ہیں) میں بعض ایسی سحر آمیز راے اور قیاس کی مثال لکھی ہے، اور ایک اور مثال کرنل آس برن نے اپنی کتاب "اسلام بزمانہ خلفای بغداد" کے صفحہ ۲۰ پر نقل کی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ:-

"قرآن کی دوسری سورت میں ایک آیت ہے "ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعًا" یعنی جو کچھ "زمین میں ہے خدا نے تمہارے لئے پیدا کیا ہے۔ حنفی فقیہوں کو یہ آیت ایک دست آویز "مل گئی ہے، جس سے اور سب کے حقوق ملکیت باطل ہوگئے۔ "تم" سے مراد البتہ مسلمان ہی ہیں، "اور تمام زمین انہیں کے استعمال اور تمتع کے لئے پیدا ہوئی ہے، اور کل زمین کے اُنہوں نے "تین حصّے کئے ہیں۔

"(۱) وہ زمین جسکا کوئی مالک نہیں ہوا۔

"(۲) جس کا کوئی مالک تھا مگر اُس نے چھوڑ دیا۔

"(۳) کافروں کی ذات اور مال۔

"اور اسی تیسری تقسیم سے اِن فقیہوں نے غلامی اور غارتگری اور مسلمانوں اور کافروں میں ہمیشہ "جنگ و قتال کرتے رہنے کو مستخرج کیا ہے"۔

معلوم ہوتی تھی کہ قرآن کی اخلاقی تعلیم کو خود مختار حاکم کے متجاوز المیہ فجور کے تابع کر دین کہ خلفاء اور امراء کی نفسانی خواہشون کے پورا کرنے کی تجویزین نکالین - اس بڑی برائی کے روکنے کے لئے امام احمد بن حنبل نے جناب پیغمبرؐ کی احادیث کو جو مسلمانون مین زبان زد تھین، اپنا متمسک بنایا - گو بیشتر یہ حدیثین ضعیف اور غیر معتبر تھین، مگر ان مین جمہوری طرز حکومت کے اصول پائے جاتے تھے، اور اس وجہ سے "خلفائے جور" کی خلیع العذاری کی تادیب اور توبیخ کے لئے بہت مناسب حال تھین -

نقہ ظاہری

۱۸ - یہان مین ایک اور بھی مذہب حق یا طرز اجتہاد کا بیان کرتا ہون جس کی بنا ابو سلیمان داؤد الظاہری اصفہانی نے ڈالی تھی، اور جو عموماً ظاہریہ کے نام سے مشہور ہے، اور یہ نام اس وجہ سے پڑا کہ داؤد ظاہری نے اپنی فقاہت کی بنا آیات قرآنی اور احادیث نبوی کے صرف ظاہری معنی یا دلالت پر رکھی تھی، اور اجماع، یعنی مسلمانون کے عام اتفاق، اور قیاس فقہی کو، جو اصول فقہ کی تیسری اور چوتھی اصل ہے، رد کر دیا تھا - امام داؤد کی ولادت سنہ ۲۰۲ھ یا سنہ ۲۰۰ھ مین ہوئی تھی، اور وفات سنہ ۲۷۰ھ مین ان کا طرز اجتہاد حنفیون کے بالکل خلاف تھا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲ - مگر مین نے ایسے کسی خیالی استنتاج کو نہین دیکھا، اور مین ایسا خیال نہین کرتا کہ غیر مسلمون کے اشخاص اور "اموال مافی الارض" کی تقسیم مین آسکتے ہین - غالباً کرنل آس برن کو کوئی غلط اطلاع ملی ہوگی - عینی اور شامی نے اس آیت (سورہ بقر ۲ آیت ۲۹) کو باب "استیلاء الکفار" مین نقل کیا ہے، اور لکھا ہے کہ "بعض صورتون مین مسلمان فتح یاب غیر مسلمون کے مال پر ازروئے حق فتح مندی قابض شرعی ہو سکتے ہین" اور وہ اس آیت سے یہ نکالتے ہین کہ سب چیزین مباح یا بالاشتراک جملہ بنی آدم کے انتفاع کے واسطے مخلوق ہوئی ہین، اور صرف مسلمانون ہی کے لئے مخصوص نہین ہین، الا یہ کہ کسی خاص شخص نے بطور جائز کسی چیز پر قبضہ کیا ہو -

کیون کہ یہ اجماع اور قیاس دونون کو رد کرتے تھے، اور ایک دوسرا شارح احمد بن حنبل کا تھا کہ ان کے مذہب مین بھی قیاس مردود تھا، اور اجماعِ مجتہدین بھی ایک وقت خاص مین ناممکن متصور تھا۔ ابن حزم اور ابن عربی، کہ یہ دونون اسپین کے علماء مین سے تھے، اور نیز نظام (المتوفی سنہ ۲۳۱ھ)، اور ابن حبان (المتوفی سنہ ۳۵۴ھ) بھی اجماع کی حجیت کو، باستثنا یا اجماعِ صحابہ، باطل کرتے تھے۔

۱۹۔ ان بعض بڑے بڑے اور اہم مذاہب فقہی کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ — یہ مذاہب قطعی نہین
کوئی بھی ان مذاہب یا طریقہائے اجتہاد وفقاہت مین سے قطعی یا الٰہی الاصل نہین بنایا گیا تھا، اور نہ ان مذاہب کے بانیون مین سے کسی نے ان کی نسبت ایسا کہا، اور نہ اپنے مذہب کو دوسرے پر ترجیح دی۔ ہر ایک مذہب تدریجی، ناتمام اور قابل ترمیم تھا، اور ان مین تبدیلیان اور اصلاحین جاری تھین اور نظام فقہ مین وہ قیاسات منطقی، اور قیاساتِ فقہی، اور استحسان، اور افکارِ عقلی، جو ابتدا مین بوجہ قلت معلومات برتے جاتے تھے، آخر مین متروک ہو گئے تھے، اور تخریجِ مسائل مین سب کا رجحان ومیلان اسی طرف ہو چلا تھا، کہ عامۂ ناس کی ضرورتون اور خواہشون کا، اور نئی سلطنت مین معاشرت اور سیاست کی تبدیلیون کا لحاظ رکھا جائے۔ ہر ایک نیا مذہب یا فقاہت، علم تشریع احکام کو تجربی اور استقرائی بنانے لگا تھا، اور سابق کے استنباطی اور استنتاجی یا عقلی اور قیاسی طریقون کو چھوڑتا جاتا تھا۔ احمد بن حنبل، جو چارون امامون مین آخری امام تھے، استنباط اور قیاس کو، جو اصول فقہ کی چوتھی اصل تھی، بالکل غیر معتبر سمجھتے تھے۔ اور ایک صدی بعد ظاہریۃ مذہب نے تیسری اصل اجماع کو بھی ایک زمانۂ خاص مین رد کر دیا تھا، کیون کہ کئی ایک مسائل فقہی پر جو اجماع پہلے ہوا تھا وہ زمانۂ مابعد کے حالات متبدلہ کے مناسب نہین تھا۔ ان وجوہ سے مسلمانون کے "کامن لاکو" عدیم التغیر نہین کہہ سکتے، بلکہ برخلاف اس کے تبدیل پذیر اور وقتاً فوقتاً ترقی کرنے والا ہے۔[۵۷]

۵۷ یہان تک خود مصنف کا کیا ہوا ترجمہ ختم ہوا۔

فقہ کے ماخذون پر ایک نظر

۲۰ - مین نے ان اوراق مین اسلامی فقہ کے مشہور اور بڑے بڑے مذاہب کا نہایت مختصر حال بیان کیا ہے - اب مختصر طور پر اسلام کے سیاسی و مذہبی قانون کے ماخذ پر ایک نظر ڈالتا ہون - اسلامی شرع کے تین بڑے عنصر ہین :-

(۱) قرآن،

(۲) احادیث پیغمبر اسلام اور آثار صحابہ،

(۳) اجماع، اُن مسائل پر جن کا پتہ قرآن و حدیث مین نہ لگتا ہو۔

سب کے اخیر مین ایک اضافی جز قیاس بھی ہے، جس کی مدد سے قرآن و حدیث اور اجماع مین سے کوئی قاعدہ مقرر کر سکتے ہین۔



(۱) قرآن۔

۲۱ - قرآن ہمین تمدنی اور سیاسی (پولیٹکل) قانون نہین سکھاتا - بلکہ اس کی غرض و غایت یہ تھی کہ قوم عرب کو از سر نو زندہ کرے، اور عروج پر پہنچا دے، یعنی بالکل کایا پلٹ کردے - قرآن یا احادیث کا مقصد یہ نہین ہے کہ وہ سول لا (سول لا سے دیوانی، فوجداری اور مالی قانون مراد ہے)، اور ملٹری لا کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان کرے، یا فقہ کے عام اصول کی تشریح کرے - اس مین شک نہین کہ بعض امور سول اور پولیٹکل لا کے متعلق بیان کئے گئے ہین لیکن یہ وہ مسائل ہین جن کا اس زمانے مین نہایت خراب استعمال کیا گیا تھا، مثلاً کثرت ازدواج، طلاق، غلامی اور لونڈیون کے رکھنے کا رواج، قرآن نے ان خرابیون اور نیز دیگر مذموم عادتون کی سخت ممانعت کی، اور اوس زمانے کی ذلیل شرمناک بداخلاقیون کو مٹایا - قرآن نے غیر مسلم اور بدوی عربون سے ان کے ضعف اور خامی کی بناء پر بعض سول اور سوشیل (تمدنی) امور مین چند مناسب و معقول اور بے ضرر رعائتین بھی کی ہین لیکن جب اُن کی حالت سدھری اور وحشیانہ حالت سے نکل کر اعلیٰ اور ترقی یافتہ مدارج پر پہنچے تو یہ رعائتین بھی ممنوع ہوگئین۔

قرآن سے استخراج نتائج۔

۲۲ - اسلامی شریعت کے نہایت ضروری سول اور پولیٹکل مسائل، جو قرآن پر مبنی

ہیں، وہ محض ایک لفظ واحد یا ایک ہی جملہ سے مستخرج و مستنبط ہیں۔ بیجا لفظی تقلید کی پابندی، اور قرآن کے صحیح مطالب کی طرف سے بے توجہی، تفاسیر قرآن اور ہمارے فقہا کے استدلال کا ایک خاصہ ہوگیا ہے[۵]۔ بیان کیا جاتا ہے کہ چھ ہزار آیات قرآنی میں سے صرف دوسو آیتیں دیوانی۔ فوجداری، مال، سیاست، عبادت، اور رسوم مذہبی کے متعلق ہیں۔ اِن معدودے چند آیات احکام سے بھی قانون کے ماخذ (یعنی قرآن) کا تیسواں حصہ ایسا ہے جس کا قطعی النص ہونا یقینی نہیں ہے۔ یہ کوئی باقاعدہ اور مکمل قواعد نہیں ہیں۔ میرے خیال میں ان میں سے تین چوتھائی سے زیادہ صرف حروف واحد، الفاظ، اور ادھورے فقرے ہیں، جن سے خلاف قیاس خیالی نتائج پیدا کئے گئے ہیں، اور جس کو کوئی صحیح تعبیر قانونی جائز نہیں رکھ سکتی[۶]۔

۲۳۔ احکام اخلاق، تاریخی امور و قصص، اور پیشین گوئیوں کے علاوہ قرآن کے قانونی اور — قرآن کی تفسیر

---

[۵] اسلامی الہام کچھ زیادہ قدیم نہیں ہے، جو شخص پہلی بار قرآن کو پڑھے گا وہ مشکل سے یہ خیال کر سکتا ہے
" کہ اس کا یہ منشا جو مسلمان اقوام نے قرار دے رکھا ہے، یعنی اُنہوں نے اپنے تمدن اور سیاسی
" معاملات کی بنیاد اس پر قائم کی ہے۔ لیکن سب سے زیادہ اہم وہ نتائج ہیں جو اس کے معانی سے پیدا
" کئے گئے ہیں، حال آں کہ کوئی قطعی قاعدہ اس میں ایسا نہیں پایا جاتا کہ جس کا صحیح اطلاق کیا جا سکے
" جہاں کہیں قطعی قواعد پائے جاتے ہیں (اور وہ چھوٹے چھوٹے معاملات کی نسبت صرف چند ہی
" ہیں) تو اِن کی پابندی بڑی سختی کے ساتھ کی جاتی ہے (اِی سنٹس آف لا مصنفہ ولیم مارکبی ایم۔اے
" سکنڈ اڈیشن صفحہ ۲۰)

[۶] " بعض مسلمان فقہا ذی قانونی آیات کی تلاش کرنے میں بہت کوشش کی ہے اور الگ
" کتابیں لکھی ہیں جن میں ان آیات قرآنی کا خلاصہ درج کیا ہے۔ اور ان کو ملکی قانون کے
" مختلف اقسام پر عائد کیا ہے۔ اور فقہ کے طرز استنباطی اور خیالی طریقۂ استدلال کو خوب کام میں
" لائے ہیں۔

[illegible] اصول کی تشریح کے لئے الفاظ اور جملے، اور ان کے طرقِ استعمال مفصلۂ ذیل چار حصون مین تقسیم کئے گئے ہین۔

(۱) الفاظ

خاص — عام — مشترک — مأول

(۲) جملے

ظاہر — خفی

ظاہر — نص — مفسر — محکم — خفی — مشکل — مجمل — متشابہ

(۳) لفظون اور جملون کا استعمال۔

حقیقت — مجاز — صریح — کنایہ

(۴) طرقِ استدلال۔

عبارت — اشارت — دلالت — اقتضا

اس سے ظاہر ہوگا کہ یہ دوسو آیات قرآنی سول لا کے متعلق کوئی خاص تعلیم یا محکم قواعد نہین ہین، ان مین سے بہت سے نتائج الٹکل پچو معلوم ہوتے ہین۔

قرآن کوئی سول اور پولیٹیکل قانون کا ضابطہ نہین ہے

۴۴ – مختصر یہ ہے کہ قرآن سیاسی قوانین مین مداخلت نہین کرتا، اور نہ اس نے سول لا کے متعلق کوئی خاص قواعد وضع کئے ہین – قرآن ہمین بذریعۂ وحی کے مذہبی اصول اور اخلاق کے عام قواعد سکھاتا ہے، اور اخلاق کے ضمن مین قدیم عرب سوسائٹی کے تمام معاملات آ جاتے ہین، مثلاً اولادکشی، کثرتِ ازدواج، متعلق العنان طلاق، لونڈیون

رکھنا، شراب خواری، عورتوں کی تذلیل، پرلے درجہ کی قمار بازی، سخت اور جابرانہ سود خوری، شگون اور استخارے کے توہمات، اور علاوہ اس کے اور بہت سے رسوم معاشرتی جو مذہبی توہمات اور ناپاک بت پرستی سے ملے جلے تھے۔ قرآن نے یا تو ان کے خلاف مین سختی کے ساتھ تلقین کی، یا ان کی اصلاح کی اور ترقی کے طرف توجہ دلائی، لیکن ان امور کو نہ سوسائٹی کا دستور العمل بتایا ہے اور نہ ان کے لئے کوئی خاص قواعد قرار دئے ہین۔ اگر مسلمانون نے قرآن کی تعلیم کا اطلاق، جہان تک حالات نے اجازت دی، اپنی روزانہ معاشرت پر کیا۔ بعینہ اسی طرح جیسے عیسائی بائبل کی تعلیم کو کام مین لائے۔ کچھ عرصے سے ان کا رجحان اس طرف ہوا ہے کہ اس زمانے کی سوسائٹی کی ضروریات پر یہودی قانون کا اطلاق، بجائے کم کرنے کے، وسیع کرنا چاہئیے۔ عیسائیون مین تھوڑے زمانے سے اخلاق اور ملکی معاملات دینیات سے جدا کر لئے گئے ہین۔

"سترہوین صدی کے آخر مین اخلاق کا دینیات سے قطع تعلق ہوگیا، اور پالیٹکس (یعنی ملکی معاملات) کا اٹھارہوین صدی کے وسط مین"[۵۱]

ہندوستان اور ترکی کے مسلمانون نے بھی انیسوین صدی مین اس امر کی کوشش کی ہے، اور اس سے اُن کے مذہب مین کچھ فرق نہ آئے گا۔ سر ولیم میور کا یہ خیال کس قدر لغو ہے کہ:-

"قرآن نے مذہب کو سوسائٹی کے قواعد اور رسوم کے ایسے سخت اور مضبوط شکنجے مین کس دیا ہے کہ اگر اوپر کا خول ٹوٹ گیا تو اوس کے ساتھ ہی اوس کی اصل حیات بھی جاتی رہے گی"[۵۲]

(۲) حدیث یا سنت

۲۵- پیغمبر اسلام اور اُن کے اصحاب و اخلاف کی احادیث و روایات کا ایک بحر ذخار ہے،

---

۵۱ "تاریخ تہذیب انگلستان" مصنفہ بکل، جلد ۱، صفحہ ۲۵۴، مطبوعہ لندن ۱۸۶۸ء۔

۵۲ "خلافت راشدہ اور اسلام کی ترقی" مصنفہ سر ولیم میور، صفحہ ۲۶۔

جو تمدنی، سیاسی، ملکی، اور فوجداری کے مختلف مضامین کے متعلق ہین، اور مسلمانون کی کتب فقہ مین مندرج ہین۔ دراصل آپ کے اصحاب اور جانشین اُن احادیث کے قلم بند کرنے کے خلاف تھے جو آپ کی حیات منزلی اور تعلیم عمومی کے متعلق تھین، لیکن جیسا کہ طبیعت انسانی کا اقتضا ہے پیغمبر اسلام کے تابعین کی گفتگو زیادہ تر آپ ہی کے متعلق ہوتی تھی۔ آپ کے اصحاب و تابعین نے اون کے افعال و اقوال پر نہایت جوش کے ساتھ حاشئے چڑہانا شروع کئے، خصوصاً بعد کی نسلون نے اُن کو مافوق الفطرت صفات سے موصوف کیا۔ بعینہ یہی سلوک اناجیل کے ساتھ کیا گیا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ احادیث کا سلسلہ نہایت تیزی سے بڑہنا شروع ہوا، اور یہہ سیلاب بہت جلد دریائے ناپیدا کنار بن گیا جہوٹ اور سچ، واقعات اور قصے، سب گڈ مڈ ہو گئے۔ ضرورت کے وقت خلیفہ یا امیر کو خوش کرنے، یا اون کی مرضی کے موافق مذہبی و تمدنی اور سیاسی امور کے ثابت کرنے کے لئے زبانی احادیث کے حوالے پیش کئے جاتے تھے۔ مطلق العنان فرمانرواؤن کی نفسانی خواہشات اور جذبات اور اُن کی خوشی کو پورا کرنے کے لئے، یا ہر قسم کی لغویات اور کذب کی حمایت مین آپکا نام مطعون کیا جاتا تھا، مگر یہہ نہوا کہ احادیث کی تنقید اور چہان بین کے لئے کوئی معیار قایم کرتے۔

احادیث کی تحقیق تنقیدی اصول پر نہین

۲۶۔ یہ بہت بعد کا زمانہ تھا جب ضعیف اور موضوع احادیث صحیح احادیث کے ساتھ بالکل گڈ مڈ ہو گئین، اور فرداً فرداً چند بزرگون کو احادیث کے اس بڑے انبار کی چہان بین کا خیال پیدا ہوا۔ صحاح ستہ[51]، اسلام کی تیسری صدی مین مدون کی گئین، لیکن اُن کی تحقیق کا معیار ایسے تاریخی اور عقلی اصول پر نہین تھا جن کی بنا تحقیق و تدقیق پر قایم ہوتی ہے۔ احادیث

[51] ۱۔ محمد بن اسمٰعیل بخاری۔ متوفی ۲۵۶ھ ۴۔ ابو عیسیٰ محمد ترمذی۔ متوفی ۲۷۹ھ
۲۔ مسلم بن الحجاج نیشاپوری۔ متوفی ۲۶۱ھ ۵۔ ابو عبدالرحمان نسائی۔ متوفی ۳۰۳ھ
۳۔ ابوداؤد السجستانی۔ متوفی ۲۷۵ھ ۶۔ ابن ماجہ القزوینی۔ متوفی ۲۷۳ھ

کی تحقیق کا معیار یہ نہین تھا کہ اون کے مضمون پر غور کرتے، یا اون کی اندرونی یا تاریخی شہادت پر نظر کر کے اوس کی صحت اور غیر صحت کا اندازہ کرتے، بلکہ اوس کے جانچنے کا طریقہ یہ رکھا کہ راویون کا سلسلہ پیغمبر اسلام یا آپ کے اصحاب تک پہنچتا ہے یا نہین - اور دوسرے یہ کہ راویون مین سے کسی کا چال چلن قابل اعتراض تو نہین - علاوہ اس کے دو ایک اور چھوٹی چھوٹی باتون کا لحاظ کیا جاتا تھا - مضمون کی تحقیق اور عقلی وصحیح کا اطلاق دوسرون پر چھوڑ دیا گیا اسی لیئے محققین کے نزدیک اخبار احاد کی پیروی لازم نہین -

۲۷ - یورپین مصنف مثلاً: میور، آس برن، ہیو، اور سیل اسلامی احادیث کا ذکر کرتے وقت اس امر کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہین کہ اصولاً اور عقیدۃً تمام احادیث کا تسلیم کرنا مسلمانون پر لازم نہین - یہ اصول درحقیقت فقہ کی بیخ کنی کر دیتا ہے - فقہا یہ کہتے ہین کہ گو احادیث مثل اخبار احاد کے مستند نہون، لیکن عملی طور پر ان کی پیروی کرنا مسلمانون پر لازم ہے - اس کے یہ معنی ہوئے کہ بہرحال ہمین احادیث کی پیروی کرنا چاہیئے، خواہ ہماری عقل اور کانشنس (ایمان) ہم کو اس پر مجبور کرے یا نہ کرے - جن محققین نے احادیث کو جمع کیا اور اُن کی چھان بین کی ہے، اُن کا یہ قول ہے کہ عموماً کیسی ہی مضبوط اور محکم اسناد کیون نہون، احادیث پر اعتبار نہین ہو سکتا، اور نہ جو شئے اس مین بیان کی گئی ہے اوس کا یقینی علم اِس سے حاصل ہو سکتا ہے - اِس قول پر اگر خیال کیا جائے تو احادیث کے لیئے معیار صداقت اور اصولِ عقلی کے قایم کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہین رہتی، کیون کہ وہ بذات خود بالکل ناقابل اعتبار ہین -

عقیدۃً احادیث کی پیروی لازمی نہین

۲۸ - اگرچہ مسلمانون کے اکثر سول اور پولٹیکل قوانین احادیث سے اخذ کیئے گئے ہین، لیکن یہ ظاہر ہے کہ وہ ناممکن التبدیل نہین ہین - صرف اِس وجہ سے کہ وہ یقینی اور محکم بنیادون پر مبنی نہین ہین - پیغمبر اسلام نے کبھی اپنے پیرون کو اپنے زبانی اقوال اور اپنے ذاتی وعمومی معاشرت کی روایات جمع کرنے کا حکم نہین دیا، اور نہ آپ کے اصحاب نے

پیغمبر اسلام نے احادیث جمع کرنے کا کبھی حکم نہین دیا

خود کبھی اس کام کے کرنے کا خیال کیا - یہ امر مسلم ہے، اور کسی کو اس مین کلام نہین، کہ آپ حتی الامکان کبھی ملک کے سول (ملکی) اور پولیٹیکل (سیاسی) امور مین دخل نہین دیتے تھے سوا ان امور کے جو روحانی تعلیم اور اخلاقی اصلاح کے ضمن مین آجاتے تھے یہ ایک نہایت صریح اور پرزور ثبوت ہے اس بات کا کہ وہ سول اور پولیٹیکل مسائل، جو ضعیف احادیث اور غیر معتبر روایات پر مبنی ہین، قطعی ہونے کا حکم نہین رکھتے، بلکہ ان مین تغیر و تبدل کی پوری گنجایش ہے -

(۳) اجماع

۲۹ - اجماع تمام اسلامی دنیا کے کل علماء کی متفقہ رائے کا نام ہے جو کسی خاص زمانہ مین کسی ایسے معاملے یا مذہبی مسئلے کی نسبت لی جائے جس کے لئے قرآن و احادیث مین کوئی حکم نہو - اگر ان مین سے کوئی ایک عالم بھی دوسرون سے اختلاف کرے تو وہ اجماع قطعی یا مستند نہین خیال کیا جاتا -

اجماع مستند نہین

۳۰ - ہسپانیہ کے واجب التعظیم اور مسلّم مصنف شیخ محی الدین ابن عربی (متوفی ۶۳۸ھ)، اصفہان کے مشہور فاضل اور فقہ کے مذہب ظاہری کے بانی ابوسلیمان داؤد الظاہری، ابوحاتم محمد بن حبّان التمیمی الباسطی معروف بہ ابن حبان (متوفی ۳۵۴ھ)، ہسپانیہ کے مشہور عالم ابومحمد علی بن حزم (متوفی سنہ ۴۵۶ھ)، اور ایک قول کے بموجب امام احمد بن حنبل (متوفی سنہ ۲۴۱ھ) نے اصحاب رسول کے اجماع کے علاوہ دوسرے تمام اجماعون کے مستند ہونے سے انکار کیا ہے - اور ابن اسحاق ابراہیم ابن سیّا النظام البلخی معروف بہ نظام (متوفی سنہ ۲۳۱ھ)، اور ایک دوسرے قول کے بموجب امام احمد بن حنبل نے ہر ایک اجماع سے انکار کیا ہے، خواہ وہ آنحضرت کے اصحاب کا ہو یا دوسرے مسلمانون کا - امام مالک جو نہایت نامور فقیہ اور فقہ کے دوسرے مذہب کے بانی ہین، وہ صرف اہل مدینہ کے اجماع کو تو مستند خیال کرتے ہین، مگر دوسرے اجماعون کو مستند خیال نہین کرتے در حقیقت ان کے اصول فقہ اہل مدینہ کے رسوم و عادات پر مبنی ہین - امام شافعی جو تیسرے امام اور

ایک مختلف مذہب کے بانی ہین جو اُن کے نام سے مشہور ہے، اُن کا قول ہے کہ اجماع کا اتباع اُس وقت سب پر لازم ہے جب کہ وہ زمانہ گذر گیا ہو، جس مین اجماع کرنے والے زندہ تھے، اور بشرطے کہ اون مین سے کوئی شخص بھی اپنی اوس راے سے جس پر وہ اجماع کے وقت قایم تہا، نہ ڈگمگایا ہو، کیون کہ اگر اِن مین سے کسی ایک شخص نے بھی اپنی زندگی مین کبھی اختلاف کیا تو وہ اجماع ساقط ہوجائے گا، اور مستند خیال نہین کیا جائے گا۔

اجماع کی اقسام

۱۳۔ جب تمام علما کسی شرعی مسئلے یا اصول کی نسبت اپنا اتفاق ظاہر کرین، یا اگر قابل عملدرآمد ہو اور اُس پر عمل کرنا شروع کر دین، تو اس اجماع کو "عزیمت" کہتے ہین۔ اور اگر علماء کسی مسئلے سے صراحتہً اپنا اتفاق ظاہر نہ کرین، بلکہ سکوت سے اِن کا منشاے عدم اختلاف معلوم ہوتا ہو، تو اس کو "رخصت"، یا "سکوتی" کہتے ہین، لیکن امام شافعی ایسے اجماع کو معتبر نہین سمجھتے۔

امام ابوحنیفہ کا یہ قول ہے کہ اجماع صرف اوسی حالت مین مستند ہوسکتا ہے جب کہ قبلِ اجماع اِس مسئلے کی نسبت اختلاف نہو۔ کرخی نے بھی یہی بیان کیا ہے۔ امام محمد اِس مسئلے مین اپنے استاد سے اتفاق نہین کرتے۔ امام ابویوسف کے اس کے متعلق دو فتوے ہین۔ ایک مین تو اُنہون نے اپنے اُستاد سے اتفاق کیا ہے، اور دوسرے مین اپنے اُستاد بھائی امام محمد سے۔ جب کسی زمانے مین دو فریق ہون، اور اُن مین آپس مین کسی مسئلے کے متعلق اختلاف ہو، تو یہ جائز نہین رکہا گیا کہ بعد کے زمانہ مین اُن دونون رایون سے اختلاف کر کے کسی تیسری راے کے لئے اجماع کیا جائے۔ ایسے اجماع کو "مرکب" کہتے ہین۔

اجماع کے مشتہر کرنے کا طریقہ

۱۴۔ آیندہ نسلون تک اجماع کی پوری کیفیت پہنچانے کے لئے یہ ضرور ہے کہ ہر زمانے مین اُس کے لکھنے اور مشتہر کرنے والے کثرت سے ہون، تاکہ اُس کی نسبت غلطی کا

احتمال ہو - اس طور پر اجماع کی جو کیفیت ہم تک پہنچتی ہے اُس کو "اجماع متواتر" کہتے ہین، لیکن اگر اس طور پر ہم تک نہ پہنچے تو اوس کو "اجماعِ احاد" کہتے ہین - پہلی قسم کے اجماع کی نسبت چون کہ خبر صحیح اور سچی ملتی ہے لہذا اوس کی پیروی سب پر لازمی ہے، لیکن دوسری قسم کے اجماع کا اتباع لازمی نہین، کیون کہ اوس کے سچ ہونے کا پورا یقین نہین، لیکن اوس کے ساتھ ہی اتفاق کرنا ضروری ہے -

اجماع کی نسبت مختلف رایون کا خلاصہ -

۳۳ - یہ ہے اجماع کی کیفیت، جو اسلامی فقہ کا تیسرا اصول ہے، لیکن خود فقہا ہی نے اس کی بنیاد کو متزلزل کر دیا ہے، کیون کہ:

اوّل، تو وہ ایسے اجماع کو سرے سے مانتے ہی نہین، اس لئے کہ وہ عملی طور پر ناممکن ہے

دوم، وہ اوس کی پیروی لازم نہین سمجھتے، سوائے اوس حالت کے جب کہ اصحابِ رسول اوس مین شریک ہون -

سوم، بعض فقہا کسی اجماع کو نہین مانتے، خواہ وہ اصحاب رسول کا ہو یا دوسرے علماء کا -

چہارم، اگر یہ فرض ہی کر لیا جائے کہ اجماع ہوئے، اور اُن کی پیروی تمام اسلامی دنیا پر فرض ہے، تو بھی یہ ناممکن ہے کہ اون کی صحیح نقلین ہم تک پہنچین، اور ان کا اتباع ہم پر لازم ہو - اسکے فیصلہ پر پورا بھروسہ کرنا غلطی ہے، اگرچہ ہم یہ یقینی طور پر نہین جانتے کہ کوئی ایسا اجماع کبھی ہوا یا نہین -

اجماع کے متعلق مسٹر سیل کی رائے

۳۴ - مسٹر سیل نے اپنی کتاب "عقیدۂ اسلام" مین جو اس مضمون پر بحث کی ہے، اوس مین غالباً ان کو مغالطہ ہوا ہے - اس مضمون کے متعلق اون کے ماخذ اس قسم کے ہین - جو کسی طرح قابل اعتبار نہین ہو سکتے - وہ ذیل کی عبارت ایک کتاب سے نقل کرتے ہین جس کی نسبت وہ کہتے ہین کہ "وہ ہندوستان مین نہایت مستند اور معتبر خیال کی جاتی ہے" وہ عبارت یہ ہے:-

اجماع کا مطلب یہ ہے کہ سوائے آئمہ اربعہ کے کسی دوسرے کی تقلید نہ کی جائے (صفحہ ۱۹)

پھر اس کے بعد وہ بلا کسی مستند مذہبی کتاب کے حوالے[۵۱] کے لکھتے ہین کہ :-

"آئمہ اربعہ کے اجماع کی تقلید سب اہل سنت والجماعت مسلمانون پر فرض ہے" (صفحہ ۲۴)

لیکن یہ بات فیصلہ طلب ہے کہ آیا کبھی کوئی اجماع ایسا ہوا تھا جس نے یہ تصفیہ کیا ہو کہ آئندہ صرف آئمہ اربعہ کی تقلید کی جائے، یا کبھی خود آئمہ اربعہ کا کوئی اجماع ہوا ہے ۔ پہلے امر کی نسبت کوئی ثبوت نہین، دوسرا امر صریحاً لغو ہے، کیونکہ آئمہ اربعہ ہم عصر نہین تھے، پھر اُن کا اجماع کیونکر ہو سکتا ہے ۔

(۴) قیاس

۲۳۵ مسٹر سیل نے غلطی سے قیاس کو اسلام کا چوتھا رکن قرار دیا ہے[۵۲]، اور دوسری بڑی غلطی اُن سے یہ سرزد ہوئی ہے کہ اُنہون نے قیاس کو عقیدے کی بنیاد بتلایا ہے ۔ اصطلاح مین قیاس نام ہے اُن عقلی دلائل کا جو قرآن، حدیث یا اجماع پر مبنی ہون ۔ لہذا قیاس قانون کا کوئی مستقل بالذات ماخذ نہین ہے، بلکہ استدلال بالقیاس مین جو "علت" مشترک ہو اُس کی بنیاد مذکورہ بالا تین ماخذون مین سے کسی ایک ماخذ پر ہونا چاہیئے ۔ یہ تمام قیاسی دلائل غیر یقینی ہوتی ہین، اور اس لئے مستند خیال نہین کی جا سکتین ۔ لیکن باوجود اس کے قیاس اسلامی شریعت ملکی (محمدن سول لا) کا ایک بہت بڑا ماخذ ہے، تو پھر ایک ایسا قانون (شریعت) کس طرح قطعی یا ناممکن التبدیل کہا جا سکتا ہے ۔

قیاس قابل اعتماد نہین

۲۳۶ - ابن مسعود صحابی (متوفی ۳۲ھ)، امیر الشعبی کوفہ کے ایک تابعی (متوفی ۱۰۹ھ) محمد بن سیرین (متوفی ۱۱۰ھ)، حسن البصری (متوفی ۱۱۰ھ)، ابراہیم النظام (متوفی ۲۳۱ھ)

[۵۱] اس مضمون کو مسلمانون کی عقائد کی کتابون سے کچھ تعلق نہین، اس کا تعلق فقہ یا اصول سے ہے، اور الٰہیات یا عقائد سے بالکل جدا ہے، آئمہ اربعہ صرف فقیہ کہلائے جاتے ہین نہ کہ عالم الٰہیات ۔

[۵۲] "عقیدۂ اسلام" مصنفۂ ریورنڈ سیل صفحہ ۲۷ ۔

داؤد بن علی اصفہانی بانی فرقہ ظاہری (متوفی سنہ ۲۷۰ھ) اور اس کا بیٹا ابوبکر محمد علی ایک بہت بڑا عالم تھا (متوفی سنہ ۲۹۷ھ) ابوبکر بن ابی اسحٰق بن ... مسعدی کا ایک مشہور فقیہ ان سب نے قیاس کے مستند ہونے سے انکار کیا ہے، اور قیاسی طرز کو غیر معتبر ٹھیرایا ہے۔ حافظ ابو محمد علی بن حزم[۵۱] (متوفی سنہ ۴۵۶ھ) نے جو عام طور پر ابن حزم مشہور ہے

---

[۵۱] مسلمانان اسپین میں سب سے بڑا عالم اور سب سے زیادہ قابل نامور ابن حزم ہے۔ ابن حزم قرطبہ میں ۹۹۴ء میں پیدا ہوا۔ وہ دراصل عیسائی نژاد تھا۔ لیکن اس نے اپنے سلسلۂ نسب کو یزید بن ابی سفیان کے ایک ایرانی آزاد شدہ غلام سے ظاہر کیا ہے۔ یزید بن ابی سفیان اسپین کے خاندان امیہ کے پہلے خلیفہ کا بھائی تھا ابن حزم کو جتنی اسلام سے دلچسپی تھی اُسی قدر عیسائیت سے تنفر تھا اس کا باپ خلیفہ منصور بن ابی عامر کا وزیر تھا اور ابن حزم خود بھی سیاسی امور میں نہایت شغف رکھتا تھا اور اس خاندان کا بڑا طرفدار تھا اس کی عمر بیس سال کی بھی نہ تھی کہ عبدالرحمان خامس (۱۰۲۳-۱۰۲۴) کا وزیراعظم ہوگیا۔ لیکن خاندان امیہ کے زوال کے بعد اس نے گوشہ نشینی اختیار کر لی اور علمی مشاغل میں بالکلیہ منہمک ہوگیا۔ ابن بشکوال اپنی کتاب الصلۃ فی اخبار ائمۃ الاندلس میں ابن حزم کا حال اس طرح لکھتا ہے:-

"اہل اندلس میں بلحاظ عام معلومات اور اسلامی علوم کے ماہر ہونے کے ابن حزم سب سے بڑا شخص گزرا ہے وہ زبان عربی کا ایک جید عالم تھا وہ ایک بہت بڑا مصنف، شاعر، تذکرہ نویس، اور مورّخ تھا۔"

اس کے بیٹے کے پاس اس کی تصنیف کی ہوئی (۴۰۰) جلدیں تھیں جنکی تعداد اوراق اسی ہزار تھی۔ دیکھو ابن خلکان تذکرہ ابن حزم۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ ابن حزم یہ کہا کرتا تھا کہ "میں علوم کو اس لئے حاصل کرتا ہوں کہ دونوں جہان میں میرا درجہ بڑے عالموں میں شمار کیا جائے۔ ابن حزم کو اپنے ہمعصروں سے کچھ مدد نہ ملی۔ اس کا فرقۂ ظاہریہ سے ہونا کوئی ایسی بات نہ تھی لیکن جس طریقہ سے

اور جو ہسپانیہ مین مذہب اسلام اور فقہ کا ایک بڑا مصنف گذرا ہے، ایک رسالہ لکھا ہے جس مین اس نے راے، قیاس، استحسان (قیاس کی ایک ضمنی تقسیم)، تعلیل (علت غائی کا دریافت کرنا اور اس سے نتائج نکالنا) اور تقلید (ائمہ اربعہ مین سے کسی ایک کی آنکھ بند کر کے تقلید کرنا) کی تردید ہے۔

۳۷ - اس مین کچھ شک نہین کہ اسلامی فقہ کے بعض حصے ہر زمانے کی معاشرت اور ترقی کے بہت مناسب تھے، اور اب بھی باوجود اس قدر تغیر و تبدل کے وہ سوسائٹی کے نظام اور عمدہ گورنمنٹ کے مقاصد کے لئے بالکل کافی ہین، لیکن اسلامی فقہ مین بعض امور ایسے بھی پائے جاتے ہیں جو اسلام کی موجودہ ضروریات کے لحاظ سے، خواہ وہ ہندوستان مین ہون یا روم مین، مناسب نہین ہین۔ اسلامی

سول لا کے بعض حصے از سرِ نو لکھے جانے چاہئین

**بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵** - اس نے دوسرے فرقون کا رد کیا ہے وہی اس کے حق مین مضر ہوا اور اس کے لئے کفر کے فتوے جاری ہوئے - لوگون کو متنبہ کیا گیا کہ اس سے کچھ سروکار نہ رکھین اور شہر سیوائل (اشبیلیہ) میں اس کی تصنیفات جلا دئے گئے - بیان کیا جاتا ہے - کہ جب اس کی تصنیفات جلا دی گئی تو اس نے کہا :-

"اگرچہ کاغذ جلا دے گئے ہین لیکن ان کے مضامین نہین جلائے جا سکتے وہ میرے سینہ مین محفوظ ہین جہان مین جاتا ہون وہ میرے ساتھ ہین اور اسی طرح میری قبر مین جائین گے" اس کے بہت سے صوبہ جات کے نکالے جانے کے بعد اس نے اپنے ایک مقبوضہ دیہات مین رہنا اختیار کیا - اور آخری وقت تک وہین رہا - اُس کی تصنیفات سے بہت ہی کم کتابین باقی ہین - لیکن خوش قسمتی سے اس کی سب سے زیادہ قیمتی تصنیف کتاب الملل والنحل موجود ہے جو مصر مین چھپ گئی ہے - اس مین غیر اسلامی مذاہب یعنی یہودیون، عیسائیون اور زردشتیون کا اصول کلام کے موافق رد لکھا گیا ہے - اور فرقہ ظاہریہ کے مخالف عقیدون کا بھی رد لکھا گیا ہے دنیز فرقہ معتزلہ، مرجیہ، شیعہ

فرع کے بعض حصے مثلاً پولٹیکل انسٹیٹیوٹ (اصول سیاست)، غلامی، لونڈیاں رکھنا، نکاح، طلاق، غیر مسلم رعایا کی لاچاری، یہ سب ابواب ٹھیک ٹھیک تعلیم قرآن کے مطابق از سر نو تحریر کرنے اور ترتیب دینے چاہئیں جس طرح کہ میں نے آیندہ اس کتاب کے آیندہ اوراق میں کوشش کی ہے۔

مختلف اقوام رعایا میں مساوات

۳۸- جس قدر ملکی، قانونی، اور تمدنی مساوات بعض سلاطین عثمانی کے فرامین سے عطا کی گئی ہے، اُس سے زیادہ آزادی عملی طور پر "شرعی" یعنی عدالت مذہبی میں دینا چاہیے [۵۱]

اور اسی طور پر اُن مسلمانوں کے ساتھ بھی بعض قانونی امور میں رعایت کرنا چاہیے جو عیسائی سلطنت کی رعایا ہیں، خواہ وہ روس میں یا ہندوستان میں یا الجزائر میں

---

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶ - اور خوارج کا رد لکھا گیا ہے - ماخوذ از لٹریری ہسٹری آف عربیا مصنفہ نکلسن مطبوعہ لندن ۱۹۰۷ء -

اڈیٹر -

[۵۱] - از روے قیاس کے سواے شرعی یعنی مذہبی عدالت کے اور عدالتوں میں ایک عیسائی کی شہادت جائز ہے، لیکن عملاً کسی عدالت میں بھی جائز نہیں" (ملکم میکال کن ٹمپوریری ریویو صفحہ ۸۰، ۹) "جہاں کہیں غیر مسلم کسی ترکی عدالت میں شہادت دیتی ہے وہاں انصاف معرض خطر میں آجاتا ہے۔ ایک بلگیرین کی جھوٹی شہادت پر اوسطاً پانچ پیاسٹر خرچ کرنا پڑتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ قاضی خالص مسلمانوں کے مقدمات میں، جو از روے شرع اسلامی فیصل ہوتے ہیں، اوس کو جائز نہیں رکھتا۔ ناظرین کو یاد رہے کہ خالص عیسائی مقدمات میں مسلمانوں کی بھی شہادت نہیں لی جاتی۔"

* (ایسٹرن کویسچن ان بلگیریا" مصنفہ مسٹر کلیر اور بروفی صفحہ ۲، ۲، مطبوعہ لندن ۱۸۷۷ء)

مجوزہ اصلاحوں کو کون عمل میں لاسکتا ہے

۹۳- اب خود بخود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان مجوزہ اصلاحوں کو، جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، کون عمل میں لاسکتا ہے؟ میں بلا تامل اس کا یہ جواب دیتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت سلطان المعظم وہ اس امر کے مجاز ہیں کہ قرآن کی سند سے سیاسی، قانونی، یا تمدنی اصلاحیں عمل میں لائیں - جیسے گذشتہ سلاطین نے، مذہب حنفی کے خلاف بعض مفید تجاویز کو قانونی اور سیاسی امور میں رواج دیا تھا۔ جدید احکام جاری کرنے کا شرعی حق صرف سلطان کو حاصل ہے، کیونکہ وہ "خلیفہ خلفائے رسول اللہ،" "امیر المومنین" اور "صوت الحی" (اسلام کی زندہ آواز) ہیں - بلاشبہ خلفائے راشدین کو قانون بنانے کا کامل اختیار تھا، اور وہ اپنے اجتہاد سے جب چاہتے اسلام کے اس قانون میں تغیر و تبدل کر لیتے تھے، جو اس وقت تک ناقص اور غیر مدون تھا - مسٹر ڈبلیو ایس[۵۱] بلنٹ کی رائے کے مطابق قریش کا ایک ایسا خیالی خلیفہ غیر ضروری ہے، جس کو خود مسلمان انتخاب کریں، اس کا مستقر خلافت مکہ ہو، اور وہ روئے زمین کے تمام علماء کو ایام حج میں جمع ہونے کی دعوت دے، اور ایک مجلس میں اس غرض سے ایک نئے مجتہد کا انتخاب کرے، کہ وہ شریعت میں بعض ایسی تبدیلیاں عمل میں

۵۱ - "فیوچر آف اسلام" مصنفہ ولفرڈ ایس بلنٹ صفحات ۱۲۵ یا ۱۲۶
مطبوعہ لندن ۱۸۸۲ء -

لاسے، جو اسلام کی فلاح کے لئے ضروری اور احادیث سے مستنبط ہون۔

یہ امر معتبر اسناد کے ساتھ بیان ہوچکا ہے کہ ٹرکی کی اصلاح کے لئے بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ بجاے فقہ حنفی کے قوانین سلطانی پر عمل کیا جاے۔ سلطان کو بحیثیت سلطان، یا بحیثیت خلیفہ اس امر کا حق حاصل ہے۔ یہ خیال، کہ ایسا کرنے سے اسلام گورنمنٹ کا مذہب نہین رہے گا، محض بے بنیاد ہے، کیون کہ اسلام بحیثیت مذہب سلطنت ٹرکی کے عمدہ انتظام کا مانع نہین ہے۔ سلطان بحیثیت خلیفہ، اوس فقہ حنفی کے اتباع پر مجبور نہین ہین، جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ زمانۂ موجودہ کی ضروریات کے مناسب نہین ہے۔ تمام خلفاے راشدین فقہ حنفی سے پہلے گزرے ہین، اور اون کے بعد بھی اس کا رواج کامل طور پر ہر جگہہ نہین ہوا، کیون کہ مختلف اسلامی ممالک مین مختلف قانون رائج تھے۔

مجوزہ اصلاحون کو شروع کیون کر کیا جاے؟ اور کس سند سے

۴۴۔ مجھے کرنل آسن برن کی اس راے سے اتفاق نہین کہ کسی اسلامی مملکت مین پولیٹکل اصلاح شروع کرنے سے پہلے مذہبی انقلاب کی ضرورت ہے۔ مین یہان اپنے وجوہ کا اعادہ نہین کرنا چاہتا، کیون کہ مین پہلے بہ تفصیل بیان کرچکا ہون کہ تمدنی قانونی اور سیاسی اصلاحین کیونکر دول اسلامی مین ہوسکتی ہین۔ یہان صرف مختصر طور پر یہ بحث کرون گا کہ ابتدا کیون کر کی جاے، اور ہم اس کے لئے سند کہان سے حاصل کرین؟ مسٹر آسبرن کہتے ہین کہ

"اسلام کی تاریخ مین کوئی نقص یا جرم ایسا نہین ہے جس کا جواب عیسوی تاریخ مین نہ پایا جاتا
" ہو۔ عیسائیون نے غلطی سے مردہ رسوم کو زندہ مذہب سمجھ رکھا ہے۔ عیسائیون نے انجیل
" سے سخت سے سخت مذہبی ایذا رسانی کی اجازت ثابت کی ہے۔ عیسائیون نے انسانی
" سندون اور راویون کی رو سے اخلاقی اور عقلی قوت کے دبانے اور محدود کرنے مین بے انتہا
" کوشش کی ہے۔ لیکن سب سے قوی شہادت جو ان غلطیون کے خلاف پیش کی جاسکتی ہے
" وہ خود حضرت عیسیٰ ہین۔ ہر ایک مصلح جس نے ان بیجا کارروائیون کی مخالفت کی، وہ اپنے
" مذہب کی صداقت اور ثبوت مین، حضرت عیسیٰ اور ان کی تعلیم کی سند پیش کرسکتا تھا، لیکن کوئی

"مسلمان کثرت ازدواج، غلامی، قتل، مذہبی جنگ وجدل اور مذہبی ایذا رسانی کے خلاف اپنی آواز بلند نہیں کرسکتا، جب تک کہ وہ خود پیغمبر کی ذات پر حملہ نہ کرے، اور ایسا کرنے سے وہ مسلمانوں کے زمرے سے خارج ہوجائے گا" [۵۱]

میں نے کثرت ازدواج، غلامی اور عدم مساوات حقوق کی مخالفت اس کتاب میں کی ہے، اور اپنے دعوٰی کے ثبوت میں قرآن اور پیغمبر اسلام کی تعلیم کو پیش کیا ہے۔ قتل، مذہبی جنگ، اور مذہبی ایذا رسانی کے متعلق میں نے اپنی ایک اور کتاب میں مفصل بحث کی ہے، اس کتاب کا نام ہے "محمدؐ کی تمام لڑائیاں خود حفاظتی تھیں"

کتاب ہذا کے حصّہ اول کے تیرہویں فقرے سے سولہویں فقرے تک بھی ملاحظہ کرنا چاہیئے۔

تمام سیاسی، تمدنی اور قانونی اصلاحیں، جن کا ذکر اس کتاب میں کیا گیا ہے، ان کی بنیاد قرآن پر رکھی گئی ہے مسلمانوں نے قرآن کی تفسیر اس طور سے کی ہے کہ جس سے کثرت ازدواج، من مانی طلاق، غلامی، لونڈیوں کے رکھنے اور مذہبی جنگ وجدل کی اجازت نکلتی ہے لیکن ان تمام غلطیوں کے خلاف سب سے قوی شہادت خود قرآن ہے، کیونکہ قرآن کی تعلیم کثرت ازدواج، من مانی طلاق، غلامی، مذہبی جنگ و ایذا رسانی، اور لونڈیاں رکھنے کے خلاف ہے۔ مباحث مذکورہ بالا کے لئے قرآن کی مفصلہ ذیل آیات کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

کثرت ازدواج کے خلاف:- النساء ۴ - آیت ۳، ۱۲۸۔

من مانی طلاق کے خلاف:- البقرہ ۲ - آیت ۲۲۶ - ۲۲۷، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۷، ۲۳۸ - النساء ۴ - آیت ۲۲ تا ۲۵، ۲۸، ۳۹، ۲۷، ۱۲۷ تا ۱۲۹ - الاحزاب ۳۳ - آیت ۴۸ - الکہف ۱۸ - آیت ۲، ۵ - الطلاق ۶۵ - آیت ۱، ۲، ۶،

[۵۱] "اسلام بزمانہ خلفائے بغداد" مصنفہ آس برانؔ صفحہ ۸۰۔

مذہبی غیر مساوات کے خلاف :- الکافرون ۱۰۹، الغاشیہ ۸۸- آیت ۲۱ تا ۲۴ ق ۵۰ - آیت ۴۵، ۴۴ - الجن ۷۲ - آیت ۲۱ تا ۲۴ - النحل ۱۶ - آیت ۸۲، ۳۷ - العنکبوت ۲۹ - آیت ۱۷ - الکہف ۱۸ - آیت ۴۰ - الشوریٰ ۴۲ - آیت ۴۷ - البقرہ ۲ - آیت ۲۵۷ - التغابن ۶۴ - آیت ۱۲ - آل عمران ۳ - آیت ۱۹ - النور ۲۴ - آیت ۵۳ - التوبہ ۹ - آیت ۶ - المائدۃ ۵ - آیت ۹۲، ۹۹ - الکہف ۱۸ - آیت ۲۸ - العنکبوت ۲۹ - آیت ۱۶، ۱۰ - الانعام ۶ - آیت ۱۰۷ - یونس ۱۰ - آیت ۹۹ -

غلامی کے خلاف :- البلد ۹۰ - آیت ۸ تا ۱۵ - البقرہ ۲ - آیت ۱۷۷ - النور ۲۴ - آیت ۳۳ - المائدہ ۵ - آیت ۹۱ - محمد ۴۷ - آیت ۴ - التوبہ ۹ - آیت ۶۰ -

لونڈیاں رکھنے کے خلاف :- النساء ۴ - آیت ۳، ۲۹ تا ۳۲ - النور ۲۴ - آیت ۳۲ - المائدۃ ۵ - آیت ۷ -

چونکہ آخری آیت اس کتاب کے صفحہ ۱۷۴ (اصل انگریزی) میں نہیں لکھی گئی ہے، لہذا یہاں نقل کی جاتی ہے :-

احل لکم . . . المحصنٰت من المؤمنٰت، والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم، اذا اتیتموھن اجورھن محصنین غیر مسافحین ولا متخذی اخدان (المائدۃ ۵ - آیت ۷)

"حلال کی گئیں تمہارے لئے . . مسلمان بیاہتا بیبیاں، اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی جا چکی ہے اون میں سے بیاہتا بیبیاں بشرطیکہ اون کے مہر اون کے حوالے کرو، اور تمہارا ارادہ (اون کو) قید نکاح میں لانے کا ہو، نہ کھلم کھلا بدکاری کرنے کا، اور نہ چوری چھپے آشنا بنانے کا"

انتخاب از مسٹر لین پول -

۱۷ - مسٹر آسٹین لی لین پول اپنے "انتخاب قرآن" کے دیباچے میں تحریر کرتے ہیں کہ :-

" اگر اسلام زمانہ آیندہ میں طاقتور ہونا چاہتا ہے تو معاملات تمدن کو مذہب سے بالکل

" الگ کر دینا نہایت ضروری امر ہے - شروع شروع مین جب کہ لوگون نے تمدن کی منزل بہت کم
" طے کی تھی تو سوشیل (تمدنی) نقص اس قدر نمایان نہ تھے، لیکن اب کہ اہل مشرق اہل یورپ سے
" برابری کے دعوی سے ملنے کی کوشش کر رہے ہین، اور مغربی رسوم و آداب اختیار کرنے مین
" ساعی ہین - تو یہ ظاہر ہے کہ اگر وہ یورپین روش سے کچھ فائدہ اوٹھانا چاہتے ہین، تو اپنی عورتون کی
" حالت سر سے سے بالکل بدل دین مشکل یہ آپڑی ہے کہ قرآن کے مذہبی اور تمدنی احکام مین
" بڑا گہرا تعلق ہے، دونون آپس مین اس طور پر جکڑے ہوئے ہین کہ ایک کو دوسرے سے الگ کرنیکی
" کوئی تدبیر سوا اس کے نہین کہ دونون کو معدوم کر دیا جائے وحی والہام کے خیال مین کبھی
" قدر تبدیلی کرنا پڑے گی، قرآن کے حرف بہ حرف وحی ہونے کے عقیدے کو چھوڑنا پڑے گا،
" اور اون کو عام و خاص اور عارضی و مستقل مین امتیاز کرنے کے لئے اخلاقی قوت سے کام لینا ہوگا
" اون کو اس امر پر بھی غور کرنا پڑے گا کہ پیغمبر اسلام کی تعلیم کا بہت سا حصہ، جو اگرچہ اُس وقت
" کے لئے مفید تھا، مگر موجودہ حالات کے نامناسب ہے، نیز یہ کہ اون کا علم اکثر جزئی ہوتا
" تھا، اور اون کی رائے بعض اوقات خطا پر ہوتی تھی، اور نیز یہ کہ اخلاقی قوت بھی ایسی ہی قابل تعلیم
" ہے جیسی دماغی قوت - اور اس لئے جو بات ساتوین صدی مین مطابق اخلاق اور بہتر سمجھی جاتی
" تھی ممکن ہے کہ وہ انیسوین صدی مین خلاف اخلاق اور سوسائٹی کے حق مین مہلک سمجھی جائے
" خود پیغمبر اسلام نے کہا ہے کہ مین محض بشر ہون، جب مین تمہین کسی مذہبی مسئلے کے متعلق حکم دون تو
" تم اوسے قبول کرو، اور جب دنیاوی معاملات مین حکم دون تو اس وقت مین محض بشر ہون[۵۱] - وہ
" خوب سمجھے ہوئے تھے کہ ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے جب کہ اون کے چھوٹے چھوٹے احکام پر
" نظر ثانی کی ضرورت پڑے گی - اور نیز یہ فرمایا کہ تم اب ایسے زمانے مین ہو کہ اگر احکام کے دسوین
" حصے کو بھی ترک کروگے تو تم ہلاک ہو جاؤ گے، لیکن اس کے بعد ایک زمانہ آئے گا
" کہ اگر لوگ دسوین حصے پر بھی عمل کرین گے تو اون کی مغفرت ہو جائے گی"[۵۲]

[۵۱] "مشکوٰۃ المصابیح" باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ -
[۵۲] "انتخاب قرآن"، ترجمہ ترکی شرقی سے ریزا نمبر ۷، صفحہ ۹۵، لندن، ۱۸۷۹ء -

مین نے بیان، اور نیز اِس کتاب کے دوسرے حصے مین، اِس امر کو ثابت کیا ہے کہ اسلام، بہ حیثیت مذہب، تمدنی حصے سے بالکل جدا ہے - مسلمانون کی سیاست ملکی اور تمدن مذہب سے کچھ تعلق نہین رکھتا - اگرچہ بعد کے زمانے مین مسلمانون نے تمدنی حصے کو بھی قرآن کے ساتھ اوسی طرح ملا جلا دیا تھا - جیسے یہودیون اور عیسائیون نے اناجیل کے احکام کو روزمرہ کے معاملات مین گڈ مڈ کر دیا تھا - تاہم وہ ایسے پیچ در پیچ نہین ہین کہ "اون کا سلجھانا اوس وقت تک مشکل ہو جب تک کہ دونون کو معدوم نہ کر دیا جائے" اور نہ ان مجوزہ اصلاحون کو عمل مین لانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وحی و الہام کے خیال مین کسی قدر تبدیلی پیدا کی جائے -

پولیٹکل اور سوشیل اصلاحین، جن کو مین نے اس کتاب کے حصہ اوّل و دوم مین بیان کیا ہے، وہ نہ تو منطقی استدلال ہین، اور نہ الٹکل پچو رائین، نہ قرآن کے متشابہات، بلکہ قرآن کی صاف اور سچی تعلیم اور ظاہر نص مفصل اور محکم احکام ہین -

قرآن روحانی ترقی اور سیاسی و تمدنی اصلاحات کا مانع نہین

۴۲ - مختصر یہ ہے کہ قرآن یا پیغمبر اسلام کی تعلیم ہرگز مسلمانون کی روحانی ترقی اور آزادی خیالات کی مانع نہین، اور نہ وہ دائرہ حیات مین کسی سیاسی، تمدنی، دماغی یا اخلاقی جدت کو روکنے والی ہے - قرآن نے تمام روحانی اور تمدنی ترقی کی کوششون کو مستحسن بتا کر اون کی طرف رغبت دلائی ہے، اور متعدد آیتون مین اس کی طرف اشارہ کیا ہے :-

| | |
|---|---|
| (۱۹) - فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ، اولئک الذین ہداہم اللہ، واولئک ہم اولوا الالباب - (الزمر ۳۹ - آیت ۱۹) | (۱۹) (اے پیغمبر) ہمارے اون بندون کو خوش خبری سنا دو جو بات کو کان لگا کر سنتے اور اوس مین سے اچھی بات پر چلتے ہین، یہی تو وہ لوگ ہین جن کو خدا نے ہدایت دی ہے، اور یہی تو صاحب عقل ہین - |
| (۱۲۷) - سارعوا الی مغفرۃ من ربکم (آل عمران ۳ - آیت ۱۲۷) | (۱۲۷) اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف لپکو - |

(۱۴۳) فاستبقوا الخیرات۔
(البقرہ ۲- آیت ۱۴۳)

(۱۴۳) نیکیون کی طرف لپکو۔

(۵۳) فاستبقوا الخیرات۔
(المائدہ ۵- آیت ۵۳)

(۵۳) نیکیون کی طرف لپکو۔

(۲۹) ومنھم سابق بالخیرات باذن اللہ، ذلک ھو الفضل الکبیر۔
(فاطر ۳۵- آیت ۲۹)

(۲۹) بعض اون مین سے خدا کے حکم سے نیکیون مین آگے بڑھے ہوئے ہین یہی تو بڑی فضیلت ہے۔

(۶۳) اولئک یسارعون فی الخیرات، وھم لھا سابقون۔
(المؤمنون ۲۳- آیت ۶۳)

(۶۳) وہ لوگ نیک کامون مین جلدی کرتے، اور اون کے لئے لپکتے ہین۔

(۱۰۰) ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر، ویامرون بالمعروف، وینھون عن المنکر، واولئک ھم المفلحون۔
(آل عمران ۳- آیت ۱۰۰)

(۱۰۰) اور تم مین ایک ایسا گروہ بھی ہونا چاہیے جو نیک کامون کی طرف بلائین، اور اچھے کام (کرنے) کو کہین، اور برے کامون سے منع کرین، ایسے ہی اپنی مراد کو پہنچین گے۔

اِن آیات مین صاف اجازت ہے کہ مسلمان اپنے دماغی قویٰ کو زندگی کے تمام کامون مین ترقی دے سکتے ہین۔

مذہب وسلطنت دونون ملے ہوئے نہین ہین

۳۴ - امام مسلم سے ایک حدیث مروی ہے کہ جب پیغمبر اسلام مدینے کی طرف آ رہے تھے تو دیکھا کہ چند لوگ کھجور کے درختون مین نر مادہ کو ملا رہے ہین، آپنے ایسا کرنے سے منع کیا۔ اونہون نے تعمیل ارشاد کی، مگر اس سال پھل بہت کم آیا، جب آپ کو اطلاع ہوئی تو آپنے کہا کہ "مین محض ایک بشر ہون، دینی امور مین جو کچھ کہون وہ قبول کرو، لیکن جب دنیاوی معاملات مین راے دون تو مین محض بشر ہون"[۵۱]

۵۱ "مشکوٰۃ المصابیح"، باب اعتصام بالسنۃ۔

اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام نے کبھی اپنے قول یا فعل کو ملکی یا تمدنی معاملات مین ناممکن التبدیل اور بری عن الخطا نہین مانا۔ یا دوسرے الفاظ مین، آپنے کبھی مذہب و سلطنت کو ایک جگہ مجتمع نہین کیا۔ عرب کی یہ ضرب المثل کہ ”الملک والدین توامان“ عام لوگون کا مقولہ ہے، کوئی اسلامی اصول نہین ہے۔ یہ خیال کرنا کہ پیغمبر اسلام کے اقوال و افعال تمام سیاسی، ملکی، تمدنی، یا اخلاقی قانون کے لیئے کافی ہین۔ غیر صحیح ہے۔

پیغمبر اسلام نے آزادی خیالات کی اجازت دی ہے۔

۴۴ - ترمذی، ابو داؤد، اور دارمی نے بیان کیا ہے کہ پیغمبر خدا جب معاذ کو یمن بھیج رہے تھے تو اوس سے پوچھا کہ ”تو لوگون کا انصاف کیونکر کرے گا؟“، معاذ نے جواب دیا کہ ”مین اون کا انصاف ازروے کتاب اللہ کرون گا“ آپنے پہر سوال کیا ”اگر تم اوس کو کتاب اللہ مین نہ پاؤ؟“ اوس نے جواب دیا ”تو مین پیغمبر خدا کے افعال کی نظیر ڈہونڈون گا“ آپنے پہر دریافت کیا ”اگر یہ نظیر بہی نہ ملے؟“ اس پر اوس نے بے تامل یہ جواب دیا کہ ”مین اپنے اجتہاد دراے سے کام لون گا“ پیغمبر خدا نے اپنے وفد کی اِس عاقلانہ راے پر خدا کا شکریہ ادا کیا۔

اِس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ پیغمبر اسلام کا کبھی یہ منشاء نہین تہا کہ اسلامی دنیا پر اون کی تعلیم کا جابرانہ اثر قایم ہو، اور وہ عام طور پر ہر ایک قسم کی پولیٹکل اور سوشیل اصلاح کی مانع ہو۔ آپنے کسی تغیر کے وقوع کو نہین روکا، اور اسلام کو ایک حالت پر منجمد رکھنے کی کبھی خواہش نہین کی۔ آپ توضیع قانون کو قیاسی بنانا نہین چاہتے تھے، بلکہ بہ خلاف اِس کے اس کو استقرائی بنایا۔ معاذ کا اپنی راے پر بہروسہ کرنا قانون کو استقرائی بنانا ہے۔ یہ حدیث نہ صرف شائستہ ترقی کی اجازت دیتی ہے، بلکہ دماغی قوت کی صحیح اور اعلیٰ نشو و نما کی ترغیب، اور طلب صداقت کی رہنما ہے۔

سید امیر علی اور مسٹر سیل

۴۵ - اس حدیث کے متعلق سید امیر علی کہتے ہین کہ:-

”یہ زمانہ عقلی اصول کا تہا، جو پیغمبر اسلام کے اثر سے پیدا ہوا تہا“ [۱]

[۱] ”کریٹیکل اگزامینیشن آف دی لائف اینڈ ٹیچنگس آف محمدؐ“، مصنفہ سید امیر علی، صفحہ ۲۹۰، لندن ۱۸۷۳ء

اس کی نسبت مسٹر ریورنڈ سیل یہ لکھتے ہیں کہ:-

"یہ سچ ہے کہ "اجتہاد" کے لفظی معنی "سعی" کے ہیں، اور یہ بھی سچ ہے کہ صحابہ اور اعلیٰ رتبے کے
"مجتہدین مشتبہ معاملات میں اپنی رائے قایم کرنے اور اُس کے مطابق مناسب طور پر معاملات کے
"فیصل کرنے کے مجاز تھے، لیکن یہ شرط ضرور تھی کہ اون کا فیصلہ قرآن یا سنت کے خلاف نہ ہو۔
"لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اسلام میں ترقی کی صلاحیت ہے، یا یہ کہ عملی اصول کی ابتدا پیغمبر اسلام
"سے ہوئی، یا یہ کہ آپ کے الفاظ نے بنی نوع انسان بجھے ہوئے دلون میں ایک نئی روح پھونک دی،
"اور اون میں تقویت اور زور پیدا ہو گیا۔ کیون کہ اگرچہ ہم "اجتہاد" کے لفظ کو جب اون بزرگون کے
"لئے استعمال کرین گے، جن کا مین نے ذکر کیا ہے، تو اس کے معنی کسی قدر وسیع ہون گے، یعنی
"ذاتی رائے، لیکن اب اس لفظ کے یہ معنی نہیں ہو سکتے، کیون کہ اب یہ ایک اصطلاحی لفظ ہے،
اور اس کا صرف ایک ہی استعمال ہے، جس کے یہ معنی ہین کہ کسی مشکل امر میں قرآن اور سنت کی رو سے
حل کرنے کی کوشش کرنا۔"[۵]

مسٹر سیل نے یہ کہنے مین فاش غلطی کی ہے کہ اب "اجتہاد" کے معنی "ذاتی رائے"
کے نہیں ہو سکتے۔ خود اون ہی کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ پہلے، یعنی پیغمبر اسلام کے زمانے
مین، اور آپ کے بعد (اوس وقت تک جب کہ اس کے معنی ایک قانونی اصطلاح مین
محدود کر دیے گئے) اوس کے لغوی اور لفظی معنی "ذاتی رائے" کے تھے ہم جانتے ہین کہ
اسلامی اصول فقہ مین (جو بعد مین ایجاد ہوا) "اجتہاد" صرف ایک اصطلاح ہے جس کے
اس فن مین یہ معنی ہین کہ کسی مشکل مسئلے کے متعلق قرآن و سنت سے استدلال کیا جائے
لیکن زمانۂ رسالت مین یہ حالت نہ تھی۔ مستند عربی زبان مین اس کے معنی "وسعی کرنے"
کے ہین، اور جب لفظ "رائے" اس کے ساتھ بڑھا دیا جاتا ہے تو اس کے معنی "فیصلہ
یا رائے قایم کرنے کے لئے سعی کرنے کے" ہوتے ہین۔ چنانچہ معاذ نے یہی کہا تھا

۵ "عقیدۂ اسلام"، مصنفہ سیل، صفحہ ۲۶،

"رہ اجتہد رائی" یعنی مین اپنی راے قایم کرنے کی سعی کرون گا۔ لیکن مسٹر سیل کا خیال ہے کہ معاذ نے صرف لفظ "اجتہاد" کو استعمال کیا، جو فقہا کی ایک اصطلاح ہے، لیکن یہ بالکل خلاف قیاس ہے۔ اول تو معاذ نے صرف لفظ "اجتہاد" ہی نہین کہا جو ایک خاص اصطلاحی معنون مین محدود ہے، بلکہ اس کے ساتھ لفظ "راے" بھی ایزاد کیا۔ دوسرے معاذ کیون کر اِس لفظ کو ان اصطلاحی معنون مین استعمال کرسکتا تھا، جب کہ فقہا نے اس لفظ کا یہ مفہوم معاذ سے صدیون بعد قرار دیا۔

حدیث عقلی ترقی کی ترغیب دیتی ہے، اور گزشتہ زمانے کی بندشون کو اٹھا دیتی ہے۔

۴۴ - ہم لفظ "اجتہاد" پر زور نہین دیتے، اِس کے معنی صرف سعی کرنے کے ہین، بلکہ ہم زیادہ تر لفظ "راے" پر دیتے ہین۔ یہ حدیث ہم کو روحانی نمو، اخلاقی نشو و نما، دماغی شائستگی یا ترقی اور اصلاح شدہ قانون کی وسیع شاہراہ کی طرف رہنمائی کرتی، اور فقہ کے مذاہب اربعہ کی قید سے آزادی دلاتی ہے، اور جرأت دلاتی ہے کہ ہم تمام قوانین کی بنیاد پرانے زمانے کے دقیانوسی خیالات کے بجاے موجودہ زمانے کی زندہ ضروریات پر رکھین۔

حیدر آباد دکن

چراغ علی

۲۷ نومبر ۱۸۸۲ء

(مقدمہ ختم ہوا)

# دول اسلام مین سیاسی قانونی اور تمدنی اصلاحون کا امکان

## حصہ اول

## سیاسی و قانونی اصلاحین

مسٹر میکال کی راے اسلام کی فرضی الٰہی سلطنت سے متعلق۔

۱- ریورنڈ ملکم میکال لکھتے ہین کہ:-

"جس کو ہم دول اسلامی کہتے ہین، وہ ایک عالم گیر الٰہی سلطنت کی شاخین ہین، اور ان سب پر ایک ہی
"ملکی و مذہبی قانون اور عقائد کا اتباع لازم ہے، جن مین قیامت تک کوئی تغیر و تبدل نہین ہو سکتا، اور جو
"کچھ پیغمبر اسلام کو بارہ سو برس پہلے جاہل اور وحشی عربون کی ہدایت کے لئے مناسب معلوم ہوا، اوسی
"کا اتباع اب بھی تمام اسلامی دنیا پر واجب ہے - اون کے (پیغمبر کے) احکام کے تقدس کا محافظ ایک
"ایسا زبردست اور دولتمند فرقہ ہے، جس کا فرض اور غرض و غایت یہ ہے کہ اون اصلاحون کے
"رواج کو روکے جو یورپین کے بی خیلین وقتاً فوقتاً لحاظ مناسب کے لئے سلطان کی خدمت مین پیش
"کرتی رہتی ہین" [۵۱]

اسلامی خلافتین یا آئینی سلطنت کے دول جمہوری ہین۔

۲- دول اسلامی بہ لحاظ اپنی طرز حکومت کے عموماً الٰہی سلطنتین نہین خیال کی جاتین۔

---

[۵۱] کنٹمپرری ریویو، اگست ۱۸۸۱ع، صفحہ ۲۶۷-

پہلی چار یا پانچ خلافتین جمہوری الاصل تہین - اون کے بعد خاندان بنو امیہ نے اس طرز حکومت کو خود مختار شخصی سلطنت کی صورت مین بدل دیا - پہلے خلفا از روے انتخاب مقرر کرے گئے تہے سب سے پہلے خلیفہ امیر معاویہ نے خلافت کو اپنے ہی خاندان مین موروثی بنالیا - جمہوری خلافت کے بعد تمام خلفا "سلاطین" اور ملوک خود مختار یا جابر بادشاہ سمجھے جاتے ہین - پہلے چار یا پانچ خلفا کو "خلفاے راشدین" کہتے ہین، اور اون کے بعد کے "ملکاً عضوضاً" یا "خلفاے جور" کہلاتے ہین -

ممکن ہے کہ دو مسلمان بادشاہ ایک ہی مذہب رکہتے ہون، لیکن اس سے یہ لازم نہین آتا کہ اون مین ملکی اختلاف نہ ہو، یا وہ ایک دوسرے کے مخالف نہون - ہندوستان کی تاریخ میں اس قسم کی مثالین بکثرت پائی جاتی ہین -

قانون سازی کی ابتدائی ضرورت

۴۴ - نہ جمہوری سلطنت کے زمانے مین کوئی قانون یا قانونی کتاب تہی، نہ زمانۂ بنو امیہ مین، یہان تک کہ اوس زمانے مین سواے قرآن کے الہامی قانون کے کوئی دینی قانون ہی نہ تھا -

بنو امیہ کے زوال کے بعد ۱۳۲ھ ہجری مین خلافت عباسیہ کا زمانہ آیا، اور قانون کی ضرورت محسوس ہوئی - کچھہ تو سلطنت کا کاروبار چلانے، اور جان و مال کی حفاظت کے لئے، اور کچھہ مطلق العنان بادشاہون کی خواہشات پورا کرنے اور اون کی جابرانہ اور متلون حرکات کو مسلمان صدر اسلام کے افعال سے تطبیق دے کر جائز رکہنے کے لئے (کیونکہ وہ لوگ عموماً نیک اور پاکباز سمجھے جاتے تہے) قانون کی ضرورت داعی ہوئی، اور اس امر مین سعی بلیغ کی گئی کہ تمام واقعاتِ روزمرہ کے لئے قرآن سے احکام مستنبط کئے جائین، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اٹکل پچو تاویلین اور تعبیرین کی گئین، خواہ وہ عقل و حیا کے کیسی ہی مخالف کیون نہ ہون، غلط احادیث محض اس غرض سے داخل کی گئین کہ لوگ اپنے جابر بادشاہون کے افعال کو حدیث کے موافق خیال کرین، جو واقعات کبھی واقع نہین ہوے وہ اس لئے ایجاد کئے گئے کہ اون سے سلاطین عباسیہ

دنیا میں وصیاست یا سیاسی مجتہدوں کی خواہش تھی۔

سلسلہ اسلامیہ میں قانون کی غیر معین حالت

۴۔ تاہم کوئی مجموعہ قانون ملکی و مذہبی کا نہ تھا۔ بعض لوگوں نے اپنے طور پر مختلف احادیث کو، جو اوس وقت موجود تھین، جمع کر کے۔ اس ضرورت کو ایک حد تک رفع کیا، اور اِس طرح اپنی ذاتی ضرورتون کے لئے فقہی مسائل کا فیصلہ کیا۔ قرآن کے ادہورے جملون اور ایک ایک لفظ سے نازک موشگافیان، منطقی حجتین، لفظی امتیازات، اور محض فضول و بے حقیقت مسائل کے استنباط کرنے مین بے انتہا محنت اور جدت صرف کی گئی، اور اون کے لغوی و اصطلاحی معنون، اور آیات کے سیاق و سباق پر کچہ خیال نہ کیا گیا۔

یہ خود دار و مقنن خلفاء عباسیہ کے درباروں مین بہت کم حاضر ہوتے تہے، اونہون نے بہی اپنے مجموعۂ احادیث یا اون کی شرحین شایع کرنے کے لئے نہین دین تاکہ عام لوگ بہی اون کو اپنے مطلب کے لئے استعمال کر سکین، اون کو تامل تہا، بلکہ وہ ڈرتے تہے، کہ لوگون کو اپنے کانشنس (ایمان) کے خلاف عمل کرنے پر مجبور کیا جائے، یا اِس قسم کے واقعات یا حالات گہڑے جائین جو کبہی واقع نہین ہوئے تہے۔

۵۔ امام ابو حنیفہ کو، جو ملک نامور فقیہہ اور مذہب اہل الرائے کے بانی اور امام ہین، حیرہ و حاکم کوفہ نے عہدۂ قضا پیش کیا، لیکن امام صاحب نے ہمیشہ اِس کے قبول کرنے سے انکار کیا، جس کی پاداش مین اون پر کوڑے پڑے۔ خلیفہ منصور نے بہی، جو خاندان عباسیہ کا دوسرا تاجدار تہا، اون سے اِس عہدے کے قبول کرنے کے لئے بہت کچہ اصرار کیا اور ترغیب دی لیکن اونہون نے پہر بہی انکار ہی کیا۔ اِس پر وہ قید کر دئے گئے۔ اور مرتے دم تک (۱۵۰ ہجری) مقید رہے۔ امام ابو حنیفہ کے شاگرد امام ابو یوسف کو خاندان عباسیہ کے پانچوین خلیفہ ہارون رشید نے عہدۂ قاضی القضات پر سرفراز کیا، یہ پہلے شخص تہے جو ایک ایسے معزز عہدے پر مقرر ہوئے۔ اونہون نے مقدمات کی سماعت اور فیصلہ کرنے کے لئے محکمہائے عدالت قائم کئے، اون سے پہلے کوئی باقاعدہ محکمۂ عدالت یا قانون موجود نہ تہا۔ اہل عرب اپنے تمام

جبکہ وہ فیصلے کے لئے شیخ قبیلہ یا شہر و ضلع کے امام کے سامنے پیش کرتے تھے، عدم موجودگی قانون کی وجہ سے ملک کے رسم و رواج کے مطابق فیصل کئے جاتے تھے۔ امام ابو یوسف اگرچہ بہت سے مسائل مین اپنے اُستاد سے مختلف الرائے تھے، لیکن علی العموم وہ بھی اون ہی کی رائے پر چلتے تھے، اور اوس وقت ملک مین جو قاضی مقرر کئے جاتے تھے اون سے بھی یہ اقرار لیتے تھے کہ وہ فقہ حنفی کے مطابق مقدمات کا فیصلہ کرین گے۔ اس طرح اونہون نے بزورِ حکومت امام ابو حنیفہ کی ذاتی رایون کی تائید اور اشاعت کی، جو بالکل امام ابو حنیفہ کی مرضی کے خلاف تھا۔ امام ابو حنیفہ کے دوسرے شاگرد امام محمد کو ہارون الرشید نے خراسان کی عدالتون کا افسر مقرر کیا، اگرچہ اِن کو بھی بہت سی باتون مین اپنے اوستاد اور اپنے ہم جماعت سے اختلاف تھا، لیکن باوجود اس اختلاف کے ان دونون ججون (قاضیون) کے اصولِ نفقہ اصول حنفیہ کہلاتے ہین اسی طرح ابو حنیفہ کی فقہی رائین ایشیا مین یا صرف اون صوبون مین جو امام ابو یوسف کے حدود ارضی مین تھے نہایت استحکام کے ساتھ رائج ہوگئین۔

افریقہ اور اسپین مین امام ابو حنیفہ کی رایون کا رواج نہ ہوا۔ اور ایشیا کے صوبون مین بھی مسلمانون نے پریوٹ معاملات، قانون دیوانی، اور عملی دینیات مین اون کو دفعۃً بخوشی قبول نہین کر لیا، البتہ قانونی عدالتون مین امام ابو حنیفہ یا امام ابو یوسف کی رائے کے مطابق مقدمات فیصل ہوتے تھے۔

تیسری اور چوتھی صدی مین فقہ کی غیر مطمئن حالت۔

۴۔ تاہم کوئی تحریری مجموعۂ قانون باضابطہ نہ تھا۔ اور نہ اون اماموں کی ذاتی رائے کی نسبت کچھ ذکر تھا، جو اپنی خوشی سے مسائل فقہ کی تحقیق کرتے تھے کہ آیا اون کی رائین عام طور پر گورنمنٹ یا افراد پر ماننا فرض ہین یا نہین۔ دوسری صدی کے آخر تک یہی حالت رہی۔ تیسری، اور چوتھی صدی ہجری بھی یون ہی گزر گئی، اور اِس وقت تک فقہ کے متعلق کوئی ضابطہ یا قانون جاری نہ ہوا۔[۵۱]

۵۱ "حجۃ اللہ البالغۃ" مصنفہ شاہ ولی اللہ، باب ۴، صفحہ ۱۵۸، مطبوعہ بریلی۔

فقہ اور احکام قرآنی میں امتیاز

۷۔ مذکورۂ بالا تحریر سے ظاہر ہے کہ یورپین مسٹر میکال کا یہ کہنا محض غلط ہے کہ دیوانی [illegible] قوانین میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔" مسلمانوں کا فقہ مسلمانوں کی سوسائٹی کا ایک غیر تحریری قانون ہے، جو بہت آخری زمانے میں مرتب کیا گیا، اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل ممکن نہیں، اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اہل عرب کے سوا دوسروں پر اس کی پیروی لازم ہے، کیونکہ وہ صرف ان ہی کے (عربوں کے) رسم و رواج اور روایات پر حاوی اور مبنی ہے۔ اسلامی فقہ کو اسلام کے ملہم قانون (احکام قرآن) سے مخلوط نہیں کرنا چاہئے۔ اسلامی فقہ ایک غیر تحریری قانون ہے، جو قرآن کی چند آیات اور اہل عرب کے رسم و رواج سے جمع کیا گیا ہے، اور اس کی تائید متضاد احادیث سے کی گئی ہے، اور اس کی بنیاد اجماع یا متحد الرائے لوگوں کی رضامندی پر رکھی گئی ہے۔ ابتدائی قوانین کی اصلیت کا سراغ لگانا ناممکن ہے، کیونکہ وہ خاص کر چند مفروضہ اور مسلمہ اجتہادات کے استدلال پر مبنی ہیں، اور اس لئے یہ کہنا واقعیت کے خلاف ہے کہ ان فیصلوں اور قواعد میں مطلق تغیر و تبدل کی گنجائش نہیں۔"

کیمبل، [illegible] کی رائے اسلامی قانون کے متعلق

۸۔ وہ مصنفین بڑی غلطی پر ہیں جو قرآن اور فقہ یا شریعت کو خلط ملط کر دیتے ہیں، یا جو خیال کرتے ہیں کہ قرآن میں اسلام کا پورا قانون درج ہے، یا یہ کہ اسلامی قانون جس سے ہمیشہ اسلامی فقہ مراد ہے، اس قدر بے عیب اور کامل ہے کہ اس میں مطلق چون و چرا اور تغیر و تبدل کی گنجائش نہیں۔ مسلمانوں کی قانونی کتابیں جو اسلام کا اصلی ضابطۂ قانون ہیں، قرآن سے بہت کم ماخوذ ہیں، اور تمام مسلمان فقیہ، امام، مفتی اور مجتہد، ایک خاموش اتفاق کے ساتھ، قانونی مسائل کو قرآن سے نکال کر فقہ اور قانونِ ملکی کے احاطے میں لے آئے ہیں۔ مسلمان بجائے قرآن کے زیادہ تر ان ہی مذہبی الاصل قانونی کتابوں کے پابند ہیں۔

سر جارج کیمبل ممبر پارلیمنٹ سابق لفٹننٹ گورنر بنگال نے، جن کو مدت تک ہندوستان کے مسلمانوں سے سابقہ رہا، اور جنہوں نے بعد میں یورپین ٹرکی کا بھی سفر کیا، اس بحث کے متعلق عمدہ تحقیقات

کی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:-

"قرآن ہماری انجیل کی طرح صاف اور سادہ نہیں، بلکہ اوس سے بہت مختلف ہے۔ اس کی
"کسی قدر دشوار ہے، اور مسلمان زیادہ تر کتب فقہ کے پابند ہیں، گویا یون سمجھنا چاہیئے کہ جیسے ہمارے
"پاس بائبل نہو اور ہم اپنے مذہب کو اپنے مجتہدون کی تصانیف سے اخذ کرین، تو یہ ایک ایسی حالت
"ہوگی جس مین تکرار و تخالف اور جھگڑے کی بہت کچھ گنجایش ہے، اور یہ تقریباً ناممکن ہوگا کہ ہر ایک امر کے
"لئے کلام الٰہی کی نص پیش کی جا سکے۔" [51]

ریورنڈ مسٹر سیل کا بھی یہی خیال ہے، وہ لکھتے ہین کہ:-

"صرف قرآن سے یہ بات بعید ہے کہ وہ اکیلا احکام اعتقادی و عملی کا ماخذ بن سکے۔ مسلمانون کا ایک
"فرقہ بھی ایسا نہین جس کے عقیدے اور عمل کی بنیاد صرف قرآن پر ہو۔" [52]

آنریبل ڈاکٹر ہنٹر بھی کسی قدر یہی کہتے ہین کہ:-

"قرآن ایک زمانۂ دراز سے ضروریات انتظام ملکی کے لئے ناکافی ثابت ہوا ہے، اور اوس میں سے
"مسلمانون کی ضروریات کے مطابق ایک قانون مستنبط کیا گیا ہے۔" [53]

علاوہ اون مصنفین کے جن کی رائین اوپر اقتباس کی گئی ہین، مین یہان ایک ایسے شخص کی راے نقل کرنا چاہتا ہون جو ایک زمانۂ دراز تک اسلامی دنیا مین مقیم رہا ہے، اور جو مسلمانون کے حالات سے پورا واقف ہے، اور اس لئے اوس کی راے زیادہ صحیح اور قابل وقعت ہے۔ وہ قرآن کی نسبت تحریر کرتا ہے کہ:-

"تمام دنیا، سوا اون لوگون کے جو ترکی مین رہ چکے ہین، اور جنہون نے وہان رہ کر اس کی تحقیق بھی کی ہے،
"یقینی طور پر بلا کسی شک و شبہ کے یہ سمجھتی ہے کہ قرآن مسلمانون کا قانون ہے، اور علما اس قانون کے

---

[51] "مشرقی مسئلہ پر ایک رسالہ" مصنفہ سر جارج کیمبل، صفحہ ۲۶، لندن ۱۸۷۶ء۔

[52] "عقیدہ اسلام" مصنفہ سیل، صفحہ ا، لندن ۱۸۸۰ء۔

[53] "آور انڈین مسلمانز" مصنفہ ہنٹر، صفحہ ۱۳۹، لندن ۱۸۷۱ء۔

" کالفذکرنے والے ہیں۔ بہت سے ذی وقعت ریویز (رسالے) جو تقریباً ہر مہینے یہی خیال ظاہر
" کرتے ہیں۔ مسلمانوں کا پرجوش دوست باسورتھ اسمتھ اور ان کا بڑا دشمن مسٹر فریمین دونوں اس کو
" یہی سمجھتے ہیں کہ یہ دونوں اپنی لاعلمی کی وجہ سے ایک بڑی غلطی میں پڑے ہوئے ہیں۔ تمام
" مسلمان ابراہیم حلبی کے مجموعہ قانونِ اسلام کو، جو سلطان سلیمان اعظم کے حکم سے ترتیب دیا گیا تھا،
" اپنا مسلمہ قانون سمجھتے ہیں۔ اس کی متعدد جلدوں میں ہے، اور ایک ایک جلد قرآن سے کہیں
" ضخیم ہے، جس میں بہت سے ایسے مضامین پر بحث کی گئی ہے، جن کا قرآن میں اشارہ تک
" نہیں۔ قرآن میں بہت کم ایسی باتیں ہیں جو قانون بن سکتی ہیں، اور جہاں کہیں کوئی اصول اس قسم
" کا بیان کیا گیا۔ تو وہ سب سے بڑی سند خیال کیا جاتا ہے، اور قانون بھی اسی کے مطابق بنایا جاتا
" ہے، لیکن وہ ان امور کے لئے کیونکر سند ہو سکتا ہے۔ جن کا اس میں اشارہ تک نہیں؟ حتیٰ کہ
" عبادت یا نماز کے تمام ارکان بھی اسی مجموعہ قانون (شریعت) کے مطابق ہیں نہ کہ قرآن کے، اور
" یہی حال اور بہت سے دوسرے مذہبی رسوم اور شعائرِ اسلامی کا ہے، جن کی پابندی بڑے جوش و
" خروش کے ساتھ کی جاتی ہے"۔ [51]

آگے چل کے یہی مصنف لکھتا ہے کہ:-

" مسلمانوں کا فقہ اور مذہب زیادہ تر قرآن پر نہیں بلکہ حدیث پر مبنی ہے۔ باسورتھ اسمتھ کی اس بے
" احتیاطی، بلکہ لاعلمی، پر سخت حیرت ہوتی ہے کہ وہ تمام اسلام کو صرف قرآن پر منحصر سمجھتا ہے۔
" یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ رومن کیتھولک اور جیسوائٹ فرقوں کے طریقے اناجیل اربعہ
" میں موجود ہیں"۔ [52]

اسلام میں ترقی کی گنجائش ہے

**۹- اسلام میں ترقی کی صلاحیت** اور اس قسم کی لچک موجود ہے جس کی وجہ سے وہ ان تمام تمدنی و سیاسی تغیرات کے مطابق ہو سکتا ہے جو ہمارے اردگرد ہو رہے ہیں۔ وہ

---

[51] "امنگ دی ترکس" مصنفہ اکبرس ہملن، لندن ۱۸۷۸ء صفحہ ۸۲ تا ۸۳۔

[52] مصنف موصوف کی کتاب مذکورہ بالا، صفحہ ۲۳۵۔

اسلام جس سے میری مراد وہ ظلیسٹ اسلام ہے جو پیغمبر اسلام نے سکھایا، نہ وہ اسلام کی تعلیم اسلامی فقہ نے دی، وہ بجاے خود ایک ترقی اور عمدہ تغیر تھا۔ اوس مین سرعت کے نشوونما پانے، ترقی کرنے، عقل کے مطابق کے اور نئے حالات کے موافق بن جانے کے زندہ اصول موجود ہین۔

مسٹر میکال کا یہ کہنا کہ "اسلامی قانون مین کسی قسم کا تغیر و تبدل ممکن نہین" اور نتیجۃً یہ ثابت کرنا کہ اس وجہ سے علماے اسلام یورپین اسلامیون کے رواج کی مخالفت پر مجبور ہین تو یہ صرف اسلامی فقہ پر صادق آتا ہے جو کسی طرح مبرا عن الخطا نہین خیال کیا جاتا۔ اسلامی فقہ الہامی نہین ہے، بلکہ وہ چند عام و خاص رسوم اور چند مذہبی اور مخصوص قوانین کا مجموعہ ہے اور صرف قرآن ہی ایک ایسا قانون ہے جو مبرا عن الخطا ہے۔

۱۰۔ مسٹر میکال لکھتے ہین کہ:-

"چون کہ لازمی طور پر ہر ایک اسلامی سلطنت کے اصول سیاست قرآن پر مبنی ہین، اور ہر ایک مسلمان قرآن کو خاص منشاء الٰہی سمجھتا ہے، لہٰذا اصلاح صرف فضول ہی نہین بلکہ ایک قسم کی گستاخی بھی ہوگی"۵۱

پیغمبر اسلام نے کسی قانون کی بنا نہین ڈالی

فقہ اسلام جس کو شریعت کہتے ہین، قرآن پر مبنی نہین، فقہ کے صرف چند ہی ملکی و مذہبی مسائل کی بنیاد قرآن پر رکھی گئی ہے، اون کے علاوہ باقی تمام مسائل ملکی و مذہبی عرب کی عام و خاص رسوم پر مبنی ہین۔ بعض رسوم کی ترمیم و اصلاح کردی گئی، لیکن بعض جیسی اوس وقت پائی گئین ویسی ہی چھوڑ دی گئین، جو عرب کے قانون کا ایک جزو لاینفک قرار پا گئین۔ اگر پیغمبر اسلام احکام الٰہی کے علاوہ کسی اور ملکی و مذہبی قانون کا بنانا ضروری سمجھتے تو وہ ضرور بناتے، لیکن درحقیقت اونھون نے ایسا نہین کیا۔ یوبی سنی نے سچ کہا ہے کہ "اسلام کی روحانی قوت پیغمبر اسلام سے شروع ہوئی اور اون ہی پر ختم ہو گئی" مجھے مسٹر میکال کے ان الفاظ سے اتفاق ہے کہ "قرآن مین روحانی جانشینی کا کوئی اشارہ نہین ہے۔ اور

۵۱؎ کن ٹم پرے ری ویو" اگست ۱۸۸۱ء، صفحہ ۲۶۸۔

جب پیغمبر اسلام سے جانشین مقرر کرنے کی نسبت سوال کیا گیا تو آپ نے اس قسم کے خیال کو ... دیا۔ یہ امر اور نیز یہ واقعیت کہ آپ نے کوئی سول یا مذہبی قانون مسلمانون کی رہبری کے لئے نہین بنایا، اور نہ اون کو کسی قانون بنانے کا حکم دیا، اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپنے قانون اور ضابطے کا بنانا عام طور پر خود مسلمانون کی راے پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ اس قسم کے آئین و قوانین وضع کرین جو اون کے زمانے کے مناسب اور اون ملکی و تمدنی تغیرات کے مطابق ہون جن مین وہ گھرے ہوے ہون۔

فقہ کی تعریف

۱۱- اسلامی فقہ ایک غیر تحریری قانون ہے، جس کو نہ خود پیغمبر اسلام نے لکھا، اور نہ آپ نے لکھایا، اور نہ آپ کے وقت مین اور نہ پہلی صدی ہجری مین مدون کیا گیا- اس مین وہ اصول، وہ رسم و رواج، اور وہ قواعد درج ہین جن کا نفاذ آئین سلطنت اور جان و مال کی حفاظت پر ہو سکتا ہے، جو اپنی سند کے محتاج نہین، اور جو قرآن کی نصوص صریح و محکم پر مبنی نہین- اس مین خصوصاً عرب کے دستور و آئین اور پیغمبر و صحابہ کے اقوال و روایات درج ہین جن مین سے اکثر غیر صحیح ہین- اس کے علاوہ، رحم، عقل، سمجھ، اور اخلاقی شائستگی کے اصول بھی پائے جاتے ہین- خلائق عامہ کی بہبودی اور آرام کے لئے اجماع اور قیاس بھی موجود ہے- اس مین اکثر عہد عباسیہ کے مشہور فقہا اور مفتیین کی رائین بھی شامل ہین، یہ اوس وقت مدون کیا گیا جب کہ اسلامی جمہوری الاصل سلطنت، یعنی ناقابل تقسیم خلافت کا خاتمہ ہو چکا تھا، اور جب کہ ایشیا و افریقہ مین خلافت بنو امیہ کو زوال ہو چکا تھا، لیکن خلفاء بنی عباس کے عہد مین اس پر کبھی پورے طور پر عمل درآمد نہین ہوا- مسلمانون کا فقہ اپنے اصول اور خصوصیات مین یہودیون کے زبانی قانون یعنی "مشنا" اور رومیون کے سول اور کامن لا سے ملتا جلتا ہے۔

قرآن کی مفروضہ غیر مساوات متعلق بہ اقوام غیر

۱۲- مسٹر میکال اسی ریویو مین لکھتے ہین کہ:-

"سلطان کی حکومت سے بلاواسطہ ایسی اصلاحون کا ہونا، جن سے عیسائی رعایا کی حالت مین معتدبہ

" ترقی اور تبدیلی ہو، فضول اور یاوہ گوئی ہے- اس قسم کی اصلاحین بالکل غیر ممکن ہین، کیون کہ سلطان کی

" کی سلطنت ایک حصہ ہے اوس عالمگیر سلطنت کا جس کا خدائی حکم یہ ہے کہ یا تو اسلام قبول کرو، یا
" غلامی، یا موت،۔ غلامی یہودیون اور عیسائیون کے لئے اور موت اون تمام غیر مسلم اور اون عیسائیون
" کے لئے جو اپنے ارادے کی حمایت مین ہتھیار اوٹھائین " لہ

یہ امر پہلے تفصیل کے ساتھ بیان اور ثابت کیا جاچکا ہے کہ اسلامی سلطنتون کا طرز حکومت الٰہی الاصل نہین۔ قرآن مین کسی جگہہ یہ حکم نہین دیا گیا کہ بنی نوع انسان کے سامنے یہ دو شرطین پیش کرو کہ یا تو اسلام قبول کرو، یا غلامی۔ اگر کوئی ایسا حکم ہوتا تو اوس کے یہ معنی ہوتے کہ دوسرے مذاہب اور اقوام کی آزادی اور حقوق چھین لو۔ بلکہ برخلاف اس کے قرآن کی اکثر مکی اور مدنی سورتون مین بار بار عام طور پر سب کے حقوق اور آزادی قایم رکھنے کی تاکید کی گئی ہے، اور کسی صحیح اور مستند حدیث سے بھی یہ ثابت نہین ہوتا کہ تمام دنیا یا تو اسلام قبول کرے ورنہ غلامی یا موت کے حوالے کردی جائے۔

۱۳۱۔ قرآن کی مندرجہ ذیل آیات سے مسئلہ مساوات حقوق پر روشنی پڑتی ہے:۔ آیات قرآنی درباره مساواتِ حقوقِ اقوام غیر

(۱) قل یا ایہا الکفرون (۲) لا اعبد ما تعبدون (۳) ولا انتم عٰبدون ما اعبد (۴) ولا انا عابد ما عبدتم (۵) ولا انتم عٰبدون ما اعبد (۶) لکم دینکم ولی دین۔

(الکافرون ۱۰۹۔ آیت ۱ تا ۶)

(۱) (اے پیغمبر ان سے) کہو کہ اے کافرو!
(۲) مین اون (معبودون) کی پرستش نہین کرتا جن کی تم پرستش کرتے ہو۔
(۳) اور جس کی مین پرستش کرتا ہون اوس کی پرستش تم نہین کرتے (۴) نہ مین تمھارے معبودون کی پرستش کرون گا جن کی تم پرستش کرتے ہو۔ (۵) اور نہ تم اوس کی پرستش کروگے جس کی مین پرستش کرتا ہون
(۶) تمھارے لئے تمھارا دین اور میرے لئے میرا دین۔

لہ رسالہ "کن ٹمپرری ریویو" صفحہ ۲۷۰۔

(۲۱) فذکر انما انت مذکر (۲۲) لست علیهم بمصیطر
(۲۳) الا من تولی وکفر (۲۴) فیعذبه الله
العذاب الاکبر۔
(الغاشیه ۸۸- آیت ۲۱تا۲۴)

(۲۱) (اے پیغمبر تم لوگوں کو) سمجھاؤ اور تم تو نصیحت
سمجھا دینے والے ہو (۲۲) تم ان پر داروغہ کی طرح
تو مسلط ہو نہیں (۲۳) ہاں جو روگردانی اور انکار کرے
(۲۴) تو خدا اوس کو بڑا عذاب دے گا۔

(۴۵) نحن اعلم بما یقولون وما انت علیهم بجبار
(۴۶) فذکر بالقرآن من یخاف وعید۔
(ق ۵۰- آیت ۴۵، ۴۶)

(۴۵) یہ منکر جو کچھ کہتے ہیں ہم جانتے ہیں،
تم ان پر (حاکم) جابر نہیں ہو (۴۶) جو شخص ہمارے
عذاب سے ڈرتا ہے اوس کو قرآن سنا کر سمجھاتے
رہو۔

(۲۰) قل انما ادعو ربی ولا اشرک به احدا
(۲۱) قل انی لا املک لکم ضرا ولا رشدا (۲۲) قل
انی لن یجیرنی من الله احد (۲۳) ولن اجد من دونه
ملتحدا (۲۴) الا بلاغا من الله ورسالته، ومن یعص
الله ورسوله فان له نار جهنم خالدین فیها ابدا۔
(الجن ۷۲- آیت ۲۰ تا ۲۴)

۲۰- (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو کہ میں تو صرف اپنے
پروردگار کی عبادت کرتا ہوں، اور کسی کو اوس کا شریک
نہیں کرتا (۲۱) (ان سے) کہو کہ تمہارا نقصان یا
فائدہ میرے اختیار میں نہیں (۲۲) (ان سے) کہو
کہ خدا (کے غضب) سے کوئی بھی پناہ نہیں دے
سکتا (۲۳) اور نہ اوس کے سوا کہیں ٹھکانا مل سکتا
ہے (۲۴) میرا کام تو اس میں ہے کہ خدا کے حکم
اور اوس کے پیغام پہنچاؤں، جو شخص خدا اور اوس کے
رسول کی نافرمانی کرے گا تو بیشک اوس کے لئے
دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

(۳۵) وقال الذین اشرکوا لو شاء الله ما عبدنا
من دونه من شیء نحن ولا اباؤنا، ولا حرمنا من
دونه من شیء، کذلک فعل الذین من قبلهم، فهل

(۳۵) مشرکین کہتے ہیں کہ اگر خدا چاہتا تو نہ ہم
اوس کے سوا کسی اور چیز کی پرستش کرتے اور نہ
ہمارے بڑے ہی، اور نہ ہم اوس کے (حکم کے)

علی الرسل الا البلغ المبین ؟ -

بدون کسی چیز کو حرام ٹھیراتے، ایسا ہی ان سے پہلوں نے بھی (حیلہ حوالہ) کیا، تو (پھر) پیغمبرون پر سوا اس کے اور کیا ذمہ داری ہے کہ (احکام خدا کو) صاف طور پر پہنچا دین -

(۸۲) فان تولوا فانما علیک البلغ المبین -

(النحل ۱۶ - آیت ۳۵، ۸۲)

(۸۲) اگر یہ لوگ (سمجھانے پر بھی) موہنہ موڑین - تو اے پیغمبر! تمہارے ذمے صرف کھلے طور پر پہنچا دینا ہے -

(۱۷) وما علی الرسول الا البلغ المبین -

(العنکبوت ۲۹ - آیت ۱۷)

(۱۷) رسول کے ذمے تو (خدا کا حکم) صاف طور پر پہنچا دینا ہے اور بس -

(۴۰) وان ما نرینک بعض الذی نعدہم، او نتوفینک فانما علیک البلغ، وعلینا الحساب -

(الرعد ۱۳ - آیت ۴۰)

(۴۰) (اے پیغمبر عتاب کے) جو جو وعدے ہم ان سے کرتے ہین، چاہے بعض وعدے ہم تم کو دکھا دین، اور چاہے ہم تم کو دنیا سے اوٹھا لین، بہرحال پہنچا دینا تمہارا کام ہے، اور حساب لینا ہمارا کام -

(۴۷) فان اعرضوا فما ارسلنک علیہم حفیظا، ان علیک الا البلغ -

(الشوری ۴۲ - آیت ۴۷)

(۴۷) اگر (سمجھانے پر بھی) یہ لوگ روگردانی کرین تو ہم نے تم کو ان پر کچھ داروغہ بنا کر تو بھیجا نہین، تمہارے ذمے تو صرف (حکم الٰہی) کا پہنچا دینا ہے -

(۲۵۷) لا اکراہ فی الدین، قد تبین الرشد من الغی - (البقرہ ۲، مدنی - آیت ۲۵۷)

(۲۵۷) دین مین زبردستی (کا کچھ کام) نہین، گمراہی سے ہدایت الگ ظاہر ہو چکی ہے -

(۱۲) اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول، فان تولیتم فانما علی رسولنا البلغ المبین (التغابن ۶۴، مدنی - آیت ۱۲)

(۱۲) خدا کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو، اگر تم روگردانی کرو تو ہمارے رسول کے ذمہ صاف طور پر

(ہمارے احکام کا) پہنچا دینا ہے اور بس -

(۱۹) قل للذین اوتوا الکتاب والامیین ءاسلمتم، فان اسلموا فقد اہتدوا، وان تولوا فانما علیک البلغ

(آل عمران ۳، مدنی - آیت ۱۹)

(۱۹) اہل کتاب اور جاہلوں سے کہو کہ تم بھی اسلام لاتے ہو (یا نہیں؟) پس اگر اسلام لے آئیں تو بیشک راہ راست پر آ گئے، اور اگر منہ موڑ لیں تو تم پر صرف (حکم الٰہی کا) پہنچا دینا ہے -

(۵۴) قل اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول، فان تولوا فانما علیہ ما حمل وعلیکم ما حملتم، وان تطیعوہ تہتدوا، وما علی الرسول الا البلغ المبین -

(النور ۲۴، مدنی - آیت ۵۴)

(۵۴) (ان سے) کہو کہ خدا اور رسول کا حکم مانو، لیکن اگر تم روگردانی کروگے تو جو ذمے داری رسول پر ہے اوس کے جواب دہ وہ ہیں، اور جو ذمے داری تم پر ہے اوس کے جواب دہ تم ہو، اور اگر رسول کی اطاعت کروگے تو ہدایت پاؤگے، اور رسول کے ذمے تو صرف (احکام خدا کا) پہنچا دینا ہے -

(۶) - ان احد من المشرکین استجارک فاجرہ، حتی یسمع کلام اللہ، ثم ابلغہ مامنہ، ذلک بانہم قوم لا یعلمون -

(التوبہ ۹، مدنی - آیت ۶)

(۶) اگر کوئی مشرک تم سے پناہ کا خواستگار ہو تو اوس کو پناہ دو، یہاں تک کہ وہ (اطمینان سے) کلام خدا کو سن لے، پھر اوس کو اوس کے امن کی جگہ واپس پہنچا دو، یہ (سلوک) اس لئے (کرنا ضرور) ہے کہ وہ ناواقف ہیں -

(۹۳) - انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوۃ، فہل انتم منتہون، واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واحذروا، فان تولیتم فاعلموا انما علی رسولنا البلغ المبین -

(۹۳) شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کی وجہ سے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض ڈلوا دے، اور یاد خدا اور نماز سے تم کو باز رکھے، تو اب بھی تم باز آؤ گے (یا نہیں؟) خدا اور رسول کا حکم مانو اور (نافرمانی سے) بچتے رہو،

اس پر بھی اگر تم (حکم خدا سے) روگردانی کر بیٹھو تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمے صرف (ہمارے حکموں کا) پہنچا دینا ہے۔

(۹۹) ما على الرسول الا البلاغ، والله يعلم ما تبدون وما تكتمون۔
(المائدہ ۵، مدنی - آیت ۹۳، ۹۹)

(۹۹) پیغمبر صرف (ہمارے حکم) پہنچا دینے کا ذمہ دار ہے، اللہ تمہاری کھلی چھپی (سب باتوں) کو جانتا ہے۔

(۲۹) وقل الحق من ربكم، فمن شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر
(الکہف ۱۸ - آیت ۲۹)

(۲۹) (ان سے) کہو کہ حق (بات) خدا کی طرف سے ہے، جس کا جی چاہے مانے، اور جس کا جی چاہے نہ مانے۔

(۱۴) قل الله اعبد مخلصاً له ديني

(۱۴) (ان سے) کہو کہ میں تو خدا ہی کی فرمانبرداری مدنظر رکھ کر اوس کی عبادت کرتا ہوں۔

(۱۵) فاعبدوا ما شئتم من دونه ۔
(الزمر ۳۹ - آیت ۱۴، ۱۵)

(۱۵) تم اوس کے سوا جس کو چاہو پوجو۔

(۱۰۴) قد جاءكم بصائر من ربكم، فمن ابصر فلنفسه، ومن عمي فعليها، وما انا عليكم بحفيظ ۔

(۱۰۴) (لوگو!) تمہارے خدا کی طرف سے دل کی آنکھیں تو تمہارے پاس آ ہی چکی ہیں، پھر (اب) جو دیکھتا ہے تو (اوس کا نفع) اوسی کی ذات کے لئے ہے۔ اور جو اندھا ہو جاتا ہے تو (اوس کا وبال) اوسی کی جان پر ہے، (ان سے کہو) کہ میں تم لوگوں کا کچھ محافظ تو ہوں نہیں۔

(۱۰۷) ولو شاء الله ما اشركوا، وما جعلناك عليهم حفيظا، وما انت عليهم بوكيل ۔

۱۰۷۔ اگر خدا چاہتا تو یہ شرک نہ کرتے، ہم نے تم کو ان پر کوئی محافظ (مقرر) نہیں کیا، اور نہ تم

(الانعام ۶ - آیت ۱۰۶ و ۱۰۷)

(۱۹) ولو شاء ربک لآمن من فی الارض کلہم جمیعا افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مومنین

(یونس ۱۰ - آیت ۹۹)

اور نہ تم پر تعینات ہو [illegible] نگہبان کے ہو۔

(۱۹) اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو دنیا کے تمام آدمی سب کے سب ایمان لے آتے تو کیا تو لوگون کو مجبور کر سکتا ہے کہ [illegible] ایمان لے آئین۔

آیات مذکورہ بالا، اور خصوصاً اون آیات سے جو مدنی سورتون مین ہین، صاف صاف ظاہر ہے کہ قرآن نے ہمیشہ (خواہ مکہ ہو یا مدینہ) دیگر ادیان و مخالف مذاہب کے ماننے والون کو کامل مذہبی آزادی دی ہے۔ اور وہ لوگ سخت غلطی کرتے ہین جن کا یہ خیال ہے کہ قرآن جبر و اکراہ کی تلقین کرتا ہے۔

قدیم مصنفین ۱۴- قطع نظر قرآن کے، اسلامی فقہ بھی اس ندائی فرمان کا مدعی نہین کہ تمام بنی نوع انسان یا تو اسلام قبول کرین، ورنہ غلامی یا موت کے حوالے کردیے جائین۔ یہ فرمان غارت گری سخت سے سخت متعصب فقہا کی تصانیف مین بھی نہین پایا جاتا۔ ان فقہا کی کتابون مین البتہ اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ غیر مسلم رعایا پر، جو بزور شمشیر فتح کی گئی ہو، ٹیکس اور لگان وغیرہ لگائے جائین، لیکن اون کے مذہبی اور ملکی حقوق مین اون کو اوسی قدر آزادی دی جائے جس قدر خود اون کو اپنی سلطنت مین حاصل ہو، یا جس قدر مسلمانون کو اپنی حکومت مین حاصل ہو۔

"ہدایہ" مین لکھا ہے کہ:-

"اگر وہ لوگ جن سے جزیہ لینا چاہیے، جزیہ ادا کرنا منظور کرین، تو اون کی حفاظت اوسی طور پر کرنا چاہیے"
"جیسے مسلمانون کی، اور اون کے لئے وہی قواعد ہون گے جو مسلمانون کے لئے ہین، کیونکہ"
"حضرت علی نے کہا ہے کہ جو کفار (غیر مسلم) جزیہ اس لئے ادا کرتے ہین کہ اون کے خون کو مسلمانون کے"
"خون کی اور اون کے مال کو مسلمانون کے مال کی حیثیت حاصل ہو جائے گی"۵۱

۵۱ "ہدایہ"، صفحہ ۲۱۳، مطبوعہ کلکتہ - یا ترجمہ چارلس ہملٹن، جلد ۲، صفحہ ۲۱۴۔

قرآن کا مقصد

۱۵- قرآن کی بعض مدنی سورتون مین چند آیات ایسی ہین جن مین اون مسلمانون کو حکم دیا گیا ہے، جن پر طرح طرح کے ظلم وستم کئے گئے تھے، جو اپنے عزیز وطن سے نکال دئے گئے تھے، اور جن کے مال واسباب اور گھر کے مین غیر محفوظ تھے، اور جب وہ مدینے گئے تو جنگ جو قریش اور آس پاس کے دوسرے قبائل (بنو قریظہ اور غطفان) نے اون کو محصور کرکے اون پر حملے کئے تھے، کہ وہ اپنی حفاظت کے لئے ہتیار اوٹہائین، اور قوت کو قوت سے دفع کرین، لیکن اس امر کی سخت ممانعت کی گئی تھی کہ حملہ کرنے مین وہ خود کبھی پیش قدمی نہ کرین - اور صرف اون ہی لوگون سے مقابلہ کرین جو خود اون سے لڑنے کو آئین اور زیادتیان کرین، اور جنہون نے ایک بڑے جتھے کے ساتھ اون پر حملہ کرنے کی سازش کر رکھی تھی[۵۱]، اور اون معاہدون کو توڑ دیا تھا جو اون مین اور مسلمانون مین قرار پائے تھے، اور ساتھ ہی اون پر طرح طرح کے ظلم وستم کئے تھے۔

پیغمبر اسلام کی تمام لڑائیان خالص خود حفاظتی، اور نوامیس فطرت اور قوانین اقوام کے بالکل مطابق تہین - علاوہ ازین آپ کی تمام خود حفاظتی لڑائیان اور قرآن کے تمام احکام جنگ صرف عارضی حادثات کی وجہ سے تھے، اون کو عالمگیر، ناقابل شکست، اور ناممکن التبدیل سیاسی یا فوجی قانون نہ خیال کرنا چاہیے - اس قسم کا قیاس فطرت ومنشائے قرآن کے بالکل مخالف ہوگا - قرآن اپنے پیرون کو یہ تعلیم دینے کا دعوی دار نہین کہ جنگ کا انتظام کیون کر کرنا چاہیے - فتوحات کس طرح حاصل کرنا چاہئین، اور تمام دنیا کو کیسے مطیع بنانا چاہیے، بلکہ برخلاف اس کے اوس کا اصلی مقصد یہ ہے کہ بنی نوع انسان کو

یتلوا علیہم ایاتہ، ویزکیہم، ویعلمہم الکتاب والحکمۃ -

آل عمران ۳- آیت ۱۵۸
الجمعہ ۶۲- آیت ۲ -

"خدا کی نشانیان دکھائے، اون کو پاک وصاف کرے، اور کتاب وحکمت سکھائے"

۵۱ جنگ حدیبیہ، حنین اور تبوک۔

قرآن سے جنگ وجدل کا جواز مستنبط نہیں ہوسکتا۔

۱۶۔ "ہدایہ" کے مصنف نے جو اعلیٰ درجے کا فقیہ نہیں ہے بلکہ بوجہ مقلد ہونے کے ایک کم درجے کا فقیہ ہے، مگر متعصب بے انتہا ہے، بہی حتی الوسع قرآن سے جنگ وجدل کے جواز کا استدلال کیا ہے، لیکن اوس کو اس مین کامیابی حاصل نہین ہوئی۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ:-

"اور نیز اسکے کلام سے یہ ثابت ہوتا ہے کیونکہ قرآن مین آیا ہے کہ تمام کفار کو قتل کرو جیسا کہ وہ تم سب کو قتل کرتے ہین۔ اور حدیث مین آیا ہے کہ یہ جنگ قیامت کے دن تک ٹھن گئی ہے"[۱۵]

یہان اس فقیہ کی موشگافی سرسبز نہ ہوئی، اور اپنے اجتہاد کی تائید مین اوس کا یہ استدلال قرآنی کامیاب نہ ہوا۔ "ہدایہ" کے مصنف نے قرآن کی جس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے اوس کے پورے لفظ یہ ہین:-

(۳۶) ان عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهراً فی کتاب الله یوم خلق السموت والارض منها اربعة حرم، ذلک الدین القیم فلا تظلموا فیهن انفسکم، وقاتلوا المشرکین کافة کما یقاتلونکم کافة -

(التوبہ ۹ - آیت ۳۶)

(۳۶) "جس روز سے خدا نے آسمان وزمین پیدا کئے ہین (تب ہی سے) خدا کے ہان مہینون کی گنتی کتاب الٰہی (لوح محفوظ) مین بارہ[۱۲] مہینے ہے جن مین سے چار (مہینے) ادب (واحترام) کے ہین، دین (کا) سیدھا (اصول) تو یہ ہے، تو مسلمانو! ان مہینون مین (کشت وخون کرکے) اپنی جانون پر ظلم نہ کرو، اور تم سب مسلمان مشرکون سے لڑو جیسے وہ سب تم سے لڑتے ہین"

اس آیت کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حکم اون لڑائیون کے بارے مین ہے جو اپنی حفاظت کے لئے کی جائین، آیت کے شانِ نزول سے بھی اسی مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔ ان الفاظ سے کہ "تم اون سے لڑو جو تم سے لڑتے ہین" یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حکم مدافعت اور روک کے لئے دیا گیا تھا۔ کئی دفعہ ہزارہا اہل مکہ نے اپنے صحرائی خلیفون

۱۵؎ "ہدایہ"، صفحہ ۴۱۱، مطبوعہ کلکتہ۔

کی فوجی امداد کے ساتھ بدر، اُحد اور احزاب مین قدیم مسلمانون پر حملے کئے - چون کہ اونھون نے بھی "کافۃ" مسلمانون پر حملے کئے تھے، اس لئے اون کو بھی حکم دیا گیا کہ وہ بھی، اپنی حفاظت کے لئے، اپنے مخالفین کی طرح "کافۃ" اون پر حملے کرین - اس آیت سے نہ تو فتوحات کے لئے جنگ کرنے کا جواز نکلتا ہے، اور نہ ایسی لڑائیون کا جو اپنی حفاظت کے لئے کی جائین، اور نہ اس سے آیندہ زمانے مین جنگ وجدل کرنے کا کوئی حکم پایا جاتا ہے، کیون کہ اس کا موقع صرف چند روز کے لئے ایک خاص ضرورت سے تھا - اور جو حدیث "ہدایہ" کے مصنف نے نقل کی ہے وہ غیر معتبر ہے - وہ ابوہریرہ کا قول ہے، اور اس لئے بالکل سند نہین ہو سکتا بعض نے اس حدیث کو بہ روایت ابوہریرہ پیغمبر اسلام تک پہنچایا ہے، لیکن مکحول نے، جس نے یہ قول ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے، کوئی حدیث اون سے نہین سنی، لہذا اس حدیث کی صحت مشتبہ ہے - ہدایہ کا مصنف غلط اور موضوع حدیثون کے نقل کرنے اور حوالہ دینے مین اکثر اس قسم کی غلطیان کر جاتا ہے -

پیغمبر اسلام کا مساوی سلوک مسلم اور غیر مسلم کو

۱۷ - عیسائی رعایا کے حقوق پر نظر کر کے مسٹر میکال نے ایک نہایت غیر منصفانہ جملہ لکھا ہے - وہ یہ ہے کہ "اسلام کے مقدس قانون کی رو سے غیر مسلم رعایا کے لئے حقوق کی مساوات بالکل ممنوع ہے" [۵۱]

اس کے متعلق مین یہ کہنا چاہتا ہون کہ شاید کسی مصنف نے قرآن کی شان مین ایسا تحقیر آمیز خیال ظاہر نہ کیا ہوگا، جیسا کہ مسٹر میکال نے مسلمانون کی مفروضہ عدم قابلیت اصلاح سے متاثر ہو کر نہایت مایوسی سے اپنا خیال ظاہر کیا ہے - اسلامی حکومت کی غیر مسلم رعایا کی حالت کسی طرح حکمران قوم سے کم نہین ہے - غیر مسلم رعایا کی بعض قانونی محرومیان جو اسلامی فقہ مین پائی جاتی ہین، اور جن کا پتہ مسٹر میکال نے اپنے ایک مضمون مندرجہ "نائن ٹینتھ سنچری" (دسمبر ۱۸۸۱ع، صفحہ ۸۳۴) مین ایک فقہی کتاب "ملتقی" کے حوالے سے دیا ہے، جسکو شیخ ابراہیم حلبی نے سولھوین صدی کے اوائل مین تصنیف کیا تھا،

[۵۱] رسالہ "کنٹمپریری ریویو" اگست ۱۸۸۱ع صفحہ ۲۶۹

وہ بالکل خیالی اور قیاسی ہین، نہ اون پر کبھی عمل درآمد ہوا، اور نہ کبھی اون کا یہ منشا تھا۔ وہ فقہ کی کتابون مین اپنی جگہہ پر درج رہین، جیسا کہ بعض برے قانون قانونی کتابون مین لکھے رہتے ہین، اگرچہ ایک مدت سے اون پر عمل درآمد موقوف ہوجاتا ہے۔ یہ کہنا کوئی تاویل نہین ہے کہ ان قوانین پر یورپ، ایشیا اور افریقہ کے کسی ملک مین کبھی عمل نہین ہوا حتی کہ اوس زمانے مین بھی نہین جب کہ اسلام کا ستارۂ اقبال عین عروج پر تھا۔ ہر ایک شخص جانتا ہے کہ اسلامی فقہ کے قابل جرح اور نامکمل مسائل بجائے خود، قابل تضحیک اور غیر معقول ہین، نہ قرآن وسنت سے اون کی سند ملتی ہے، اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ پیغمبر اسلام کے عمل سے اون کا رواج ہوا، کیونکہ آپ کی پالیسی قابل مثال تھی۔ آپ کی تمام سیرت اون اصول سے بالکل مختلف تھی جو عام طور پر آپ سے منسوب کئے جاتے ہین، آپ مساوات حقوق کی تلقین کرتے تھے، اور صلح پسند و مہربان تھے، یہودیون، عیسائیون اور مسلمانون کے ساتھ بلا طرفداری کے یکسان برتاؤ کرتے تھے۔

پیغمبر اسلام نے اپنے قیام مدینہ کے زمانے مین کئی سندین عیسائیون اور یہودیون کو عطا کین، جن سے کامل طور پر مذہبی آزادی اور مساواتِ حقوق ظاہر ہوتی ہے۔

(الف) یہودیون کے ساتھ عہد نامہ۔

جو سند مدینے کے یہودیون کو عطا کی گئی اوس مین مفصلۂ ذیل شرائط درج تھین۔

"یہودیون کی مدد اور اعانت کی جائے گی، اون کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے گا، نہ اون کے خلاف کسی دشمن کو مدد دی جائے گی۔ یہودی اپنے مذہب پر قایم رہین گے اور مسلمان اپنے مذہب پر، اور اگر کوئی اون پر حملہ کرے گا تو ایک دوسرے کی مدد کرین گے" [۵۱]

خیبر کے یہودی اپنے مقبوضات پر پورے تصرف کے مجاز تھے، اور اپنے مذہبی عقائد بلا کسی مزاحمت کے ادا کرتے تھے، یہان اوس عدم مساوات حقوق کا کہین نام ہی نہ تھا۔

---

[۵۱] لائف آوف محمد مصنفہ میور، نئی اڈیشن، صفحہ ۱۹۲ تا ۱۹۳۔

جس کا ذکر حلبی نے کیا ہے۔

(ب) عیسائیون کے ساتھ عہد نامہ۔

مندرجہ ذیل عہد نامہ ۱۰ ھ ہجری مین، مسلمانون اور نجران کے عیسائیون کے درمیان مرتب ہوا:۔

" پیغمبر نے بشپون، پادریون اور راہبون کو یہ تحریر دی کہ اون کے گرجاؤن، عبادات اور خانقاہون
" مین ہر ایک چھوٹی بڑی چیز جیسی تھی ویسی ہی برقرار رہے۔ خدا اور اوس کے رسول نے یہ عہد کیا کہ نہ
" کوئی بشپ اپنے عہدے سے، اور نہ کوئی راہب اپنی خانقاہ سے، اور نہ کوئی پادری اپنے منصب سے
" خارج کیا جائے، اور نہ اون کے اختیارات، حقوق اور معمول مین کسی قسم کا تغیر ہونے پائے، اور
" جب تک وہ امن و صلح اور سچائی کے ساتھ ہین، نہ اون پر جبر و تعدی کی جائے، اور نہ وہ کسی پر جبر
" یا زیادتی کرین"۵۸

" ۲ سنہ ہجری کے چوتھے سال (۶۲۶ ع) پیغمبر اسلام نے خانقاہِ سنٹ کیتھرائن متصل کوہِ
" سینا کے راہبون اور تمام عیسائیون کو پوری آزادی اور وسیع حقوق عطا کئے، اور ساتھ ہی اس
" امر کا بھی اظہار کر دیا کہ اگر کوئی مسلمان ان احکام کی خلاف ورزی کرے گا تو وہ خدا کے عہد کو توڑنے
" والا، اوس کے احکام کے خلاف کرنے والا، اور اپنے دین کا ذلیل کرنے والا خیال کیا جائے گا۔
" اس حکم کی رو سے خود پیغمبر اون کے ذمے دار ہوئے، اور نیز اپنے پیروؤن کو تاکید کی کہ وہ عیسائیون کے
" گرجاؤن، راہبون کے مکانون، اور نیز زیارت گاہون کو اون کے دشمنون سے بچائین، اور تمام مضر اور
" تکلیف رسان چیزون سے پورے طور پر اون کی حفاظت کرین، نہ اون پر بیجا ٹکس لگایا جائے، نہ
" کوئی اپنے حدود سے خارج کیا جائے، نہ کوئی عیسائی اپنا مذہب چھوڑنے پر مجبور کیا جائے، نہ کوئی
" راہب اپنی خانقاہ سے نکالا جائے، اور نہ کوئی زائر زیارت سے روکا جائے، اور نہ مسلمانون کے
" مکان اور مساجد بنانے کی غرض سے عیسائیون کے گرجا مسمار کئے جائین (برخلاف اس کے)

---

۵۸ " لائف آف محمد" مصنفہ میور، نئی اڈیشن صفحہ ۱۵۸۔

" عیسائیون سے اس امر کی توقع نہین رکھی جاتی تھی کہ وہ مسلمانون کے ساتھ مل کر اون کے دشمنون سے
" مقابلہ کرین، اس لئے کہ خراج گزارون کو جنگ وجدل سے کچھ تعلق نہین۔ مسلمانون کی عیسائی بیبیان
" اپنے مذہب پر قایم رہتین، اور اس بناپر اون کو کسی قسم کی تکلیف وایذا نہین دی جاتی تھی پیغمبر اسلام
" نے اس مشہور معاہدے مین یہ بھی لکھا کہ اگر عیسائیون کو گرجاؤن یا صومعون کی تعمیر مین، یا اپنے
" کسی مذہبی امر مین مدد کی ضرورت ہو تو مسلمانون کو ہر طرح اون کی اعانت کرنا چاہئیے، تم یہ خیال نہ کرو کہ اس سے
" اون کے مذہب مین شرکت ہوتی ہے، بلکہ یہ صرف اون کی احتیاج کو رفع کرنا اور رسول خدا کے
" اون احکام کی پیروی کرنا ہے، جو خدا کے حکم سے اون کے حق مین تحریر کئے گئے ہین۔ جنگ کے
" وقت، یا اوس زمانے مین جب کہ مسلمان اپنے دشمنون سے برسرپیکار ہون، کسی عیسائی سے
" اس لئے نفرت یا عداوت نہین رکھنا چاہئیے کہ وہ مسلمانون مین رہتا ہے، جو کوئی مسلمان کسی عیسائی
" سے ایسا سلوک کرے گا تو وہ نافرمان اور رسول کا نافرمان بردار اور سرکش خیال کیا جائے گا۔
" یہ شرائط تھین اوس سند کی جو پیغمبر اسلام نے عیسائیون کو عطا کی۔ یہ ایک نہایت وسیع اور عظیم الشان
" پروانہ آزادی، اور دنیا کی تاریخ مین اعلیٰ درجہ کی مساوات حقوق کی ایک شریفانہ اور قابل وقعت یادگار
" ہے"۔ ملہ

غرض کہ، یہ مسائل عدم استحقاق تقویم پارینہ کی طرح صرف کتابون مین درج ہین، بعینہ اوسی طرح جیسے بعض انگریزی قوانین فوجداری صرف کتابون کے طاق نسیان وتعطل مین پڑے رہتے ہین۔ قانونی عمل درآمد مین کبھی اون کی ضرورت نہین پڑی، اور نہ کبھی کسی سلطان نے اون کے نفاذ کی منظوری دی، بلکہ کئی دفعہ فضول سمجھ کر بالائے طاق رکھدئے گئے، اور لبا اوقات باقاعدہ طور پر مذمت کے ساتھ منسوخ کردئے گئے۔ مثلاً از روے "خط شریف گلخانہ" (خط شریف گلخانہ) ۱۸۳۹ء، "خط ہمایون" ۱۸۵۶ء، اور از روے قوانین مدحت پاشا زمانہ سلطان عبدالحمید خان۔

ملہ "جنگ روس وروم" ۱۸۷۷ء، مصنفہ اڈمنڈ ولی ور جلد اول، صفحہ ۷۶ تا ۷۷۔

ایک زمانہ ہوا کہ ان "متون" اور ضابطون کے ذریعے سے فقہ کا یہ بیکار سیاسی حصہ پہلے ہی منسوخ کر دیا گیا ہے، اور یہودیون، و عیسائیون سے اون کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کا پورا وعدہ کیا گیا ہے، اور تمام "عثمانی رعایا" (آٹومن[51]) قانون کی نظرون مین برابر ٹہرائی گئی ہے، اور بلا امتیاز مذہب و ملت، اور بلا تعصب مذہبی اون کو وہی حقوق اور رعایتین دی گئی ہین جو مسلمانون کو، اور اون پر وہی فرائض ملک عائد کئے گئے ہین جو مسلمانون پر۔

۱۸۔ ریورنڈ میکال اسی ریویو مین لکھتے ہین کہ:-

"دنیا کی تقسیم "دار الحرب" اور "دار الاسلام" قرآن مین کہین نہین پائی جاتی"

"قرآن نے دنیا کو 'دار الاسلام' اور 'دار الحرب' مین تقسیم کیا ہے، یعنی اسلام کا ملک اور دشمن کا ملک، اسلامی سردار
" کا یہ فرض ہے کہ وہ 'دار الحرب' یعنی تمام غیر مسلم دنیا کو بزور شمشیر اسلام قبول کرنے پر مجبور کرے"[52]

یہ بیان نہ صرف غلط بلکہ محض بے بنیاد ہے۔ قرآن نے دنیا کو ایسے دو حصون مین تقسیم نہین کیا، نہ اوس مین اس قسم کا کوئی اشارہ کنایہ پایا جاتا ہے، جیسا کہ ریورنڈ جنٹلمین نے لکھا ہے۔ انگریزی اور نیز یورپ کی اکثر دوسری زبانون مین قرآن کے بہت سے ترجمے موجود ہین، جس کسی کو اس مضمون سے دلچسپی ہو وہ جان سکتا ہے کہ قرآن مین کسی جگہہ مسٹر میکال کے اس بیہیا کانہ اور غلط دعوے کا کہین نام و نشان بھی نہین، اونہون نے جو یہ نتیجہ نکالا ہے کہ پیشوائے مذہب اسلام (خلیفہ) کا یہ فرض ہے کہ وہ غیر مسلم دنیا کو بزور شمشیر اسلام قبول کرنے پر مجبور کرے، بالکل ایک فرضی اور بلا دلیل بات ہے۔

"دار الحرب" اور "دار الاسلام" کے متعلق صاحب "ہدایہ" کی راے

۱۹۔ اسلامی فقہ مین جو "دار الحرب" اور دار الاسلام" مین فرق رکھا گیا ہے وہ فصل مقدمات کے لئے صرف "حدود ارضی" کا ایک مسئلہ ہے۔ صاحب "ہدایہ" لکھتا ہے کہ:-

---

[51] لفظ "آٹومن" سرکاری طور پر ٹرکی رعایا کے معنون مین استعمال ہوتا ہے، اور از روے قانون سب کے ساتھ یکسان برتاؤ ہوتا ہے" دیکھو "نائن ٹینتھ سنچری" جنوری ۱۸۹۸ء مضمون "ٹرکی کے موجودہ واقعات اور ریمارک وغیرہ" از رائٹ آنریبل لارڈ اسٹرسے فورڈ ڈ کلف، صفحہ ۹۔

[52] رسالہ "کن ٹم پررری ریویو" صفحہ ۲۷۰۔

"اگر کوئی مسلمان پناہ یا امن کا فرمان حاصل کرنے کے بعد کسی "دار الحرب" مین چلا جائے، اور وہان کسی پردیسی کے ہاتھ اپنا مال اودھار بیچے، یا کسی پردیسی کا مال اودھار خریدے، یا کسی پردیسی کا مال غصب کر لے، یا کوئی پردیسی اوس کا مال غصب کرے، اور بعد ازان یہ مسلمان اسلامی ملک مین چلا آئے، اور یہ حربی بھی "مستامن" بن جائے، تو ایسی صورتون مین قاضی ان دونون مین سے کسی ایک کے حق مین بھی مخالف یا موافق فتویٰ نہین دے سکتا۔ پہلی صورت مین اس لئے نہین دے سکتا کہ قاضی کا فتویٰ اوس کے اختیارات کی وجہ سے قابل تسلیم ہوتا ہے، اور اس وقت جب کہ یہ معاملہ قرض طے پایا تو (اجنبیت ملک کی وجہ سے) قاضی کو نہ قرض لینے والے پر اختیار حاصل تھا اور نہ قرض دینے والے پر، اور نہ فتوے کے وقت اوس پردیسی "مستامن" ہی پر اوس کو کچھ اختیارات حاصل ہین، کیونکہ اس پردیسی نے اسلامی قوانین کی اطاعت کو اپنے گزشتہ افعال کے حق مین تسلیم نہین کیا، بلکہ صرف اپنے آیندہ افعال کو اون کے ماتحت کیا ہے، (یعنی اوس وقت سے جب کہ وہ "مستامن" بنا)۔ اور دوسری صورت مین اس لئے فتویٰ نہین دے سکتا کہ مال مغصوبہ اب غاصب کی ملکیت ہے، کیونکہ مال مغصوبہ پر غاصب کا قبضہ ویسا ہی ہے جیسا اوس مال پر جو کسی کی ملکیت نہ ہو۔ جیسا پہلے بیان ہو چکا ہے۔"[51]

حنفی فقہ کی مستند کتاب "ہدایہ" کے اقتباس مذکورۂ بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ دو ملکون کا امتیاز صرف حدود ارضی (جورس ڈکشن) کا ایک مسئلہ ہے - اگر کوئی معاملہ کسی مسلمان اور پردیسی مین، یا دو پردیسیون مین، کسی غیر ملک مین طے پائے، تو اوس کا فیصلہ کسی اسلامی عدالت مین نہین کیا جا سکتا - یہی صورت اوس معاملے کی بھی ہوگی جب کہ ایک مسلمان کسی پردیسی کا مال غصب کرے، اور وہ اوس کے بعد مسلمان ہو جائے، تو اس مسلمان کے خلاف فتویٰ نہین دیا جائے گا، کیونکہ یہ معاملہ اسلامی حدود ارضی کے باہر وجود پذیر ہوا - اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو کسی غیر ملک یعنی "دار الحرب" مین قتل کر ڈالے، اور قاتل اسلامی ملک

[51] "ہدایہ"، ترجمہ انگریزی، جلد ۲، صفحہ ۱۷۳ - اصل عربی، جلد ۲، باب المستامن، صفحہ ۲۴۰، مطبوعہ کلکتہ۔

مین واپس چلا آئے تو قاتل سے قصاص نہین لیا جائے گا، کیون کہ غیر ملک (موقع واردات) اسلامی حدود ارضی سے باہر ہے۔

۲۰۔ ڈاکٹر ہنٹر نے اپنی کتاب "آور انڈین مسلمانس" (ہمارے ہندوستانی مسلمان) مین "دار الحرب" اور "دار الاسلام" مین بہت کچھ فرق بتلایا ہے۔ چند سال ہوئے، ہندوستان مین اسئلہ نواہب سے کے متعلق، غرضی یا خیالی جوش کے ضمن مین، اس مسئلہ پر بڑے شدومد کے ساتھ بحث ہوئی تھی کہ آیا ہندوستان مثل پیشتر کے اب بھی "دار الاسلام" ہے یا "دار الحرب" ہوگیا ہے۔ شمالی ہند کے علما اور نیز مکے کے مفتیون کے مستند فتوے طلب کئے گئے۔ کلکتہ کی "محمڈن لٹریری سوسائٹی" نے بڑے جوش کے ساتھ اس مسئلے مین حصہ لیا، اور اوس کے سکرٹری مولوی (نواب) عبد اللطیف خان بہادر (مرحوم) نے، جو ایک اعلیٰ درجے کے انگریزی تعلیم یافتہ مسلمان ہین، اور جن مین عملی کام کرنے کا خاص ملکہ ہے، اپنے ہم وطنون کے ہم مذہبون، اور برٹش گورنمنٹ کی بڑی خدمت کی یعنی اونھون نے ایک پمفلٹ (رسالہ) لکھکر شایع کیا جس مین اس امر کو ثابت کیا کہ ہندوستان ایک اسلامی ملک ہے، جہان مذہبی جنگ جدال یا جہاد بالکل ناجائز ہے۔ لیکن در اصل یہ مسئلہ کہ کوئی ملک "دار الحرب" ہے یا "دار الاسلام" اوس قبیل کا مسئلہ ہے جیسے اسلامی فوجداری یا دیوانی عدالتون مین حدود ارضی کی بحث، اس کو مذہبی بغاوت یا مذہبی جنگ یا جہاد سے کچھہ تعلق نہین۔ لیکن چون کہ برٹش انڈیا مین کوئی مسلمان بادشاہ نہین، اور نہ اسلامی عدالتین ہین، اس لئے ہندوستان کے مسلمانون یا عیسائیون کو اس مسئلے مین بحث کرنا بالکل فضول ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی فقہ مسلمانون کے لئے بنایا گیا تھا۔ اور اوس کی بنیاد اس خیال پر رکھی گئی تھی کہ مسلمان فاتح ہے یہ مفتوح اس لئے ہندوستان مسلمانانِ ہند کے حق مین نہ "دار الحرب" ہے، نہ "دار الاسلام"، اور نہ کسی مسلمان فرمان روا کا محکوم ملک۔ یہ صرف برٹش انڈیا ہے، جہان مسلمان انگریزی حکومت کی رعایا ہین، اور وہی اون کی حفاظت کرتی ہے، اس لئے ایک تیز فہم مجتہد برٹش انڈیا کو

"دارالامان" یا "دارالذمہ" کہہ سکتا ہے لہ

۱۲ یہی مقدس شخص پھر لکھتا ہے کہ:-

حقوق رعایا

"اس طرح اسلام ایک ایسی عالم گیر سلطنت کا مدعی ہے، جس کی بنیاد قرآن کے غیر متبدل بلکہ
" ناممکن التبدیل قانون اور سنت پر ہے، اور اس وسیع دنیا کے انتظام سلطنت مین رعایا کے حقوق،
" پیدائش، یا قوم، یا زبان، یا ملک پر منحصر نہین ہین، کیونکہ اسلام سوا "دارالاسلام" کے کسی دوسرے
" ملک کو تسلیم نہین کرتا، بلکہ اون کے حاصل کرنے کے لئے مذہب کا قبول کرنا شرط ہے" لہ

یہ بات نہین، بلکہ درحقیقت، تمام آزاد باشندون کے حقوق توطن، اور ملک کی حفاظت، جس کو اسلامی فقہ کی زبان مین "حریّت" اور "عصمت" کہتے ہین، فطرت یعنی پیدائش پر منحصر ہے۔ رعیتی حقوق مذہب کے قبول کرنے پر موقوف نہین۔ جس طرح غیر مسلم لوگون کو اپنے ملک مین رعیتی حقوق حاصل ہین، اور وہ اون سے مستفید ہوتے ہین اوسی طرح اون کو اسلامی ممالک مین بہی وہی حقوق حاصل ہین، بشرطیکہ وہ سلطنت کے مخالف نہ ہون، اور بادشاہ کے امان مین ہون۔

"ہدایہ" مین، جو اسلامی فقہ کی ایک جامع کتاب ہے، لکھا ہے کہ:-

"حفاظت جسم و جان از روے انسانیت لازم قرار پائی ہے" لہ

پہر اسی کتاب مین لکھا ہے کہ:-

" یہ بات صحیح نہین ہے کہ کسی مالک کی جان کی حفاظت اس لئے کی جاتی ہے کہ اوس نے مذہب اختیار
" کرلیا ہے، کیونکہ یہ "متقومہ" (وہ حفاظت جس کے لئے معاوضہ ادا کیا گیا ہو) نہین ہے، بلکہ اوس کے
" مال پر دست اندازی کرنا ہے سے ناجائز ہے" لہ

لہ اس مضمون پر سر سید مرحوم نے ہنٹر کی کتاب "آور انڈین مسلمانس" پر ریویو کرتے ہوئے نہایت خوبی کے ساتھ بحث کی ہے۔ لہ رسالہ "اوکن ٹم پرسے، ری ریویو" اگست ۱۸۸۱ء، صفحہ ۲۰۰۔ لہ کتاب السیر، باب الجزیہ، صفحہ ۲۴۳، مطبوعہ کلکتہ عربی۔ صفحہ انگریزی ترجمہ ۲۱۰۔ لہ باب الغنائم، صفحہ ترجمہ انگریزی ۱۰۲۔

آگے چل کر اسی کتاب مین، "مستامنون" یعنی اون لوگون کے بیان مین جو کسی غیر ملک مین وہان کے بادشاہ کی حفاظت مین رہتے ہون - لکھا ہے کہ :-

" عصمت موثمہ کو اسلام کی طرف منسوب کرنا جایز نہین - حفاظت موثمہ عصمیت کا تعلق اسلام
" سے نہین بلکہ انسان سے ہے، کیون کہ انسان اس غرض سے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ تکلیفات شرعیہ کا
" بوجھہ برداشت کر سکے، اور اون کی بجا آوری اوسوقت تک نہین ہو سکتی جب تک کہ انسان کا تکلیف دینا
" اور قتل کرنا ناجائز نہ قرار دیا جائے، کیون کہ اگر انسان کا قتل کرنا خلاف شرع نہ ہو تو وہ اپنے فرائض
" ادا نہین کر سکتا، لہذا انسان فطرۃً ایک ایسی چیز ہے جس کی حفاظت لازم ہے" ۵۱

"فتاوائے ظاہریہ" مین بھی یہ بیان کیا گیا ہے کہ مخالف ملک کے لوگ "احرار" ہین، یعنی اون کو حق رعیت حاصل ہے - شامی نے بھی "ردالمختار" مین یہی فتویٰ دیا ہے - ۵۲

شامی، جو ملک شام کا ایک نہایت مستند فقیہ ہے، اپنی کتاب "ردالمختار شرح درالمختار" مین، جو (درالمختار) بجائے خود "تنویرالابصار" کی شرح ہے، لکھتا ہے کہ :-

" اگر عصمت موثمہ قطع کر دی جائے تو اس کا قایم رکھنا ازرو ے انسانیت لازم ہے، کیون کہ انسان
" مذہب کی اطاعت کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے، اور احکام مذہب کے سامنے اوس کا سر تسلیم خم کرنا
" اوس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ یہ حکم نہ دیا جائے کہ کوئی شخص اوس کو تکلیف دینے کا مجاز
" نہین، اور زیلعی کی راے کے مطابق وہ کبھی قتل نہین کیا جا سکتا جب تک کہ کوئی خارجی وجہ نہ ہو"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ "دارالحرب" یا مخالف ملک، یا غیر سلطنت کی غیر مسلم رعایا کو لازمی طور پر ازروے استحقاق توطن کے وہی حقوق، آزادی، اور حفاظت حاصل ہین،

---

۵۱ "ہدایہ"، باب المستامن، جلد ۲ ترجمہ انگریزی صفحہ ۲۰۱ تا ۲۰۲ - اصل عربی، جلد ۲ صفحہ ۳۴۴، مطبوعہ کلکتہ -

۵۲ جلد سوم، کتاب الجہاد، صفحہ ۲۴۶، باب فتح کفار -

جن سے مسلمان خاص اپنے ملک میں مستفید ہوتے ہیں۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ طبعی حقوق کی بنیاد پیدائش یعنی فطرت یا انسانی فطرت کے لحاظ سے ہے، لہذا ہر ایک انسان کو طبعی حقوق حاصل ہیں۔

رقیق و مملوک

۲۲ - بعض مسلمان فقہا خصوصاً وہ جو سخت متعصب ہیں، یہ کہتے ہیں کہ کفار خود اپنے "دارالحرب" (یعنی مخالف کے ملک) میں بھی "احرار" یعنی آزاد یا شہری نہیں ہیں، بلکہ "رقیق" یا "ارقا" ہیں، جو رقیت اور حقوقِ حریت کے مابین ایک خیالی درجہ ہے۔ یہ دعوی سراسر ناانصافی پر مبنی ہے، لیکن فاضل اور غیر متعصب فقیہ کسی غیر ملک کے باشندوں کی یہ حالت تسلیم نہیں کرتے۔ وہ فقیہ بھی اوسی وجہ تعصب سے کام لیتے ہیں جو اس بات کے مدعی ہیں کہ مخالف ملک کی رعایا بلا مملوک بنے "رقیق" ہے، یعنی وہ بلا کسی کے قبضے میں آئے اپنے حقِ حریت سے محروم ہے۔ لیکن بڑے علما اور کم متعصب فقیہ اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ اون کی یہ رائے ہے کہ کفار اپنے ملک یعنی اسلام کے تسلیم کردہ "دارالحرب" میں پورے آزاد، اور اپنے تمام حقوقِ طبعی کے پورے مالک ہیں، لیکن جب وہ مفتوح ہو جائیں، اور اسلامی حکومت کی رعایا بن جائیں، اور جبراً اون کے ملک سے نکال کر اسلامی ملک میں لائے جانے سے پہلے "رقیق" ہیں، لیکن جب وہ اسیرانِ جنگ کی حیثیت سے اسلامی حکومت میں آتے ہیں تو فوراً "رقیق" سے "مملوک" بن جاتے ہیں۔

عبد اللہ بن مسعود، فرزند تاج الشریعت، اپنی کتاب "شرح وقایہ" میں لکھتے ہیں کہ:-

"ممکن ہے کہ کوئی چیز 'مملوک' تو ہو مگر 'مرقوق' نہ ہو، لیکن 'مرقوق' کا 'مملوک' ہونا لازمی ہے"۔[۱۵]

صاحب "درالمختار"، مصنفِ "جامع الرموز شرح وقایہ"، ملا شمس الدین محمد قوہستانی کے حوالے سے لکھتا ہے کہ:-

"'رق' بغیر 'ملک' کی مثال 'دارالحرب' کے کفار میں پائی جاتی ہے، کیونکہ وہ تمام 'رقیق' تو ہیں مگر کسی کے

[۱۵] "شرح وقایہ"، کتاب العتاق، صفحہ ۱۳۸۔

" مملوک" نہیں، پس پہلے ہیں جب کوئی اسیر کیا جاسے تو وہ "رقیق" ہے نہ کہ مملوک لیکن مملوک، اوس
" وقت ہوگا جب ہمارے ملک میں آجائے" [۵۱]

علامہ ابن عابدین اپنی کتاب "ردالمختار شرح درالمختار" میں لکھتے ہیں کہ:-

" مصنف نے جو یہ لکھا ہے کہ "وہ تمام رقیق ہیں" تو اس سے اوس کا یہ مطلب ہے کہ مطیع ہونے کے
" بعد، ورنہ اس سے پہلے وہ احرار ہیں، یہ ظہیریہ کے مطابق ہے- اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دارالحرب
" کے باشندے آزاد ہیں" [۵۲]

پہلی شرعی عدم مساوات: غیرمسلم کی شہادت

۲۳- ریورنڈ مسٹر سیکال کے بیان کے مطابق اسلامی سلطنت کی غیرمسلم رعایا جس قانونی عدم مساوات میں رکھی گئی ہے- من جملہ اوس کے ایک یہ ہے کہ:-

(۱) "ان کی (غیرمسلموں کی) شہادت مسلمانوں کے مقابلے میں قابل تسلیم نہیں سمجھی جاتی"

ایک غیرمسلم رعایا کی شہادت کا ایک مسلمان کے خلاف میں نامعتبر ہونا نہ تو قرآن میں اس کا حکم دیا گیا ہے، جو مسلمانوں کا الہامی قانون ہے، اور نہ حدیث میں اس کا ذکر ہے جو اسلامی فقہ کا ایک جز ہے- چوں کہ قرآن و حدیث میں اس کا پتہ نہیں، اس لئے یہ کوئی مقدس اور ناممکن التبدیل قانون کے فرمان طرح تسلیم نہیں کیا جاسکتا- علاوہ اس کے یہ بات عقل و انصاف کے بھی خلاف ہے کہ غیرمسلم کی شہادت ایک مسلم کے مقابلے میں تسلیم نہ کی جائے، لہذا اگر رسم و رواج اجازت دے تو خاص اس مسئلے میں اسلامی فقہ کی اصلاح ہونا چاہیے-

"مجلا" یا ٹرکش سول کوڈ مجریہ ۱۲۹۰ ہجری

۲۴- میں مسرت کے ساتھ اس امر کو لکھتا ہوں کہ یہ قانون ٹرکش سول کوڈ (ترکی ضابطہ دیوانی) "مجلا" میں نہیں پایا جاتا، جو سلطان کے حکم سے ۱۲۹۰ہجری میں بمقام قسطنطنیہ نافذ ہوا، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ چند روز سے سلطنت ٹرکی میں غیرمسلم رعایا کی یہ قانونی عدم مساوات بالکل اوٹھا دی گئی ہے-

[۵۱] "درالمختار علی متن تنویرالابصار"، کتاب العتاق-

[۵۲] جلد ۳، صفحہ ۱۸، مطبوعہ مصر-

شرعی عدالتون مین مسئلہ شہادت غیر مسلم کی بحث،

۲۵- امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور دوسرے مسلمان فقہا نے مسلمان کے خلاف مین ایک غیر مسلم کی شہادت کے عدم جواز کو ضعیف بنیادون پر قایم کیا ہے۔ انھون نے بعض اور لوگون کی شہادت کو بھی، خواہ وہ مسلمان ہی کیون نہ ہون، ناقابل تسلیم ٹھیرایا ہے چنانچہ اندھے، غلام اور افترا پرداز لوگ اسی زمرے مین شریک ہین۔ ان کے علاوہ پدری سلسلے کے رشتے دار، شوہر و زوجہ، آقا و غلام اور اجیر و مستاجر (ایک دوسرے کے حق مین) مردود الشہادت لوگون مین شمار کئے جاتے ہین۔ نہ آقا کی شہادت اپنے غلام کے حق مین تسلیم کی جا سکتی ہے، اور نہ کسی مشترکہ معاملے کے متعلق ایک شریک کی شہادت دوسرے شریک کے حق مین، نہ پیشہ ور ماتم کرنے والون اور گویون کی شہادت قانونی نظرون مین معتبر تسلیم کی جاتی ہے، نہ شراب خوارون اور بٹیربازون کی، نہ فاسق و فاجر اور سنگین مجرمون کی، نہ سود خوارون اور قماربازون کی، اور نہ ایسے لوگون کی جو بد تہذیب اور ناشائستہ ہون۔ ایک مستامن، یعنی ایک اجنبی جو چند روز کے لئے اسلامی ملک مین پناہ گزین ہے، ایک ذمی، یعنی اسلامی گورنمنٹ کی مستقل غیر مسلم رعایا، کے متعلق شہادت نہین دے سکتا۔ مذکورہ بالا لوگون کی شہادت کے عدم جواز کے مختلف وجوہ بیان کئے گئے ہین، بعض اون مین سے عقل و دانش کے مطابق، اور بعض عقل کے خلاف اور طفلانہ سبک رائین ہین۔ مسلمان کے خلاف مین ایک غیر مسلم کی شہادت کا ناقابل تسلیم ہونا ان وجوہ پر مبنی بتلایا جاتا ہے۔

(۱) کہ اون کو مسلمانون پر کوئی اقتدار یعنی ولایت حاصل نہین ہے،

(۲) اور اُن پر مسلمانون کے مقابلے مین افترا پردازی کا شبہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ دونون وجوہ ناکافی ہین:-

اوّل، اس لئے کہ مسلمان فقہا "ذمیون" یعنی غیر مسلمون، کی شہادت کو ایک دوسرے کے خلاف مین، خواہ وہ مختلف المذاہب ہی کیون نہ ہون، تسلیم کرتے ہین، اور نیز مختلف المذاہب "مستامنون" کے خلاف مین بھی اون کی شہادت کو جائز رکھتے ہین۔

اس سے بلا شبہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ "ذمی" یا غیر مسلم شہادت کی پوری "اہلیت" اور "ولایت" رکھتے ہین۔

دوسرے، اس لئے کہ جب ایک "مستامن" کی شہادت دوسرے "مستامن" کے خلاف ازروے قانون جائز خیال کی جاتی ہے، تو اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ "مستامن" شہادت دینے کی قابلیت رکھتے ہین۔

تیسرے، اس لئے کہ خود مسلمانون کی نسبت بھی بوجہ نفرت وتعصب اور جوش مذہبی کے عیسائیون اور دوسرے لوگون سے کچھ کم افترا پردازی کا گمان نہین ہوسکتا۔

چوتھے، اس لئے کہ جس طرح مسلمانون اور ذمیون مین عداوت ہوسکتی ہے، اسی طرح یہودیون، عیسائیون، مجوسیون اور دوسرے مذاہب کے پیرؤن مین بھی خصوصیت ممکن ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ ان مین سے بھی کسی ایک اہل مذہب کی شہادت دوسرے مختلف العقائد اشخاص کے متعلق قابل تسلیم نہ ہونا چاہیے۔ جب یہ بات کافی طور پر ثابت ہوگئی تو پھر صاف ظاہر ہے کہ اگرچہ "ذمی" یعنی مختلف مذاہب کی غیر مسلم رعایا، اختلاف مذہب کی بنا پر ایک دوسرے سے بغض وحسد نہ رکھین، لیکن تعصب مذہبی اور سنگدلی باہمی تنفر پیدا کرنے کے لئے بدرجۂ اتم کافی ہین، اور اس لئے اس شبہ کا پورا موقع ہے کہ وہ ایک دوسرے کے خلاف افترا پردازی کرنے مین کوئی دقیقہ اوٹھا نہ رکھین گے۔ باوجود ان تمام نقصون کے، جو ایک "ذمی" کی شہادت مین پائے جاتے ہین، وہ اوس کے حریف کے خلاف مین جائز خیال کی جاتی ہے، لہذا ہم بطور قدرتی نتیجہ کے اوس فطری صداقت تک پہنچ جاتے ہین کہ ایک "ذمی" کی شہادت ایک مسلمان کے برخلاف قابل تسلیم ہونا چاہیے۔

پانچوین، اس لئے کہ اگر غیر مسلم رعایا پر مسلمانون کا تفوق اور وہ عناد، جو غیر مسلم اپنے مخالفون کے ساتھ رکھتے ہین، اون (غیر مسلمون) کو جھوٹی شہادت دینے کا مظنون قرار دیتا ہے، تو اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جن ممالک مین مسلمان دوسرے اہل مذاہب کی رعایا

مین، جیسے ہندوستان اور روس مین ہندؤن اور عیسائیون کی رعایا ہین، تو وہان اون کی شہادت اپنے غیر مسلم فاتحون کے خلاف مین ناقابل تسلیم ہونا چاہیئے - لہذا یہ صاف ظاہر ہے کہ فقہ کا یہ اصول کہ "ایک "ذمی" کی شہادت کسی مسلمان کے خلاف جائز نہین" بالکل کمزور اور غیر معقول ہے -

چھٹے، اس لئے کہ وہی علما جو ایک "ذمی" کی شہادت کو ایک مسلمان کے خلاف ناجائز خیال کرتے ہین، بعض مواقع پر بوا سطہ یا بلا واسطہ، تسلیم بھی کرتے ہین - مثلاً: ایک "ذمی" کی شہادت، ایک غیر مسلم غلام کے خلاف، جو ایک مسلمان کی ملک ہے، جائز ہے، اور نیز ایک غیر مسلم کی شہادت بخلاف ایک آزاد غیر مسلم کے، جو کسی مسلمان کا ایجنٹ ہے، قابل تسلیم ہے - شہادت ان دونون آخری صورتون مین مسلمان کے خلاف عمل کرتی ہے - اور مسئلہ "ایضا" و ثبوت نسب غیر مسلم کے بارے مین ایک غیر مسلم کی شہادت بلا واسطہ ایک مسلمان کے خلاف جائز سمجھی جاتی ہے -

غیر مسلم کی شہادت کے متعلق قرآن سے غلط نتائج نکالنا

۴٦ مقلدین و جامعین فقہ نے جہان قرآن سے یہ اصول استنباط کیا ہے کہ ایک غیر مسلم کی شہادت ایک مسلمان خواہ تاش کے خلاف مین جائز نہین، وہان اونہون نے قرآن کی نہایت غیر معتبر اور قابل تضحیک تاویل کی ہے - چنانچہ وہ اس استدلال مین سورہ نسا کی ایکسو چالیسوین آیت کا یہ آخری حصہ پیش کرتے ہین کہ: [۵۱]

ولن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلا - (النسا ۴ - آیت ۱۴۰)

"خدا کافرون کو مسلمانون پر دور رہنے کا موقع نہین دے گا"

وہ آیت کے اس حصے سے طرح طرح کے قیاسی اور ضلالت آمیز نتائج استخراج کرتے ہین، اور بعض ان مین سے، جو سخت متعصب ہین، وہ خیال کرتے ہین کہ اس آیت سے صحیح استدلال یہ ہو سکتا ہے کہ نہ تو غیر مسلم کی شہادت ایک مسلمان کے خلاف قابل تسلیم

---

[۵۱] "عنایہ شرح ہدایہ"، مصنفہ محمد اکمل الدین، جلد ۳، صفحہ ۴١٥، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۳٢ع -

ہے، نہ غیر مسلم ایک مسلمان سے وراثت حاصل کر سکتا ہے، نہ وہ کسی مسلمان کی اوس ملک کا جائز مالک قرار پاسکتا ہے جو اس نے زور یا فتح سے حاصل کی ہے، اور نہ ایک مسلمان کسی غیر مسلم کے خون کے قصاص میں قتل کیا جاسکتا ہے، یہ تمام استنباط محض غلط اور بودے ہیں۔

آیت مذکورہ بالا کے پورے الفاظ یہ ہیں:۔

الذین یتربصون بکم، فان کان لکم فتح من اللہ قالوا الم نکن معکم، وان کان للکافرین نصیب قالوا الم نستحوذ علیکم ونمنعکم من المومنین، فاللہ یحکم بینکم یوم القیامۃ، ولن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلا۔

(النساء ۴ - آیت ۱۴۰)

"وہ تمہارے (مآل کار) کے منتظر ہیں، تو اگر خدا نے تم کو فتح دی تو کہتے لگتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟، اور اگر کافروں کو (فتح) نصیب ہوئی تو کہنے لگتے ہیں کہ کیا ہم تم پر غالب نہیں ہو گئے تھے؟ اور تم کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے نہیں بچایا؟ تو (مسلمانو!) خدا تم میں (اور منافقوں میں) قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا، اور خدا کافروں کو مسلمانوں پر (ہر طرح) در رہنے کا موقع ہرگز نہیں دے گا"

سورۂ بقر میں ایک اور لفظ "منکم" ہے، جہاں بیان کیا گیا ہے کہ "واستشہدوا شہیدین من رجالکم" (البقرہ ۲ - آیت ۲۸۲) یعنی "اپنے لوگوں میں سے دو مردوں کی شہادت لاؤ گا" فقہا اس کے یہ معنی لیتے ہیں کہ گواہ تمہارے ہم مذہب ہونا چاہئیں، لیکن یہ غلط استدلال ہے، اور اس کی تردید ایک دوسری آیت سے ہوتی ہے، جہاں بیان کیا گیا ہے "اثنان ذوا عدل منکم، او آخران من غیرکم" (المائدہ ۵ - آیت ۱۰۵) یعنی "تم (مسلمانوں) میں سے دو عادل گواہ، یا غیروں میں سے دو گواہ"

پس اگر سورۂ بقر کی آیت کے لفظ "منکم" سے مسلمان مراد ہے، تو سورہ مائدہ کے

لفظ "من غیرکم" سے صراحتہ ایک غیر مسلم کی شہادت کا جواز ثابت ہوتا ہے، لیکن درحقیقت الفاظ "منکم" اور "من غیرکم" مذہب سے کچھ لازمی تعلق نہیں رکھتے، ان الفاظ سے صرف دو شاہد عادل مراد ہیں، جو خواہ تم سے ہوں یا کسی غیر فرقے سے۔

مسلم یا غیر مسلم کی شہادت کے مسئلے کے متعلق کوئی صحیح حدیث موجود نہیں، اس دعویٰ میں پورے طور پر بیہقی بھی ہمارا ہم زبان ہے۔ لہ

سرجارج کیمبل کی رائے اسلامی قانون شہادت پر

۲۷۔ میرے پیش کردہ دلائل سے مسئلہ شہادت میں ہمارے فقہا کے اس خیالی اصول کی عدم صحت پورے طور سے ثابت ہو جاتی ہے کہ ایک غیر مسلم ہم رعایا کی شہادت ایک مسلمان کے خلاف ناجائز ہے۔ میں پہلے ہی بیان کر چکا ہوں کہ قرآن میں، جو اسلام کا صرف وہی الہامی قانون ہے، کہیں اس کا پتہ نہیں چلتا، لہذا میں اس سے یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ اگر ٹرکی عدالتوں میں اس بیجا عمل درآمد کی اصلاح میں کوئی دشواری واقع نہیں ہو سکتی، بشرطیکہ وہاں اس قسم کا کوئی قانون باقی ہو۔ اخیر میں میں اس بحث کو سرجارج کیمبل کی اوس رائے پر ختم کرتا ہوں، جو اونھوں نے مسلمانوں کے قانون شہادت پر دی ہے:۔

"ان کے (اہل اسلام) پاس ایک ایسا نظام قانون موجود ہے جو اوس زمانے کی ترقی کے لحاظ
" سے جب وہ مدون کیا گیا تھا، تو کچھ برا نہیں تھا۔ اون کے قانون شہادت کا بہت سا حصہ جابرانہ اور
" غیر معقول ہے۔ مثلاً: وہ مقدمات جن میں چشم دید گواہوں کا ہونا ضروری ہے، یا بعض واقعات اور جرائم
" کے ثابت کرنے کے لئے گواہوں کی تعداد، اور اکثر مواقع میں کفار کی شہادت کا عدم جواز اور اور بہت
" سی صورتیں۔ لیکن باوجود اس کے ہم کو اون کی ان غلطیوں پر طعن و تشنیع کرنا زیبا نہیں، کیونکہ ابھی
" تھوڑا ہی زمانہ گذرا ہے کہ ہمارا قانون شہادت بھی ایسا ہی خراب تھا، اور ابھی تک اوس کی پوری اصلاح
" نہیں ہوئی۔ مسلمانوں کے قانون شہادت کے جس خاص مسئلے پر ہم بڑی شدت سے غیض و غضب
" ظاہر کرتے ہیں، یعنی غیر مذہب والوں کی شہادت کا عدم جواز، تقریباً یہی وہ مسئلہ قانونی ہے جس کو ہم نے

لہ "نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار" از قاضی شوکانی، جلد ۸، صفحہ ۵۵۵، مطبوعہ مصر۔

" سب سے آخر میں ترک کیا ہے، بشرطیکہ حقیقۃً پورے طور پر ہم نے ایسا کیا ہو۔ اس کو کتنی مدت ہوئی
" جب سے کہ غیر مسیحیوں کی شہادت انگریزی عدالتوں میں قبول کی جانے لگی ہے؟ ہم نے رفتہ رفتہ
" ایک ایک قسم کے ملحدوں اور مذاہب باطلہ کے پیرؤں اور اور لوگوں کو مقبول الشہادت مانا ہے
" اور مجھے پورا یقین نہیں ہے کہ اب بھی ہم سب قسم کے غیر مسیحیوں کی شہادت کو جائز سمجھتے ہیں۔ میرے
" خیال میں مسلمان چند دنوں سے مستثنیٰ سمجھے گئے ہیں۔ لیکن یہ مسئلہ نہ مذہب اسلام کا کوئی
" اصلی جزو ہے، اور نہ اوس کی خصوصیات میں داخل ہے۔ بلکہ یہ محض مقننین کا جبر ہے، جیسا کہ ہم
" سب کی عادت ہوتی ہے" ۵۱

دوسری شرعی عدم مساوات۔ مذہبی آزادی میں

۲۸۔ ریورنڈ مسٹر میکال کے بیان کے مطابق دوسری قانونی بے لبسی اور مجبوری جس میں ایک اسلامی سلطنت کی غیر مسلم رعایا گرفتار رہے وہ اسلامی قانون کی مذہبی مزاحمت اور بے تحملی ہے، اون کے الفاظ یہ ہیں:-

(۳) "اسلام کے ناممکن التبدیل قانون کی رو سے مذہبی آزادی بالکل ممنوع کر دی گئی ہے" ۵۲

پہلا سوال، جو میں اون سے پوچھنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ "کیا قرآن نے مذہبی عدم آزادی کا حکم دیا ہے؟ اور کیا پیغمبر اسلام نے کبھی اہل اسلام کو ایسی تعلیم دی ہے؟" جہاں تک قرآن اور پیغمبر کی تعلیم سے تحقیق کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اسلام کا الہامی قانون اس کے بالکل برخلاف اصول، یعنی مذہبی آزادی کا بہت بڑا حامی ہے۔ اس کتاب کے تیرھویں فقرے میں، جو قرآن کی متعدد آیات نقل کی گئی ہیں، اون میں نہایت صاف و صریح طور پر مذہبی آزادی کی تعلیم دی گئی ہے۔ لیکن یہ ممکن ہے کہ ترکوں نے ایک ایسے مقام پر چرچ کا گھنٹہ بجانے کی ممانعت کی ہو جہاں مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہوں، یا اونہوں نے ایسی جگہ پر نیا گرجا تعمیر کرنے کی اجازت نہ دی ہو جہاں مختلف عقیدے کے لوگ

۵۱۔ "اے ہنڈی بک آن دی ایسٹرن کوئسچن" (مشرقی مسئلے پر ایک رسالہ)، مصنفہ سر جارج کیمبل، صفحہ ۲۹، مطبوعہ ۱۸۷۶ء۔ ۵۲ کنٹمپریری ریویو، اگست ۱۸۸۱ء، صفحہ ۲۷۲۔

سکونت پزیر ہون، ممکن ہے کہ وہ ان کے مذہبی جلوس مین خلل انداز ہوئے ہون، یا ٹرکی جج اور دوسرے افسر "کافرون" کے بارے مین غیر مہذب اور ہتک آمیز الفاظ استعمال کرنے کے مرتکب ہوئے ہون، اور ممکن ہے کہ اونھون نے باب عالی کی کسی عیسائی رعایا کو مقامی نظم ونسق مین کسی بالائی یافت کے عہدے پر مقرر نہ کیا ہو، یا اونھون نے عیسائیون کی مدرسے اور دوسرے نظامات رفاہ عام بند کردئیے ہون۔ اگر یہ تمام شکایتین، جو وائس کونسل مانگ سنے کی ہین، صحیح بھی مان لی جائین، تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ سب کچھ اسلام کے "ناممکن التبدیل قانون" کی بدولت ہے، جس سے میری مراد اسلام کا الہامی قانون قرآن ہے۔ ممکن ہے کہ بعض تنگ دل اور تنگ خیال متعصب ترکون نے یہ کارروائیان کی ہون، لیکن اس سے اسلام کے قانونِ قرآن پر کوئی حرف نہین آسکتا، اور بنا براین اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بہت آسانی سے ان برائیون کی اصلاح ہوسکتی ہے۔ اگر بعض متعصب ترکون نے مذہبی مزاحمتون کی نوبت یہان تک پہنچادی ہے، تو ہمارا یہ قیاس غلط نہ ہوگا کہ اس کی تہ مین روسی سازش چھپی ہوئی ہے اور ممکن ہے کہ روسی دلال سلسلہ جنبانی کر رہے ہون۔

لہ اسلامی فقہ مین کسی "ذمی" کو "یا کافر" اور "یا عدو اللہ" کے الفاظ سے مخاطب کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ اور ایسے شخص کے لئے سزا مقرر کی گئی ہے، جو غیر مسلم رعایا کی تکلیف دہی یا دل آزاری کے لئے ایسے غیر مہذب الفاظ سے اون کو مخاطب کرے۔ "درالمختار" کا مصنف "القنیہ" (تصنیف نجم الدین زاہدی، متوفی ۶۵۸ھ) سے نقل کرتا ہے کہ "ایک "ذمی" کو لفظ "یا کافر" سے خطاب نہ کرنا چاہئیے، اور جو شخص اس لفظ سے مخاطب کرکے اوس کا دل دکھاتا ہے وہ گنہ گار ہوتا ہے۔

مصنف "ردالمحتار شرح درالمختار" اس فقرے کی شرح مین کہ "جو شخص اس لفظ سے مخاطب کرکے اوس کا دل دکھاتا ہے، وہ گنہگار ہوتا ہے" لکھتا ہے کہ اس لفظ کے استعمال کرنے والے کے لئے قانونی سزا مقرر کی گئی ہے۔ مصنف "بحر" کی بھی یہی رائے ہے۔ مصنف "درالمختار" نے بھی یہی رائے ظاہر کی ہے، لیکن صرف "نہر" کا مصنف اس پر معترض ہے۔" ("ردالمحتار"، جلد ۳، صفحہ ۱۸۱، مطبوعہ مصر)

"مسٹر لانگ ورتھ، انگلش کانسل جنرل متعینہ بلگریڈ، نے اپنی گورنمنٹ کو رپورٹ کی کہ عیسائی مفسدین
"سرویا مین بھیجے گئے ہین، اور اون کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ مسلمانون کے سے نام اختیار کرین،
"اور دوسرے عیسائیون پر حملے کرین، تا کہ ایک عام شور اور غوغا برپا ہو جائے"۔ ۵۱

**گرجا کے گھنٹے بجانے کی ممانعت۔**

۲۹ - مسٹر میکال نے وائس کونسل مانگ کے حوالے سے ایک اور قابل اعتراض مثال بیان کی ہے، جس سے اسلام کے ناممکن التبدیل قانون کی رو سے مذہبی آزادی کی ممانعت ظاہر ہوتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ:-

"ایسے مقام پر چرچ کا گھنٹہ نہ بجایا جائے جہان مختلف مذاہب کے لوگ یکجا رہتے ہون، حالآنکہ
"عیسائی خصوصیت کے ساتھ اس کو عزیز رکھتے ہین"۔ ۵۲

اب اس پر غور کرنا چاہیے کہ گھنٹون کا بجانا از روے مذہب منع نہین کیا گیا، بلکہ برخلاف اس کے اسلامی فقہ مین صراحتہً اس کی اجازت دی گئی ہے۔ شمس الائمہ سرخسی نے، جو ساتوین صدی ہجری مین حنفی مذہب کے بڑے مسلم فقیہ گذرے ہین، اپنی کتاب "محیط" مین گرجاؤن مین گھنٹے بجانے کو جائز قرار دیا ہے۔ اگر کسی ایسے مقام پر گھنٹے بجانے کی اجازت نہین دی گئی، جہان باہم مختلف ملت و مذہب کے لوگ رہتے ہین تو یہ ایک انتظامی امر ہے، تا کہ امنِ عامہ مین خلل نہ پڑے، اس کو مذہبی مزاحمت سے کچھ تعلق نہین۔

"مسٹر ہبان مل لکھتے ہین کہ "ترکون کے یہان مثل انگریزون کے ایک قانون ہے جس کی روسے کنیسہائے
"مخالف دین مروجہ (ڈی سنٹنگ چرچ) کے منارون پر گھنٹے بجانے کی ممانعت ہے"۔ مسٹر فری مین کہتے
"ہین کہ بہت سے لوگون کا خیال ہے کہ گرجا کے گھنٹون کا معاملہ نہایت خفیف ہے، لیکن ہمارے
"مدبرون کا یہ خیال نہین، کیونکہ لارڈ ڈربی نے مسٹر ہنری الیٹ متعینہ قسطنطنیہ کو اس کی اطلاع دی،
"اور اونہون نے اس معاملے کو وزیر اعظم ٹرکی کے سامنے پیش کیا، وزیر اعظم نے اس کی ذرا بھی

۵۱ کیس کی بیعنگ روس و روم" مصنفہ اوٹو منڈا ولی ور، جلد ۱، صفحہ ۴۹۔ ۵۲ "کنٹمپرری ریویو"، اگست ۱۸۸۱ء، صفحہ ۲۷۲۔

" پرواہ نہ کی، لیکن مسٹر کونسل ہوم سے دریافت کیا کہ اس معاملے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے
" اس کے جواب میں لکھا کہ:-
" واقعہ نفس الامری یہ ہے کہ عیسائیوں کو ایک زمانہ دراز سے سوا گھنٹوں کے استعمال کے ہر قسم
" مذہبی آزادی حاصل ہے، لیکن اس ایک حق کے نہ دیے جانے سے، جس کو وہ اپنی مذہبی آزادی
" اور مقبولیت کا نشان اور ثبوت سمجھتے ہیں، دوسری مسلمہ مراعات بھی بے وقعت ہوئی جاتی ہیں، اگر
" اون کو گھنٹے بجانے کی اجازت بھی مل گئی تو پھر اون کو مذہبی آزادی کے متعلق کسی قسم کی شکایت باقی
" نہ رہے گی، اور اون کو گورنمنٹ کی نیک نیتی پر اعتماد کلی ہو جائے گا۔ سمجھدار مسلمان اس پر بالکل راضی
" ہیں اور حیدر آفندی خود اس کے سرانجام دینے کا وعدہ کرتے ہیں۔ کس قدر مسرت کا موقع ہے
" کہ یہ پرزور کوششیں رائگان نہ گئیں، اور تین ہفتے کے بعد مسٹر فری مین نے یہ رپورٹ بھیجی:-
" میں خوشی کے ساتھ اس امر کی اطلاع دیتا ہوں کہ گزشتہ اتوار سے اس شہر کے ارتھوڈکس
" چرچ میں گھنٹہ بجنا شروع ہو گیا ہے، اور مسلمانوں نے اس کی کچھ پرواہ بھی نہیں کی۔ یہ سچ ہے کہ
" گھنٹہ نہایت چھوٹا ہے، اور اوس کی آواز بہ نسبت گھنٹے کی گونج کے گھڑی کی آواز سے زیادہ مشابہ
" ہے، لیکن اب جب کہ ابتدا ہو گئی ہے تو ترک رفتہ رفتہ اس کے عادی بھی ہو جائیں گے، اور غالباً
" اوس وقت بھی مزاحمت نہ کریں گے جب کہ گھنٹہ نہایت زور شور کے ساتھ بجے گا۔" [51]

تعمیر گرجا کے بارے میں کانسل یال گریو کی رائے۔

**۲۳۰- مذہبی مزاحمت کی ایک دوسری قابل اعتراض مثال یہ بیان کی گئی ہے:-**

" گرجا تعمیر کرنے کی آزادی چھین لی گئی ہے، اور بعض اوقات بلا کسی معقول عذر کے بالکل ممانعت کر دی
" جاتی ہے، اس سے ایسے مقام پر بے انتہا دقتوں کا سامنا ہوتا ہے، جہاں مختلف مذاہب و ملل
" کے لوگ ملے جلے رہتے ہیں۔" [52]

[51] "افیرس آوف ٹرکی" (معاملات ٹرکی)، نمبر ۳ صفحہ ۱۸، ۵۹، ۶۹ وغیرہ - اور "آٹومانس ان یورپ" مصنفہ جے بل صفحہ ۱۰۳ یا ۱۰۴، مطبوعہ لنڈن ۱۸۵۶ء - [52] "کنٹمپرری ریویو" اگست ۱۸۸۶ء، صفحہ ۲۷۲-

لیکن کونسل پال گریو کی شہادت بالکل اس بیان کے برعکس ہے، وہ بڑے زور کے ساتھ لکھتے ہین کہ :-

" عیسائی رعایا کو مذہبی آزادی اور مساوات کے متعلق کوئی شکایت کی وجہ نہین ہے، اس مین
" کچھ شک نہین کہ ایک نئے گرجا کی تعمیر کے لئے فرمان کی ضرورت پڑتی ہے، لیکن ایک نئی مسجد
" بنانے کے لئے بھی یہی شرط ہے، یہ اجازت دونون صورتون مین یقیناً نہایت آسانی کے ساتھ
" مل جاتی ہے۔ گھنٹے لٹکائے اور بجائے جاتے ہین، صلیبین اور تصویرین نکالی جاتی ہین، اور مذہبی
" لباس ہر جگہ اور علانیہ پہنے جاتے ہین"[۵۱]

**فقہ اسلامی اور گرجاؤن کی تعمیر**

۱۳۴ - ازروے فقہ، اسلامی شہرون مین، غیر مسلم رعایا کو نئی عبادت گاہین بنانے کی ممانعت ہے، لیکن اسلامی قصبون اور گاؤن مین ایسی عمارتین بنانے کی اجازت ہے "ہدایہ" کا مصنف لکھتا ہے کہ :-

" احادیث مین آیا ہے کہ اسلامی ممالک مین کنیسہ اور بیعہ کا بنانا ناجائز ہے، لیکن اگر یہودیون اور
" عیسائیون کے قدیم معبد گرنے لگین یا مسمار ہو جائین تو اون کو اون کی مرمت کی پوری آزادی ہے،
" کیون کہ عمارتین ہمیشہ قایم نہین رہ سکتین، اور چون کہ امام نے ان لوگون کو اپنے مذہب پر عمل کرنے
" کی اجازت دی ہے تو لازمی طور پر اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ اس نے ان کو اپنی عبادت گاہون کے
" ازسرنو بنانے یا مرمت کرنے کی ممانعت نہین کی"[۵۲]

مین اس مسئلے پر دو مختلف پہلوؤن سے بحث کرون گا۔ اول اس حیثیت سے کہ فقہی کتابین اسلامی ممالک مین عیسائی رعایا کے نئے گرجا تعمیر کرنے کے متعلق کیا فیصلہ کرتی ہین، اور دوسرے اس پہلو سے کہ اس قانون کا ماخذ کیا ہے۔

---

۵۱ "دی آٹومانس ان یورپ" مصنفہ جان مل، صفحہ ۲۸۴، لندن ۱۸۷۶ع۔

۵۲ "ہدایہ" مترجمہ ہملٹن، جلد ۲، صفحہ ۲۱۹ یا اصل عربی صفحہ ۴۴۴، کلکتہ جس بنا پر قدیم گرجاؤن کے مرمت کرنے اور نو بنانے کی اجازت دی گئی ہے اوسی بنا پر نئے گرجاؤن کے تعمیر کی اجازت بھی ملنا چاہیے۔

اسلامی شہرون کی تقسیم

۲۴۲ - مسلمان فقہا نے اسلامی شہرون کو تین حصون مین تقسیم کیا ہے :-

(۱) وہ شہر جن کی بنا صرف مسلمانون نے ڈالی ہے، مثلاً: کوفہ، بغداد، بصرہ اور واسط ایسے شہرون مین نئے گرجا بنانے کی اجازت نہین، لیکن اگر اس نئے شہر کے احاطے مین قدیم گرجا آجائین، جیسے قاہرہ مین، تو وہ بحال رکھے جائین گے، اور اون کو مسمار نہین کیا جائے گا۔

(۲) وہ شہر جن کو مسلمانون نے بزور شمشیر فتح کیا۔ ان شہرون مین نئے کنیسے اور بیعے تعمیر کرنے کی اجازت نہین، لیکن جو پہلے سے موجود ہون وہ بدستور قایم رکھے جاتے ہین، اور اون کی مرمت کی بھی اجازت ہے۔

(۳) وہ شہر جو مخاصمین کی باہمی مصالحت سے فتح ہوئے ہین اگر معاہدے مین یہ شرط ہے کہ زمین تو غیر مسلمون کی رہے گی اور اوس کی مالگزاری مسلمانون کو دیجائے گی، تو وہان گرجاؤن وغیرہ کی تعمیر جائز ہوگی۔ اور اگر معاہدے مین یہ شرط ہو کہ مکانات پر فاتحون کا قبضہ ہوگا، اور مفتوح ٹکس ادا کرین گے تو گرجاؤن وغیرہ کا بنانا کم وبیش اطاعت نامے کے شرائط پر موقوف ہوگا۔ اگر یہ شرط کی گئی ہے کہ غیر مسلم رعایا کو نئے گرجا بنانے کی اجازت دی جائے گی تو پھر وہ یقیناً نئے گرجاؤن کی تعمیر سے باز نہین رکھے جا سکتے۔[51] امام ابو حنیفہ کے شاگرد امام محمد جو فقہاء حنیفہ مین سب سے قدیم سند مانے جاتے ہین، اپنی کتاب "سیر الکبیر" مین غیر مسلم رعایا کو ایسے شہر مین گرجا تعمیر کرنے کی اجازت دیتے ہین جہان اگرچہ مختلف مذاہب کے لوگ آباد ہون، لیکن اون کی تعداد اپنے مسلمان ہم وطنون سے بہت زیادہ ہو۔[52]

تنقیح احادیث دربارہ تعمیر گرجا

۲۴۳ - فقہا نے اسلامی شہرون مین کنیسہ اور بیعہ تعمیر کرنے کی ممانعت مین صرف ایک حدیث پیش کی ہے، وہ ایک حدیث ہے جس کا حوالہ "ہدایہ" کے مصنف نے دیا ہے، اور

[51] "فتح القدیر" شرح ہدایہ بحوالہ "قدوری" جلد ۲، صفحہ ۷۰۵ تا ۷۰۶۔

[52] فتح القدیر شرح ہدایہ"، صفحہ ۷۰۳، مطبوعہ لکھنو۔

جس کے لفظ یہ ہین:

"لاخصاء فی الاسلام ولاکنیسہ"، [۵۱] یعنی "اسلام خصی ہونے اور کنیسہ بنانے کو جائز نہین کرتا"

اس حدیث کو بیہقی نے بیان کیا ہے، اور ساتھ ہی اس کو ضعیف بھی بتایا ہے - ابن عدی نے بھی اسی قسم کی ایک حدیث عمر کی روایت سے بیان کی ہے، جو پیغمبر اسلام تک پہنچتی ہے، لیکن اوس کا راوی نہایت مجروح و مقدوح ہے - اس حدیث کے سلسلۂ رواۃ مین تین راوی کم و بیش ایسے ہین جو غیر معتبر خیال کئے جاتے ہین - سعید بن سنان کو احمد نے ضعیف بتلایا ہے اور ابن معین محمد بن عطار کو ابو ذرع نے کذب کے جرم مین مردود ٹھیرایا ہے - تیسرا راوی سعید بن عبد الجبار بھی ضعیف ہے، اور اس کی روایت بھی متروک ہے [۵۲]

احمد اور ابو داؤد نے ایک اور حدیث بروایت ابن عباس بیان کی ہے کہ "ایک ملک مین دو قبلون کا ہونا جائز نہین"، یہ حدیث مرسل ہے، اور اس کا ایک راوی کابوس بن حسین بن جندہ سچا نہین مانا جاتا - علاوہ اس کے، اس حدیث کو نئے گرجاؤن کی تعمیر کی ممانعت سے بھی تعلق نہین - یہ کوئی انتظامی یا عدالتی امر نہین ہے، بلکہ ایک اخلاقی نصیحت ہے کہ ایک ہی مذہب مین مختلف فرقے نہ ہونا چاہئین - قطع نظر اس کے کنیسے اور بیعے عیسائیون اور یہودیون کے "قبلے" نہین ہین - اور اگر اس حدیث کو اس سے کچھ تعلق بھی ہو - تو پھر کسی عبادت گاہ کی اجازت ہی نہ ہونا چاہئے، خواہ وہ نئی ہو یا پرانی، حال آن کہ فقہ پرانی عبادت گاہون کے قایم رکھنے اور درست کرنے کی اجازت دیتا ہے، اور ساتھ ہی عہد نامے کے شرائط معہودہ کے مطابق نئے گرجاؤن کی تعمیر بھی جائز قرار دیتا ہے -

بیہقی نے ابن عباس سے ایک اور حدیث اسی مضمون کی بیان کی ہے کہ "اُن تمام شہرون مین جو مسلمانون نے بنائے ہین نہ کنیسے اور بیعے تعمیر ہو سکتے ہین اور نہ گھنٹے بجائے جا سکتے ہین" یہ حدیث بھی قابل اعتبار نہین، اس کا راوی حنش مشتبہ شخص ہے، اور خود

---

[۵۱] "ہدایہ"، صفحہ ۴۴۴، مطبوعہ کلکتہ [۵۲] "بنایہ شرح ہدایہ معروف بہ عینی"، جلد ۲ صفحہ ۸۸۴، مطبوعہ لکھنو -

ابن عباس علم فقہ میں مستند نہیں مانے جاتے۔

*قرآن میں گرجاؤں کی تعمیر کے خلاف کوئی حکم نہیں۔*

۳۴- اوپر جو جرح و قدح کی گئی ہے، اوس سے یہ امر واضح ہو گیا ہوگا کہ اسلامی سلطنت کی غیر مسلم رعایا کو نئے معابد بنانے کی ممانعت میں کوئی کافی دلیل موجود نہیں، اور یہ صراحۃً صرف مذہب کے پردے میں اندھا دھند جوش و تعصب مذہبی کا نتیجہ ہے۔ مذہب اسلام غیر مسلم رعایا کو اپنی عبادت گاہوں کے بنانے سے ہرگز منع نہیں کرتا، اگر ایک اسلامی سلطنت ایسی صورت میں گرجا بنانے کی اجازت نہیں دیتی، جہاں مختلف مذاہب کے لوگ ملے جلے رہتے ہوں، تو یہ صرف ایک انتظامی امر ہے، اور اس کی مخالفت ہمیشہ دوسرے فرقوں نے عیسائیوں کی طرف سے ہوتی ہے۔

*عیسائی بڑے عہدوں سے کبھی محروم نہیں رکھے گئے۔*

۳۵- وائس کونسل مالتگ، جن کا ذکر ایک پچھلے فقرے میں ہو چکا ہے، عیسائیوں کی دوسری شکایت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:-

"باب عالی کی عیسائی رعایا کو کبھی مقامی انتظام میں بڑی آمدنی کے عہدے نہیں دئے جاتے،
" سوا ایک مثال کے جس سے کسی اصول کی بنیاد نہیں پڑ سکتی"۔[۵۱]

میں اس کے جواب میں ایک ایسے شخص کی بے لاگ شہادت پیش کرتا ہوں، جو "ٹرکش پالیسی" کا نہایت قابل و تعت ذاتی علم اور کامل تحقیق رکھتا ہے وہ لکھتا ہے کہ:-

"سلطنت عثمانیہ پندرہ بیس سال سے رفتہ رفتہ اپنی عیسائی رعایا کو بڑے بڑے ملکی عہدے دے رہی ہے
" اس واقعیت سے اس قدر متواتر انکار کیا گیا ہے، اور یہ بات کہ غیر مسلم رعایا کو اعلی عہدے نہیں دئے جاتے
" اس قدر اصرار سے کہی گئی ہے کہ اب اس کے متعلق کوئی سیدھا سادہ بیان کافی نہیں ہو سکتا۔ اس
" لئے میں اس موقع پر جہاں تک مجھ سے ممکن ہے، ایک فہرست اون لوگوں کی درج کرتا ہوں جو
" بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز کئے گئے ہیں۔ اس کی ایک کامل فہرست تو صرف قسطنطنیہ ہی میں
" تیار ہو سکتی ہے، ہر ایک شخص کا مختلف عہدہ اور درجہ بہ ترتیب لکھا جانے گا، اور جو لوگ وے گئے

[۵۱] "کنٹم پرری ریویو" اگست ۱۸۹۱ء، صفحہ ۲۷۲-

" ہین اون کا نام پہلے درج کیا گیا ہے، اور اون کے "شروع مین" "م" کا لفظ لکھا گیا ہے، جو لوگ
" ابہی خدمتون سے علیٰحدہ ہو گئے ہین اون کے نام کے پہلے "ع" لکہا گیا ہے، جو ابہی امیدوار
" ہین اور کوئی عہدہ ملنے تک نصف تنخواہ پر کام کرتے ہین اون کے ساتہ "ام" لکہا گیا ہے، اور
" اور جن ناموں پر کوئی نشان نہین لگایا گیا، وہ ابتک ملازم ہین اور اون کے نام اخیر مین درج کئے
" گئے ہین۔

" . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . .

" . . . . . . . . . . . . . . . . . . . .

" یہ فہرست بہت وسیع ہو سکتی ہے، لیکن سوا سے قسطنطنیہ کے اور کہین صحت کے ساتہ تیار نہین
" ہو سکتی۔ مذکورہ افسر اپنے اختیارات اور رسوخ سے سیکڑون عیسائیون کو چہوٹے چہوٹے عہدون پر
" مامور کر لیتے ہین، اور یہ لوگ اپنی لیاقت اور محنت سے مسلمانون کو ہٹا کر اون کی جگہہ پر قابض ہو جاتے
" ہین۔ محکمہ جنگی، پبلک ورکس، محکمہ بحری، دار الضرب، ٹیلیگراف، ریلوے اور خاص باب عالی
" بہی ہر درجے کے عیسائیون سے پر ہے، اور اس دس سال کے عرصے مین اس سلسلے مین بہت
" کچھ ترقی ہوئی ہے"[۵۱]

ترکون کی قابل تقلید مساحت

۲۳۴۔ اسلامی سلطنتین دنیا کے مختلف حصون مین مذہبی آزادی دینے مین ہمیشہ مشہور رہی ہین، اور ترک تو خصوصیّت کے ساتہ اس معاملے مین نہایت نیک نام ہین۔ مین اس کے ثبوت مین ریورنڈ سائرس ہملن کی شہادت پیش کرتا ہون جو ایک زمانۂ دراز تک، ایک امریکن مشنری کی حیثیت سے، ٹرکی مین رہ چکے ہین۔ اونہون نے اپنے ایک لکچر مین جو اکتوبر سنہ ۱۸۷۶ء مین، بمقام بوسٹن دیا، یہ کہا کہ:۔

---

[۵۱] "امنگ دی ٹرکس" (ترکون مین)، مصنفۂ سائرس ہملن، صفحہ ۳۰۲ تا ۳۰۴۔ عبارت مقتبسہ مین جس جگہہ نقطے دئے گئے ہین وہان سائرس ہملن نے ایک طول طویل فہرست ٹرکی کے اعلیٰ عیسائی عہدے دارون کی درج کی ہے، جو اردو مین غیر ضروری سمجہہ کر چہوڑ دی گئی ہے۔

" ٹرکی افسر عموماً مہربان ہوتے ہیں، تمام تکالیف اور مصائب جو پراٹسٹنٹ مشن کو ٹرکی میں جھیلنا پڑتی ہیں
" اس کے بانی وہ عیسائی پیشوا اور مجالس کلیسا تھے جو پراٹسٹنٹوں کے مخالف ہیں - ترک فطرۃً متحمل المزاج
" واقع ہوئے ہیں - قرآن میں خصوصیت کے ساتھ یہ حکم دیا گیا ہے کہ اہل کتاب کو یعنی اون مذاہب
" کو جو الہامی کتب رکھتے ہیں، آزادی دینا چاہیے، اور اس حکم سے بموجب عیسائیوں کے متعدد
" فرقے اور یہودی سلطنت کی حفاظت میں آ گئے ہیں ........ روس اور ترکوں
" میں یہی تو فرق ہے - کہ ٹرکی میں عیسائیوں کے تمام فرقے مسلمانوں کی طرح آزادی کے ساتھ خاص
" اپنے مدرسے اور کنیسے قائم کر سکتے ہیں، اور دوسرے لوگوں کو اپنے مذہب میں بھی داخل کر سکتے
" ہیں، لیکن روس میں کسی روسی کو یہ اجازت نہیں کہ وہ سلطنت کے کلیسا سے منحرف ہو سکے
" اور نہ کسی بت پرست یا مسلمان تاتاری ہی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ سوا سلطنت کے کلیسا کے
" کوئی دوسرا مذہب قبول کر سکے، ورنہ سزا کا مستوجب ہوگا - ترک لڑائی کے وقت نہایت خونخوار
" اور وحشی ہیں، لیکن صلح کے زمانے میں بہت متحمل المزاج ہوتے ہیں - مسیحی مذہب اور نیز رعایا
" کے حق میں یقیناً یہ بہتر ہوگا کہ ترک یورپ میں رہیں، بہ نسبت اس کے کہ روس قسطنطنیہ پر قابض
" ہو جائے " [۵۱]

ترکی مسامحت کی چند مثالیں

۷۸ - میں اس موقع پر ترکوں کی بے تعصبی کی چند مثالیں بیان کرتا ہوں، جو اونھوں نے گزشتہ اور موجودہ زمانے میں اپنی عیسائی اور یہودی رعایا سے برتیں -
وارنا کے محاصرے (۱۸۲۸ء) میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے ثابت ہوگیا - کہ عیسائیوں کے مختلف فرقوں کی بہ نسبت ترکوں کی بے تعصبی بدرجہا بالاتر ہے -
کرنل جیمس بیکر لکھتے ہیں کہ :-
" ایک شخص جارج بریسکو ورچ نے، جو گریک چرچ کا پیرو تھا، ایک رومن کیتھولک شخص نہیا ڈس سے

[۵۱] "بوسٹن جرنل" ایجوڈ ہیرن ہنری ڈی ورمس، در کتاب " انگلش پالیسی ان دی ایسٹ " مطبوعہ لندن ۱۸۷۷ء، صفحہ ۳۳ تا ۳۴ -

" پوچھا کہ "اگر تم فتح یاب ہوئے تو تم کیا کروگے؟ اُس نے جواب دیا کہ تمام باشندوں کو جبراً
" رومن کیتھولک بناؤں گا" اس کے بعد برنیکووچ سلطان کی خدمت میں گیا، اور اون سے
" بھی یہی سوال کیا۔ وہاں سے یہ جواب ملا کہ میں ہر مسجد کے قریب ایک ایک گرجا بناؤں گا، اور تمام
" لوگوں کو اجازت دوں گا کہ وہ اپنے اپنے مذہب کے مطابق خواہ مسجدوں میں سجدہ کریں، یا گرجاؤں
" میں صلیب کے سامنے جھکیں، جب اہل سرویا نے یہ سنا تو اونھوں نے لیٹن چرچ کے محکوم
" بننے کے مقابلے میں سلطان کی اطاعت کو زیادہ پسند کیا" ۵۱

یہ سلطان محمد ثانی کا ذکر ہے، ان کے عہد میں بوسنیا اور بلگیریا کے بہت اعیان و اشراف نے اسلام قبول کیا۔ سلطان سلیم اول جیسے سخت آدمی کو بارہا مفتی نے اوس کے ظالمانہ مقاصد سے روکا، اور صاف صاف اون سے یہ کہدیا کہ عیسائیوں کو قتل کرنا یا اون کو اپنے مذہب پر عمل کرنے سے روکنا اسلام کے مقدس احکام کے بالکل خلاف ہے، سلطان نے بھی اس کو تسلیم کیا۔

ایک مرتبہ کسی مفتی سے دریافت کیا گیا کہ "اگر گیارہ مسلمان کسی ایسے عیسائی کو بے گناہ قتل کر ڈالیں جو بادشاہ کی رعیت ہو، اور جزیہ بھی ادا کرتا ہو، تو کیا کیا جائے گا؟" مفتی نے جواب دیا کہ اگر ایک ہزار اور ایک مسلمان بھی ہوں گے تب بھی وہ سب کے سب قتل کئے جائیں گے" ۵۲

ٹرکی کی ترقی پذیر تہذیب و شائستگی

۳۸۔ ٹرکی نے حقیقی طور پر ظاہر کر دیا ہے کہ وہ جدید خیالات کے اثر سے بالکل بیگانہ نہیں تھی۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ ان خیالات نے مسلمانوں کے متعصب جمہور انام میں نہایت دھیمی رفتار کے ساتھ اثر کیا، لیکن یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ اس زیر بحث زمانے میں یورپ کے کسی حصے میں بھی ان خیالات کا قابل ذکر اثر نہ تھا۔

۵۱ "ٹرکی ان یورپ" مصنفہ جیمس بیکر، ایم، اے، صفحہ ۲۷۹۔

۵۲ "ٹرکی ان یورپ" مصنفہ بیکر، صفحہ ۱۶۲۔

" خود انگلستان مین، جارج سوم کے زمانے مین، تعصب اور مذہبی عدم آزادی گورنمنٹ کے اصول
" مسلّمہ مین داخل تھی، اور یہ تعصب وعدم آزادی مذہب جن شکلون مین ظاہر ہوتی تھی وہ صرف وحشیانہ ہی
" نہین بلکہ تکلیف دہ ہوتی تھین - ایک صدی نہین گزری کہ فرانس مین نینٹس (مقام) کے شاہی فرمان
" کی تنسیخ[۵] کے بعد بے شمار مظالم ٹوٹ پڑے، اور "ری وولوشن" کے زمانہ تک ہر وقت اون مظالم کے
" اعادے کا امکان تھا - یورپ کے دوسرے حصون مین رومن کیتھولک پراٹسٹنٹون پر ظلم وستم کرتے
" رہتے تھے، اور پراٹسٹنٹ رومن کیتھولکون پر - اور روس کا گریک چرچ تو ان دونون کا دشمن تھا - ایسے
" وقت مین جب کہ ترکی سے بہت زیادہ مہذب ومتمدن ممالک نے (مذہبی آزادی کے مسئلے مین) کوئی
" معتدبہ ترقی نہین کی تھی، تو اس بارے مین ترکی نے جو کچھ پیش قدمی اور ترقی کی، خواہ وہ کتنی ہی دھیمی
" تھی، وہ ایک امید دلانے والا قدم تھا، اور آیندہ اوس سے بہت زیادہ ترقی کی امید کی جاسکتی تھی،
" بشرطیکہ یورپ بھی عقل وانصاف کے اصول کا صحیح احساس رکھتا -

۵ فرانس کے فرمان روا ہنری چہارم نے پندرہ اپریل ۱۵۹۸ء کو بمقام نینٹس ایک شاہی فرمان شایع کیا تھا جس مین فرانس کی تمام مذہبی لڑائیون کا خاتمہ کردیا گیا تھا، اور جس مین پراٹسٹنٹون کو رومن کیتھولکون کے برابر پولٹیکل حقوق دے گئے تھے، اور فوجی وعدالتی رعایات بھی اون کے ساتھ کی گئی تھین، لیکن یہ آزادی بعض امرا اور چند شہرون کے باشندون ہی کو حاصل ہوئی تھی، اور خاص شہر پیرس، اور اوس کے قرب وجوار، اور چرچ کے محکوم شہر اس نعمت سے محروم رکھے گئے تھے - یہ فرمان تاریخون مین "اڈکٹ اوف نینٹس" کے نام سے مشہور ہے -

اس کے بعد بجاے اس کے کہ یہ رعایتین فرانس کے تمام پراٹسٹنٹون کو حاصل ہوتین، اون پر اولٹی مصیبت یہ نازل ہوئی کہ تقریبًا ستاسی برس کے بعد فرانس کے تنگدل بادشاہ لوئی چہاردہم نے ۲۲، اکتوبر ۱۶۸۵ء کو تنگدل ہنری کے فرمان کی تنسیخ مین ایک دوسرا شاہی فرمان شایع کیا، اور پراٹسٹنٹون کو جو کچھ تھوڑی بہت حریت حاصل ہوئی تھی وہ بھی چھین لی، جس کا یہ تباہی بخش نتیجہ نکلا کہ اس فرمان کی اشاعت کے بعد فرانس کے تین لاکھ باشندے اپنا پیارا وطن چھوڑنے پر مجبور ہوے، اور ہالینڈ، پرشیا، انگلینڈ، سوئٹ زرلینڈ، اور امریکہ مین جا پناہ گزین

"اکثر یہ رائے دی گئی ہے کہ معاملات ترکی میں روس کی مسلسل مداخلت نے اون مظالم کو اور زیادہ سنگین
" بنادیا، جس میں عیسائی مبتلا رہتے تھے، اور بجائے اچھا زمانہ بلانے کے اور مزاحمتوں اور رکاوٹوں میں
" پھنسا دیا۔ سلطنت عثمانیہ میں عیسائیون کی حالت کبھی ایسی نہین ہوئی جیسی اوس بیس برس کے
" عرصے مین جو ۱۸۵۶ء اور ۱۸۷۶ء کے درمیان گزرا، جب کہ عہدنامہ پیرس نے ترکی کو (یورپ کی) غیر
" فیاضانہ فراخ حوصلگی کی دست برد سے محفوظ کیا ۵۰

۴۹ - سلطان عبدالمجید خان کی عزت و احترام میں ہمیشہ اس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اونھون نے اپنی ترکی رعایا کو مذہبی مساحت کے خیال سے مالوف و مانوس بنادیا۔ ارل آف شیفٹس بری نے ۱۰ مارچ ۱۸۵۴ء کو ہاؤس آف لارڈز مین اسپیچ دیتے ہوئے اس امر کا اعتراف کیا کہ موجودہ سلطان نے ہمیشہ پراٹسٹنٹون کے ساتھ یکسان آزادی اور فیاضی سے سلوک کیا ہے۔ اوس موقع پر اونھون نے روس کے اوس شاہی اعلان پر بھی لعنت و ملامت کی جس مین یہ بیان کیا گیا تھا کہ انگلینڈ اور فرانس، جو بالآخر زار کی عالی حوصلگیون کو روکنے کے لئے ایک اتحاد کرنے والے ہین اسلام کی طرف داری مین لڑ رہے ہین، اور روس عیسائیت کی حمایت مین۔ اُنھون نے یہ بھی کہا کہ یہ کوئی مذہبی مسئلہ نہین ہے، بلکہ اس کا تعلق اصول انصاف سے ہے، اگر مجھکو ان دونون مین سے کسی ایک کے پسند کرنے کے لئے مجبور کیا جائے، تو مین روسی تہذیب کے مقابلے مین ترکی تہذیب کو بے انتہا پسند کرون۔ ترکی مین عیسائیون کو جو کچھ تکلیفین جھیلنا پڑین، اون مین سے اکثر و بیشتر اپنے ہاتھون: آپس کے مذہبی جھگڑون اور سازشون یا گریک چرچ کے پادریون کی ہوا و ہوس کی بدولت اوٹھانا پڑین۔ باب عالی نے اپنے تمام ممالک محروسہ عثمانیہ مین کتابون، مشنریون، مطبعون اور ترقی و تنصر کے تمام ذریعون کو پوری آزادی کے ساتھ اجازت دے رکھی ہے

یورپ مین روس کے مقابلے مین ترک زیادہ پسند کئے جاتے ہین۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۳ - ہوئے جس مین ہر قسم کے عالم و فاضل اور صناع و باکمال لوگ شریک تھے - یہ زمان تاریخون مین "ناسخ فرمان نمطس" کے نام سے مشہور ہے - (مترجم)

۵۱ - میکیس کی تاریخ جنگ روس و روم صفحہ ۲۶۹ -

برخلاف اس کے روس کی سرحد اس قسم کی (علمی و مذہبی اشیاء) کی درآمد کے لئے نہایت سختی کے ساتھ مسدود کر دی گئی ہے، اور تیس سال سے بائبل کی ایک جلد بھی کسی ملکی زبان مین (ان حدود مین) شایع نہین ہوئی ہے۔ ارل آف شیفری نے ٹرکی معاملات مین روس کی بیجا مداخلت سے پوشیدہ محرکات کا سرچشمہ روس کے اوس رشک و حسد کو قرار دیا، جو پروٹسٹنٹ عیسائیون کے حق مین ٹرکی کی سامحت سے اوس کے دل مین پیدا ہوا۔ اونہون نے اس بات کو نہایت مدلل طریقون سے ثابت کیا کہ اگر عثمانی سلطنت کے بجاے روسی حکومت آئے تو مذہبی آزادی بجاے ترقی کرنے کے مفقود ہو جائے گی۔

"اصول عدلیت، انتظام مملکت، تشخیص ضرائب، تعلیم اور مذہبی سامحت کے متعلق گذشتہ تیس یا پچیس
" سال کے عرصے مین نہایت قابل اطمینان اصلاحین شروع کی گئی ہین، اور گو درجۂ اتم نہ سہی لیکن
" ایک حد تک اون پر عمل درآمد بھی ہونے لگا ہے۔ ۱۸۵۶ء کے فرمان نے، جو جنگ کریمیا کے خاتمے
" کے بعد جاری ہوا، عیسائیون کے حقوق مین بہت کچھہ اضافہ کیا، اور اون کو آزادی کے ساتھہ رہنے اور
" اپنے مذہب پر عمل کرنے کی اجازت دی۔ کرنل جیمس بیکر کہتے ہین کہ کچھہ نئے قوانین بنانے کی
" ضرورت نہین ہے، بلکہ اون ہی قوانین کا جاری کر دینا کافی ہے جو پہلے سے موجود ہین۔ ایک
" لائق ترک نے کرنل موصوف سے کہا کہ ہمارے ملک کو اس بات کی سب سے بڑی ضرورت ہے
" کہ اندرونی انصاف اور بیرونی انصاف ہو۔ یہ فقرہ قابل تعریف صداقت و لطافت اور نکتہ سنجی
" سے بھرا ہوا ہے۔"[۵۱]

ترکی کی بے انتہا سامحت

۴۰۔ ٹرکی نے گذشتہ تیس سال کے عرصے مین تنزل کرنے کے بدلے، بہ نسبت دوسرے ممالک کے، تمدنی اور اخلاقی امور مین، اور نیز مذہبی سامحت مین بہت زیادہ ترقی کی ہے، اور درحقیقت ان ایام مین ٹرکی نے حیرت انگیز مذہبی سامحت کا اظہار کیا ہے۔ سر جارج کیمبل، جو انڈین سول سروس مین ایک نہایت مشہور شخص ہین، اور جو ایک ایسے شاہد ہین

[۵۱] مکیس کی تاریخ جنگ روس و روم" صفحہ ۲۹۹ تا ۳۰۰۔

جن کو ٹرکی گورنمنٹ سے مطلق ہمدردی نہین، اپنے خاص شاہدے سے بیان کرتے ہین کہ یہودیون اور عیسائیون کے ساتھ سلطنت عثمانیہ کی ساحت" حد سے زیادہ" ہے[۵۱] باوجود ان تمام مخالف شہادتون کے ریورنڈ ملکم میکال ترکون پر مذہبی تعصب کا الزام لگاتے ہین۔

۴۱ - اسلامی فقہ، خواہ کتنی ہی سختی اور تعصب مذہبی کا ملزم ٹہیرایا جا سکتا ہو، لیکن اس پر بہی وہ اپنی غیر مسلم رعایا کے حق مین اس انتہائی درجے پر نرم اور دریا دل ہے کہ وہ اُن کو "سب نبی" (جیسے بد تہذیبی کے فعل پر بہی) اوس حفاظت سے خارج نہین کرتا جس کی ذمے داری اون کے جزیہ ادا کرنے کے معاہدے پر کی گئی ہے۔ مین اس مضمون کے متعلق "ہدایہ" کا ایک فقرہ نقل کرتا ہون:-

" اگر کوئی ذمی جزیہ ادا کرنے سے انکار کرے، یا کسی مسلمان کو قتل کر ڈالے، یا
" سب نبی کرے، یا کسی مسلمان عورت سے زنا کرے، تو اس سے اوس کا معاہدۂ اطاعت معدوم نہین
" ہو جائے گا، کیونکہ ذمیون کا قتل کرنا جس بنا پر ملتوی کیا گیا ہے وہ جزیہ کا (صرف) تسلیم
" کر لینا ہے، نہ کہ حقیقی طور پر اوس کا ادا کرنا، اور جزیہ تسلیم کر لینے کا معاہدہ ابہی تک باقی ہے
" . . . . ہمارے (حنفی) علماء کی راے مین سب نبی صرف ایک کلمۂ کفر ہے جو ایک کافر سے
" سرزد ہوا ہے، اور جب کہ اوس کا کفر معاہدۂ اطاعت کے وقت مانع معاہدہ نہین ہوا،
" تو یہ نیا کفر اوس معاہدۂ اطاعت کو ساقط بہی نہین کر سکتا"[۵۲]

۴۲ - اسلامی اصلاحون پر نکتہ چینی کرنے والا ریورنڈ، سراے کیمبل کی راے نقل کرتا ہے جس مین یہ بیان کیا گیا ہے:-

ذمی اور جزیہ

قرآن مین ارتداد واجب التعذیر فعل نہین

[۵۱] کیمبل کی تاریخ جنگ روس و روم" صفحہ ۲۳۔

[۵۲] "ہدایہ" مترجمہ چارلس ہملٹن، جلد ۱ ۲۲۱ - یا اصل عربی، جلد ۲ صفحہ ۴۱۴، مطبوعہ کلکتہ

" عیسائی سور د نفرت وحقارت قرار دیے گئے ہین، اور یہی قرآن کی تعلیم ہے "

اور پہر وہ خود لکہتا ہے کہ :-

" اگر کوئی عیسائی کسی مسلمان کا مذہب تبدیل کرا ے تو اوس کو بہی موت کی سزا دی جاے گی، اور

" مذہب تبدیل کرنے والا مسلمان بہی قتل کیا جاے گا "

قرآن مین کسی جگہہ عیسائیون سے نفرت وحقارت کی تعلیم نہین دی گئی، اور جب مین یہ خیال کرتا ہون تو مجہے افسوس ہوتا ہے کہ ریورنڈ کیمبل جیسا کونسل جنرل قرآن سے ایسی گہری ناواقفیت کی مصیبت مین مبتلا ہو، اور یہ جو ارتداد کی سزا موت بتائی جاتی ہے تو یہ کوئی پیغمبر اسلام کا قانون نہین ہے، اور نہ قرآن نے الحاد کی کسی دنیاوی سزا کا فتوی دیا ہے۔

مین یہان قرآن کی اون چند آیات کو نقل کرتا ہون جو ایک مسلمان کے ارتداد مذہب سے تعلق رکہتی ہین - ریورنڈ مسٹر میکال کو یہ دیکہہ کر حیرت ہوگی کہ ان مین سے کسی ایک آیت مین بہی ارتداد کی سزا موت نہین بتلائی گئی ہے۔ بلکہ برخلاف اس کے قرآن اون لوگون کو معاف کرتا ہے جو کسی مسلمان کو اوس کے مذہب سے منحرف کردین۔

(۱۰۹) ودّ کثیر من اہل الکتاب لو یردونکم من بعد ایمانکم کفاراً، حسداً من عند انفسہم، من بعد ما تبین لہم الحق، حتی یاتی اللہ بامرہ، ان اللہ علی کل شئی قدیر۔

(البقرہ ۲)

(۱۰۹) (مسلمانو!) اکثر اہل کتاب باوجودیکہ اون پر حق ظاہر ہو چکا ہے (پہر بہی) اپنے دلی حسد کی وجہ سے چاہتے ہین کہ تمہارے ایمان لائے پیچہے پہر تم کو کافر بنا دین، تو معاف کرو اور درگزر کرو یہان تک کہ خدا اپنا (کوئی اور) حکم صادر کرے، بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(۲۱۷) ... ولا یزالون یقاتلونکم حتی یردوکم عن دینکم، ان استطاعوا، ومن یرتدد منکم عن دینہ فیمت وہو کافر، فاولئک

(۲۱۷) .... (یہ کفار) سلام سے لڑتے ہی رہین گے یہان تک کہ اگر ان کا بس چلے تو تم کو تمہارے دین سے برگشتہ کردین، اور

حبطت اعمالهم فی الدنیا والاخرة ، واولئک اصحاب النار ، هم فیها خالدون -

(البقرہ ۲)

جو تم مین اپنے دین سے برگشتہ ہوگا ، اور کفر ہی کی حالت مین مرجائے گا ، تو ایسے لوگون کا کیا کرایا دنیا و آخرت (دونون جگہ) اکارت جائے گا ، یہی اہل دوزخ ہین ، اور ہمیشہ دوزخ ہی مین رہین گے

(۸۰) کیف یہدی اللہ قوماً کفروا بعد ایمانہم وشہدوا ان الرسول حق ، وجاءہم البینات ، واللہ لایہدی القوم الظالمین -

(۸۰) خدا ایسے لوگون کو کیون ہدایت دینے لگا ، جو ایمان لائے پیچھے لگے کفر کرنے ، اور وہ اقرار کرچکے تھے کہ پیغمبر برحق ہے ، اور اون کے پاس (اس کے) کہلے ثبوت بہی آچکے ، اور اللہ ایسے ہٹ دھرم لوگون کو ہدایت نہین دیا کرتا -

(۸۱) اولئک جزاؤہم ان علیہم لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین - (آل عمران ۳)

(۸۱) ان کی سزا یہ ہے کہ ان پر خدا کی اور فرشتون کی اور لوگون کی سب کی پہٹکار -

(۸۲) خالدین فیہا ، لایخفف عنہم العذاب ولاہم ینظرون - (آل عمران ۳)

(۸۲) یہ ہمیشہ اسی (پہٹکار) مین رہین گے ، نہ تو اون سے عذاب ہی ہلکا کیا جائے گا ، اور نہ اون کو مہلت ہی دی جائے گی -

(۸۳) الا الذین تابوا من بعد ذلک واصلحوا ، فان اللہ غفور رحیم (آل عمران ۳)

(۸۳) مگر جن لوگون نے ایسا کئے پیچھے توبہ کی اور (اپنی) اصلاح کرلی ، تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے -

(۸۴) ان الذین کفروا بعد ایمانہم ، ثم ازدادوا کفراً لن تقبل توبتہم ، واولئک ہم الضالون -

(آل عمران ۳)

(۸۴) جو لوگ ایمان لائے پیچھے پھر گئے اور اون کا کفر بڑھتا چلا گیا ، تو ایسون کی توبہ کبہی قبول نہین ہوگی ، اور یہی لوگ گمراہ ہین

(۵۹) یا ایہا الذین امنوا، من یرتد منکم عن دینہ، فسوف یاتی اللہ بقوم یحبہم ویحبونہ، اذلۃ علی المؤمنین، اعزۃ علی الکافرین، یجاہدون فی سبیل اللہ، ولا یخافون لومۃ لائم، ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء، واللہ واسع علیم۔

(المائدۃ ۵)

(۵۹) مسلمانو! اگر تم مین سے کوئی اپنے دین سے پھر جائے، تو خدا ایسے لوگ موجود کر دے گا جن کو وہ دوست رکھتا ہوگا اور جو اوس کو دوست رکھتے ہون گے، مسلمانون کے ساتھ نرم، کافرون کے ساتھ کڑے۔ (اپنی حفاظت اپنے اور اون سے حملے روکنے مین) (اور جو) خدا کی راہ مین کوشش کرین گے، اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا (کچھ) خوف نہین کرین گے۔ یہ خدا کا (ایک) فضل ہے، جس کو چاہے دے، خدا (بڑا) وسعت والا اور علیم ہے۔

یہ ہے اسلام کا وہ الہامی قانون جس مین مرتدون کے ساتھ بے انتہا سماحت کی گئی ہے۔ اگر ٹرکی مین مذہب بدلنے والون کے ساتھ کسی قسم کا جابرانہ اور متعصبانہ برتاؤ ہوتا ہے تو کوئی وجہ نہین کہ سلطان ٹرکی اوس کی اصلاح نہ کرین۔

احکام فقہ متعلق بہ مرتدین

۴۳۔ ریورنڈ میکال غلطی سے جس فقہ کو "اسلام کا ناممکن التبدیل قانون" لکھتے ہین وہ مرتد کے حق مین موت کا فتویٰ تجویز کرتا ہے، لیکن فقہا اون اسباب وعلل کے تشخیص کرنے مین باہم مختلف الرائے ہین جن پر یہ فتویٰ دیا جائے گا، وہ اوس مرتد کے حق مین موت کا فتویٰ دین گے جو اپنے بادشاہ کے خلاف بغاوت کرتا ہے، لیکن ایسی حالت مین صورت معاملہ بالکل بدل گئی، کیونکہ یہ فتواے موت بربناے ارتداد نہین دیا گیا، بلکہ اپنے بادشاہ کے برخلاف بغاوت کے سنگین جرم کی پاداش مین دیا گیا ہے۔

سزاے مرتد پر بحث

۴۴۔ فقہا نے مرتدون پر سزاے موت جاری کرنے کی دو وجوہ پیش کی ہین، جو "ہدایہ" مین بیان کی گئی ہین۔

پہلی وجہ، یہ بیان کی گئی ہے کہ قرآن یہ حکم دیتا ہے کہ "مشرکون کو قتل کرو" (التوبہ ۹- آیت ۵)

دوسری وجہ کی بنیاد اسی مضمون کی ایک حدیث پر رکھی گئی ہے کہ "جو شخص اپنا مذہب بدلے اوس کو قتل کرو" لیکن یہ دونوں وجوہ ضعیف اور بے بنیاد ہین۔

پہلی وجہ کا بطلان تو اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ (اس استدلال مین) اون متعدد آیات سے مضامین سے اغماض کیا گیا ہے، جو خصوصیت کے ساتھ مسئلہ ارتداد سے تعلق رکھتی ہین اور جن کو ہم نے بالیسوین فقرے مین نقل کیا ہے، اور نیز اس استدلال کا ضعف اس سے بھی ثابت ہوتا ہے، کہ فقہا نے سورۂ توبہ کی پانچوین آیت کا صرف ایک غیر مربوط ٹکڑا پیش کیا ہے جس کو مسئلۂ زیر بحث سے کچھ تعلق نہین۔ سورۂ توبہ کی آیت اون اہل مکہ سے تعلق رکھتی ہے جنہون نے حدیبیہ کا معاہدہ توڑ دیا تھا، اور جنہون نے باوجود عہد و پیمان کے اوس قبیلے پر سخت ظلم و تعدی کی تھی جس نے اون کے خلاف معاہدہ تاخت و تاراج سے تنگ آکر مسلمانون کے زیر حمایت پناہ لی تھی[۵۱]۔ علاوہ اس کے اس آیت مین "مشرکین" سے بحث کی گئی ہے، اور اسی نام سے اہل مکہ موسوم کئے گئے ہین، اور مجھے اس بات کے تسلیم کرنے مین تذبذب ہے کہ "مرتدین" "مشرکین" کے لفظ سے تعبیر کئے جا سکتے ہین یا نہین۔

اب رہی وہ حدیث جس پہ دوسری وجہ کی بنیاد رکھی گئی ہے، سو میری راے مین چونکہ یہ حدیث قرآن کی اون آیات کے مخالف ہے، جو اوپر نقل کی گئی ہین، لہٰذا نا قابل اعتبار ہے۔ علاوہ بریں اس حدیث مین اصول تنقید حدیث کے مطابق کوئی ایسی علامت موجود نہین جس سے صحیح اور موضوع حدیث مین امتیاز کیا جاتا ہے۔ بخاری لکھتے ہین کہ اونہون نے ابو النعمان سے سنا، اور نعمان نے حماد سے، اور حماد نے ایوب سے، اور ایوب نے عکرمہ کی سند پر یہ بیان کیا، اور عکرمہ کہتا ہے کہ ابن عباس نے پیغمبر کے قول کے حوالے سے یہ کہا کہ

---

[۵۱] دیکھو سورہ توبہ، آیات ۱ تا ۱۵؛ خصوصًا آیات ۳، ۴، ۸، ۱۱، ۱۲۔

جو اپنا مذہب بدلے اوس کو قتل کر ڈالو"۔[۵۱]

اس حدیث میں پیغمبر و ابن عباس کے درمیان، اور عکرمہ و ابن عباس کے درمیان فصل واقع ہوگیا ہے۔ نہ تو ابن عباس یہ کہتے ہیں کہ اونھوں نے پیغمبر سے اس حدیث کو سنا، اور نہ عکرمہ یہ کہتے ہیں کہ انھوں نے بلا واسطہ ابن عباس سے یہ قول لیا۔ اس طرح یہ حدیث راویوں کا سلسلہ مسلسل نہیں رہتا۔ اسلئے یہ حدیث قابل اعتبار نہیں ہوسکتی عکرمہ کا چال چلن مجروح ہے کیونکہ اوسکی سچائی مشتبہ ہے۔ اگر اس حدیث و تمسک کے لفظوں پر خیال کیا جائے تو ہر قسم کے تبدیل مذہب کی سزا موت قرار پاتی ہے، خواہ ایک غیر اسلامی عقیدہ ترک کرکے "دوسرا غیر اسلامی عقیدہ" یا خود مذہب اسلام ہی کیوں نہ اختیار کیا جائے، اور یہ بالکل خلاف عقل اور فعل عبث ہے۔

تنقیح احادیث متعلقہ بہ ارتداد

۴۵۔ مسئلہ ارتداد کے متعلق چند اور حدیثیں بھی ہیں، جو ایسی ہی غلطی میں ڈالنے والی اور ناقابل اعتبار ہیں۔

بخاری اور مسلم نے بیان کیا ہے کہ جب معاذ ابو موسیٰ کے پاس آیا تو دیکھا کہ ابو موسیٰ کے پاس ایک شخص پابہ زنجیر کھڑا ہے، معاذ نے ابو موسیٰ سے پوچھا کہ "اس شخص پر کیا مصیبت پڑی ہے؟" ابو موسیٰ نے جواب دیا کہ "یہ ایک یہودی ہے، جس نے مذہب اسلام قبول کیا تھا، اور اب پھر یہودی ہوگیا ہے"۔ اس پر معاذ نے کہا کہ "جب تک یہ شخص قتل نہ ہوگا میں نہ بیٹھوں گا" اور استدلالاً یہ کہا کہ "خدا اور اوس کے رسول کا یہی حکم ہے"۔[۵۲]

اب اگر یہ حدیث صحیح ہے تو معاذ اپنی فانی رائے کو خدا اور اوس کے رسول کی طرف منسوب کرنے میں یقیناً غلطی پر تھا، کیونکہ ہم قرآن میں اس قسم کا کوئی حکم نہیں پاتے۔

بیہقی اور دار قطنی نے متعدد سلسلہائے روات سے بیان کیا ہے کہ ایک عورت ام مروان مرتد ہوگئی، پیغمبر نے کہا کہ اوس کو توبہ کرنے کی ہدایت کرنا چاہیئے، اور اگر توبہ نہ کرے گی

---

[۵۱] "بخاری" "کتاب استتابۃ المرتدین، باب حکم المرتد والمرتدۃ"۔

[۵۲] "بخاری" "کتاب استتابۃ المرتدین، باب حکم المرتد والمرتدۃ" —

تو قتل کردی جائے گی"۔ لیکن نقاد حدیث مُقر ہین کہ یہ سلسلہ روایت ضعیف ہے، اور مجھے اس مین کچھہ شک و شبہ نہین کہ یہ سلسلہ رواۃ اون لوگون کی تائید کی غرض سے وضع کیا گیا تھا جو یہ تسلیم کرتے تھے کہ مرتدہ عورت بھی قتل کی جائے، اور اوس گروہ کے خلاف مین جو اس بات پر مُصر تھا کہ صرف مرتد مرد ہی اس انتہائی سخت سزا کے مستوجب ہین۔

اسی مضمون کے متعلق حضرت عائشہؓ سے بھی ایک حدیث مروی ہے، جس مین ایک مرتدہ عورت کی نسبت یہ بیان کیا گیا ہے کہ اوس پیغمبر نے یہ حکم دیا تھا کہ "وہ جنگ احد کے روز اپنے گناہ سے توبہ کرے، ورنہ قتل کی جائے گی"۔ اس حدیث کو بیہقی نے بھی بیان کیا ہے، لیکن اس کی صحت کی نسبت شبہ ہے [۵۱]

احمد توفیق آفندی کا معاملہ

۴۶۔ احمد توفیق آفندی کے معاملے کو، جس کی نسبت مسٹر میکال لکھتے ہین کہ "وہ صرف اس علمی کام کے جرم مین سزائے موت کا مستحق قرار پایا کہ اوس نے ایک معمولی انگریزی دعا کی کتاب کے ترکی ترجمے کو صحیح کیا تھا"[۵۲] مسئلہ ارتداد سے کچھہ تعلق نہین۔ اگر وہ اپنا مذہب بدل لیتا، یا عیسائی ہوجاتا تو کوئی اوس کے فعل مین کچھہ مداخلت نہ کرتا، اوس پر جو الزام لگایا گیا وہ یہ تھا کہ اوس نے مذہب اسلام کی توہین کی، اور اس طرح مسلمانون کی فیلنگ کو صدمہ پہنچایا، اور اس وجہ سے امن عامہ خلائق مین خلل پڑجانے کا قوی اندیشہ تھا ترکی وزیر خارجیہ نے ۵ جنوری ۱۸۸۰ء کو سر ہنری لیارڈ کو صراحتہً اور صاف صاف لکھا کہ اس معاملے کو مذہبی آزادی یا برلن میمورنڈم یا فرمان سے کچھہ تعلق نہین۔ اگر احمد آفندی اپنا مذہب بدل لیتا تو کسی شخص کو اوس سے بدسلوکی کرنے اور اوس کے فعل مین دخل دینے کا حق نہین تھا۔

احمد آفندی نہ تو مرتد تھا، اور نہ اس انحراف کی بدولت اوس کو یہ سخت سزا ملی۔ احمد آفندی پر جو الزام لگایا گیا اوس کی نوعیت ایسی تھی کہ ہر ایک گورنمنٹ اپنے زیر حمایت مذاہب کی

---

۵۱ "نیل الاوطار" از قاضی شوکانی، جلد ۸، صفحہ ۹۸۔

۵۲ "کنٹمپرری ریویو" اگست ۱۸۸۱ء، صفحہ ۲۰۲۔

مراعات مین اوس کو جائز رکھے گی۔

انگریزی قانون متعلق بہ کفر

۷۴۔ مسٹر ابوالڈ، انگریزی قانون متعلق بہ کفر پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہین کہ:۔

" کفر کے معنی مین خدا کی ہستی یا اوس کی قدرت سے انکار کرنا یا مسیح کی شان مین کلمات تحقیر و تذلیل
" کا استعمال کرنا بھی قانوناً جرم مستوجب سزا یا فتنی ہے۔ شاہ ولیم سوم (۱۶۹۸ء تا ۱۷۰۲ء) کے قانون کی
" رو سے تعلیم دون مین خدا، یا مسیح، یا تثلیث مقدس کے نام کو مسخر یا حقارت کے ساتھ لینے
" کی سزا دس پونڈ ہے۔ انجیل مقدس کی شان مین حقارت آمیز الفاظ کا استعمال کرنا بھی کفر ہے، اور
" اس کی سزا جرمانہ، قید، یا جسمانی سزا ہو سکتی ہے۔"[۵۱]

" قانون وصیت، نمبر ۹ اور ۱۰ ضمن دوم سنہ ۱۷ ولیم سوم سے، اگر کوئی شخص جس نے عیسائی
" مذہب مین تعلیم و تربیت پائی ہے یا جس نے خود مذہب عیسوی قبول کیا ہے تحریر سے، طباعت
" سے، تعلیم سے، یا پند و موعظت کے ذریعہ سے، مذہب مسیحی کی صداقت، انجیل مقدس کے الہامی
" ہونے سے انکار کرے، یا یہ ظاہر کرے کہ ایک سے زیادہ خدا ہین تو اوس کے بہت سے سول
" حقوق تلف ہو جائین گے، اور اگر دوبارہ یہی جرم سرزد ہو تو تین سال کے لئے قید کیا
" جائے گا۔"[۵۲]

مسلمانون کا فقہی قانون جرم ارتداد کی سزا معین کرنے مین بہت نرم ہے۔ "تنویر الابصار" کا مصنف لکھتا ہے کہ:۔

" کسی مسلمان کے ارتداد پر اوس وقت تک فتوائے کفر نہین دیا جائے گا جب تک کہ اوس کے
" الفاظ کا کوئی عمدہ محمل پیدا ہو سکتا ہو، یا جب کہ اوس کے کفر مین اختلاف رائے ہو، اگرچہ کہ اس

---

۵۱۔ "آور کانسٹی ٹیوشن: این اپی ٹوم آف آور چیف لاز اینڈ سسٹم" (ہماری گورنمنٹ کے مہتم بالشان قوانین اور طرز سلطنت کا خلاصہ)، مصنفہ چارلس ابوالڈ، لندن سنہ ۱۸۶۰ء، صفحہ ۱۸۔

۵۲۔ کتاب مذکورہ بالا، صفحہ ۱۶۶ تا ۱۶۷۔

"اختلاف کی بنیاد غیر صحیح احادیث ہی پر کیون نہو" [۵۱]

ارتداد و بغاوت فقہ مین ایک سمجھے جاتے ہین

۴۸ - اسلامی فقہ مین ارتداد و بغاوت کے مساوی سمجھا گیا ہے، لہذا یہ مسئلہ پولیٹکل مباحث مین شریک کیا گیا ہے، نہ کہ قانونِ فوجداری مین ارتداد بھی گورنمنٹ کی بغاوت کے ہم پلہ خیال کیا جاتا تھا، اور اکثر اُس کے ساتھ ہتیارون کی جھنکار بھی ہوتی تھی، اور یہی وجہ ہے کہ فقہ نے مرتد عورت کے قتل کا فتوی نہین دیا: کیونکہ وہ بادشاہ کے خلاف ہتیار اوٹھانے اور معرکہ آرا ہونے کی قابلیت نہین رکھتی [۵۲]

گورنمنٹ ٹرکی کی مذہبی آزادی پر سائرس ہملن کی رائے

۴۹ - ٹرکی مین مرتدون کے متعلق فقہ کا طرز عمل بہت کچھ بدل گیا ہے، اور بمقابلہ روس کے مختلف کلیساؤن کے عیسائیون کو بہت زیادہ آزادی دی گئی ہے - ریورنڈ سائرس ہملن اس امر کی شہادت دیتے ہین کہ ٹرکی مین مسیحی مذہب قبول کرنے کی کوئی سزا تجویز نہین کی گئی ہے - ریورنڈ موصوف گزشتہ نصف صدی مین مذہبی آزادی کے متعلق تحریر کرتے ہین کہ:-

" تمام عیسائی دنیا کے رومن کیتھولک اور پراٹسٹنٹ مشن اپنے اپنے مشاغل کے ساتھ
" سلطنت کے ہر حصے مین پھیلے ہوئے ہین، اور گورنمنٹ اون کی حفاظت کرتی ہے - ہر فرقے
" کے عیسائی اور یہودی آپس مین ایک دوسرے کا مذہب قبول کرسکتے ہین، اور اون کی حفاظت
" کی جاتی ہے، اور اس بارے مین بھی کچھ کوشش کی گئی ہے کہ مسلمانون کو بھی عیسائی مذہب
" قبول کرنے مین زیادہ آزادی دی جائے، جیسا کہ ہم گزشتہ باب مین ذکر کرچکے ہین پہلے کی طرح تبدیل
" مذہب پر موت کی سزا نہین دی جاتی، لیکن مذہب بدلنے والون کو عوام الناس سے ہر قسم کی
" ایذا رسانی کا اندیشہ لگا رہتا ہے، اور بعض شہرون مین، مثل قسطنطنیہ اور سمرنا کے، اون کو اس
" کا بھی خوف نہین ہوتا - مسلمانون کو اس وقت تک کسی جگہ مسیحی مذہب قبول کرنے کی آزادی

[۵۱] "درالمختار"، کتاب الجہاد، باب المرتد صفحہ ۴۴۴، مطبوعہ مصر -

[۵۲] "ہدایہ"، جلد دوم، صفحہ ۲۲۸ -

ٹرکی سلاطین نے سزاے ارتداد کو موقوف کردیا۔

" نہین، اورہ اوس وقت تک ہوسکتی ہے جب تک کہ وہ لوگ خود بہت زیادہ روشن خیال نہ ہو جائین "[۵۱]

۵۰۔ مدت ہوئی کہ سلطان نے اوس قانون کو منسوخ کر دیا ہے جو مرتدون کے متعلق تہا جس سے تبعًا یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ قانون احکام قرآنی کے زمرے مین نہ تھا۔ مصنف مذکور لکھتا ہے کہ :۔

" سر اسٹریٹ فرڈ کیننگ نے تمام سفراء دول یورپ کی تائید سے جن مین سفیر روس شریک نہین تہا
" اور جو اپنی خصوصیت کو چہپایا جاتا تہا، نہایت سخت الفاظ مین یہ مطالبہ کیا کہ مرتدین کے متعلق جو
" احکام ہین وہ قطعی منسوخ کر دئے جائین، اور پختہ وعدہ کیا جائے کہ پہر کبھی ایسا واقعہ پیش نہ آئے گا،
" ورنہ انگلینڈ ٹرکی کی یقینی تباہی کے لئے۔ اوس کے دشمنون سے مل جائے گا، نیز اوس نے اس پر
" بھی زور دیا کہ اس ناشائستہ قانون کو قرآن سے کچھ تعلق نہین، بلکہ اس کا ماخذ ایک غیر معتبر حدیث
" ہے۔ وزیر اعظم نے ترکون کی تائید مین بہت کچھ ہاتھ پیر مارے، لیکن بالآخر اس مطالبہ کو
" منظور کرلیا۔

" اس کے بعد سر اسٹریٹ فرڈ نے سلطان سے ملاقات کرنا چاہی، تاکہ وہ خود امیر المؤمنین اور
" خلیفہ پیغمبر کی حیثیت سے اوس کو منظور کرین محکمہ وزارت سے اس کا یہ جواب ملا کہ؛۔
" باب عالی اس کا پورا انتظام کرنے والی ہے کہ آئندہ کوئی عیسائی قتل نہ کیا جائے گا، اگرچہ وہ مرتد
" از اسلام ہو۔

" دوسرے روز سلطان نے دربار عام مین اپنی منظوری کا اظہار کیا، اور کہا کہ میرے ملک مین نہ
" مذہب مسیحی کی توہین کی جائے اور نہ عیسائیون کو اون کے مذہب کی بنا پر کسی قسم کی تکلیف
" پہنچائی جائے۔

" باب عالی کی اس خط و کتابت کی ایک ایک نقل ہر ایک بطریق کے پاس بہیجی گئی، جس کے
" ساتھ سلطان کا وعدہ بھی منسلک تھا، اگرچہ ابھی تک اس کے چہپنے کی نوبت نہین آئی تھی،

[۵۱] "امنگ دی ٹرکس"، مصنفہ سارس ہلن، صفحہ ۳۶۵ یا ۳۶۶، مطبوعہ لندن ۱۸۷۶ع۔

" لیکن اس کا ترجمہ کیا گیا، متعدد نقلیں کی گئیں، اور نہایت کثرت کے ساتھ ملک کے تمام معززین
" میں تقسیم کی گئیں۔
" فوراً تمام عیسائی اور اسلامی دنیا میں اس پر سخت مباحثہ چھڑ گیا کہ آخر اس کا مطلب کیا ہے؟ کیا
" سلطان نے قرآن کے قانون کو بالائے طاق رکھ دیا؟ اس سے صراحتاً یہ ثابت ہو گیا کہ ایک
" تو قانون قرآن میں نہیں ہے، اور دوسرے یہ کہ قرآن قانون نہیں ہے۔ لیکن اس آخری بات
" کا دعویٰ کرنا بالکل فضول ہے۔" ؀۵۱

عیسائی قانون دربارہ مرتدین

**۵۱** مسلمانوں نے ارتداد کی یہ سزا عیسائیوں سے لی، اور عیسائیوں نے اپنے دور میں اوس کو یہودیوں سے اخذ کیا۔ ؀۵۲

اگر کوئی عیسائی اپنا مذہب چھوڑ کر یہودیت، یا بت پرستی، یا اور کوئی مذہب باطلہ اختیار کر لیتا تھا، تو شہنشاہ کانسٹن ٹی اس اور شہنشاہ جولین نے اوس کے لئے یہ سزا قرار دی تھی کہ اوس کا تمام مال و اسباب ضبط کر لیا جائے، شہنشاہ تھیوڈوسی اس اور ویلن ٹی نین نے اس پر یہ اور اضافہ کیا، کہ اگر یہ مرتد دوسرے لوگوں کو بھی اسی جرم (تبدیل مذہب) کی ترغیب و تحریص دلائے، تو اوس کو سزائے موت دی جائے۔ بریکٹن کے زمانے میں، جو تیرھویں صدی کا قانون نویس تھا، انگلینڈ کے مرتد زندہ جلا دئے جاتے تھے۔ ؀۵۳

کپٹن گرے لکھتے ہیں کہ:-

" ڈیڑھ سو سال سے زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ ایک لڑکے نے، جس کا نام تھامس ایکن ہیڈ تھا،

---

؀۵۱ "انگ دی ٹرکس"، صفحہ ۸۱ تا ۸۲۔

؀۵۲ کتاب استثنا، باب ۱۷، درس ۲ تا ۵۔ کتاب قضاۃ تا باب ۲۰، درس ۱ تا ۵۔ اس جرم کی سزا موت بالرجم تھی۔

؀۵۳ "شرح قوانین انگلستان"، مصنفہ بلیک اسٹون، فصل ۴، صفحہ ۴۳، مطبوعہ لندن ۱۸۴۱ء۔

" اپنے دوستوں مین یہ راے ظاہر کی کہ محمد مسیح سے اعلیٰ درجے کے مقنن تھے، اور اونہون نے
" بانسبت مسیح کے ایک زیادہ شائستہ مذہب کی تلقین کی تھی، اس لئے کہ ان کلمات کفر پر اس کو تختہ
" مین، پھانسی دی گئی - اور یہ ابھی حال کی بات ہے کہ قانون انگلستان کے موجب عدالت مین اوس
" شخص کی شہادت، جو مذہب عیسوی کی صداقت یا تثلیث سقدس کی صفات مین شبہ رکھتا ہو،
" ایسی ہی عبث اور غیر معتبر سمجھی جاتی تھی جیسے ٹرکی قانون مین عیسائیون کی شہادت"[۱]

مسیحی قانون مین ملحدون کو قتل کی سزا دی جاتی تھی :-

" چنانچہ شہنشاہ تھیوڈوسیس اور جسٹی نین نے قدیم پیرا ن ڈو نےٹس اور تابعان مانی
" کو موت کی سزا دی تھی، لنڈوڈ نے بھی شہنشاہ فریڈرک کے آئین مین اس کا ذکر کیا ہے کہ وہ تمام اشخاص
" جن پر حاکم کلیسا کی طرف سے الحاد کا جرم قایم کیا جاتا تھا، بلا امتیاز آگ مین جلا دیے جاتے
تھے "[۲]

**۵۲ - ریورنڈ مسٹر میکال خیال کرتے ہین کہ :-**

معاہدون کی کامل پابندی

" اسلامی فقہ کا یہ ایک مسلم اصول ہے، جس کی تصدیق علما کے بیشمار فتوون سے ہوتی
" ہے، کہ جو معاہدہ دشمنان خدا اور رسول (یعنی غیر مسلمون) سے کیا جائے وہ توڑا جا سکتا ہے"[۳]

ریورنڈ موصوف کے اور اقوال کی طرح اون کا یہ جملہ بھی محض بے بنیاد اور غلط ہے - ممکن ہے کہ اس قول کی تصدیق مین بہت سے ایسے خیالی فتوے موجود ہون جن کی شان مین "اصول" کا وقیع اور اہم لفظ استعمال کیا گیا ہے، لیکن قرآن، جو ایک مسلمان کے لئے اصل اصول ہے، کبھی اپنے پیرودن کو یہ حکم نہین دیتا کہ وہ غیرون کے ساتھ ایفاء وعدہ مین غفلت کرین، بلکہ برخلاف اس کے وہ تمام مسلمانون کو یہ تاکید کرتا ہے کہ وہ تمام

---

[۱] کتاب "آرمینین، کرد اینڈ ٹرکس" مصنفہ جیمس کرے، جلد ۱، صفحہ ۱۰۶ -

[۲] بلیک اسٹون کی شرح قوانین انگلستان، فصل چہارم، صفحہ ۴۵ -

[۳] کنٹم پورےری ریویو، اگست، صفحہ ۲۷۲ -

با ضابطہ معاہدے جو وہ مسلم یا غیر مسلم قوموں کے ساتھہ کرین نہایت سختی کے ساتھہ اون کی پاسداری اور پابندی کرین۔

(۳۶) اوفو بالعھد، ان العھد کان مسئولا۔

(بنی اسرائیل ۱۷ - آیت ۳۶)

(۳۶) (اپنا) عہد پورا کرو، بیشک (قیامت کے دن) اقرار کی پرسش ہوگی۔

(۴) الا الذین عاھدتم من المشرکین، ثم لم ینقصوکم شیئا، ولم یظاھروا علیکم احدا، فاتموا الیھم عھدھم الی مدتھم، ان اللہ یحب المتقین۔

(التوبہ ۹ - آیت ۴)

(۴) مگر ان مشرکون مین سے جن سے تم نے عہد کیا تھا، پھر اونھون نے (اپنا عہد پورا کرنے مین) تم سے کوئی کمی نہین کی، اور نہ تمہارے مقابلے مین کسی (تمہارے دشمن کی) مدد کی، تو جو مدت مقرر ہوچکی تھی اوس تک، اون کا عہد پورا کرو، بیشک اللہ پرہیزگار نے والون کو دوست رکھتا ہے۔

گبن نے اپنی تاریخ مین، جہان مسلمانون کے اوس حملہ شام کا ذکر کیا ہے، جو ۶۳۲ء مین خلیفہ اول کے ارشاد سے کیا گیا تھا، وہان اوس نے یہ امر بھی بیان کیا ہے کہ مسلمان جب ایک مرتبہ وعدہ کرلیتے ہین تو اوس پر بڑے شد و مد کے ساتھہ قایم رہتے ہین۔

خلیفہ نے اپنی فوج کی روانگی کے وقت، اوس کی کثرت، اور آیندہ کامیابی کی توقع سے خوش ہوکر، اپنے اہل فوج کو مفصلہ ذیل نصیحت کی:۔

" جب تم خدا کی لڑائیاں لڑو، تو مردانہ وار لڑو، لیکن اپنی فتوحات پر بچون اور عورتون کے خون
" کا دھبہ نہ لگاؤ - کوئی کھجور کا درخت ضائع نہ کرو، نہ اناج کے کھیتون کو جلاؤ - کوئی بارآور درخت
" نہ کاٹو، نہ مویشیون کو ستاؤ، سوائے اون کے جو کھانے کے لئے ذبح کی جائین - اور جب تم کوئی معاہدہ یا شرط
" کرو تو اوس پر قایم رہو، اور اپنے قول اور فعل کو مطابق کرکے دکھلاؤ" [۵۱]

[۵۱] "رومن امپائر" مصنفہ گبن، مرتبہ ڈاکٹر ولیم اسمتھہ، جلد ۴، صفحہ ۳۰۱ تا ۳۰۲ -

خلیفۂ اول کے جانشین حضرت عمرؓ نے، اپنے بستر مرگ پر، تاکید کے ساتھ اس امر کا اظہار کیا کہ میرا جانشین اہل کتاب کے ساتھ اپنے معاہدوں اور ذمہ داریوں کو کامل طور پر ملحوظ رکھے، اور نیز یہ ہدایت کی کہ اون کی حمایت مین اون کی طرف سے لڑے، اور اون پر ناقابل برداشت جزیہ نہ لگائے ۵۱

تیسری اور چوتھی قانونی غیر مساوات: اسلحہ اور جزیہ

۵۳- ریورنڈ موصوف نے قانونی محرومی کی جو تیسری اور چوتھی مثال پیش کی ہے، اور جس مین ایک اسلامی سلطنت کی غیر مسلم رعایا پھنسی رہتی ہے، وہ یہ ہے، اور یہ بار بار بیان کی جا چکی ہے کہ:-

"(۳) اسلامی حکومت مین عیسائی رعایا کو ہتھیار رکھنے کی ممانعت ہے، اس قانون مین کبھی ترمیم و تنسیخ
" نہین ہو سکتی، چنانچہ ۱۸۷۵ء مین علمائے قسطنطنیہ نے اس مسئلے کو ناقابل تنسیخ مسائل مین شمار کیا ہے۔
" (۴) ایک عیسائی کو زندہ رہنے کا حق حاصل کرنے کے لئے سالانہ زرِ فدیہ دینا پڑتا ہے، اور رسید کے
" فارم پر اس امر کی تصدیق کی جاتی ہے کہ اوس کو اور ایک سال کے لئے یہ استحقاق دیا گیا ہے کہ اوس کا
" سر اس کی گردن پر رہ سکے" ۵۲

مین مسلمانون کے الہامی قانون یا احادیث مین کسی جگہ یہ نہین دیکھتا کہ عیسائی رعایا کو قانوناً اسلحہ رکھنے کا حق نہین ہے۔ مجھے تعجب ہے کہ ایک ایسی شرط پر کیون کر "ناقابل ترمیم قانون" کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ یہ فعل مصالح ملکی پر مبنی ہو سکتا ہے کہ رعایا کے بعض فرقے ہتھیار نہ رکھ سکین، خصوصاً مفسد اور سرکش لوگ، یہ محض ایک احتیاطی تدبیر ہے، لیکن اس سے یہ ثابت نہین ہوتا کہ وہ کوئی مذہبی حکم یا ایک ناقابل ترمیم قانون ہے۔

جزیہ، جس کو مسٹر میکال نے سالانہ ضمانۃ الحیاۃ سے تعبیر کیا ہے، اوس کو گردن و سر کے تعلق سے کچھ بحث نہین۔ یہ ایک ٹیکس ہے جو بالغ مردون پر بجائے بچاؤ جان و مال

۵۱ "بخاری" کتاب المناقب، فضل عثمان - کتاب الجنائز اور کتاب الجہاد -

۵۲ کنٹمپرری ریویو، اگست، صفحہ ۲۷۳ -

کی امداد کے لگایا جاتا ہے، کیونکہ گورنمنٹ اپنی غیر مسلم رعایا سے نہ اخراجات جنگ کے واسطے کچھ لیتی ہے، اور نہ اون کو ذاتی طور پر شرکت جنگ کی تکلیف دیتی ہے۔

چنانچہ "ہدایہ" مین بیان کیا گیا ہے کہ:-

" جزیہ لگانے کی وجہ یہ ہے کہ یہ ٹیکس بجائے اوس امداد کے عائد کیا جاتا ہے جو جان و مال کے

" ساتھ کی جاتی ہے"۔ ۵۱

مذہب شافعی مین جزیے کی نسبت یہ کہا گیا ہے کہ:-

" جزیہ یا تو جان کی حفاظت کے بدلے مین واجب الادا ہے، یا اسلامی حدود مین رہنے کے معاوضے

" مین ہے"۔ ۵۲

لیکن یہ کسی مسلمان فقیہ، یا مسلّمۂ فقہ حنفی و شافعی کی راے نہین ہے کہ جزیہ کوئی سالانہ ضمانۃ الحیاۃ ہے، جس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہو کہ اگر کوئی غیر مسلم رعایا اوس کے ادا کرنے سے انکار کرے تو اوس کا سر اوڑا دیا جائے۔ بلکہ برخلاف اِس کے اگر کوئی غیر مسلم رعایا اِس سالانہ ٹیکس کے ادا کرنے سے انکار کرے تو اوس کا معاہدۂ اطاعت فسخ نہین ہو سکتا، جیسا کہ مین اکتالیسوین فقرے کے آخر مین "ہدایہ" سے ثابت کر چکا ہون۔ علاوہ اِس کے، فقہ مین یہان تک نرمی برتی گئی ہے کہ اگر کسی کے ذمے دو سال کا جزیہ باقی ہو تو صرف ایک سال کا وصول کیا جائے۔

"ہدایہ" مین بیان کیا گیا ہے:-

" اگر کسی ذمی پر دو سال کا جزیہ چڑھ جائے، تو یہ دونون سال ملا دیے جائین گے، یعنی صرف ایک

" سال کا جزیہ لیا جائے گا۔ "جامع الصغیر" مین لکھا ہے کہ اگر کسی ذمی سے سال کے گزر جانے تک

" جزیہ وصول نہین کیا گیا، اور دوسرا سال آ پہنچا، تو پچھلے سال کا ٹیکس نہین لیا جائے گا۔ یہ امام ابو حنیفہ

۵۱ "ہدایہ"، جلد ۲، صفحہ ۲۱۲۔

۵۲ "ہدایہ"، جلد ۲، صفحہ ۲۱۵۔

"کی رائے ہے" ۵۱

۵۴ - بہت کم سلطنتیں ایسی نکلیں گی جو گزشتہ سال کے بقایا ٹیکس کے معاف کرنے میں اسلامی سلطنت کی فیاضی کا مقابلہ کر سکیں، تاہم ریورنڈ میکال اسلامی فقہ پر تنگی اور سختی کا الزام لگاتے ہیں، رسید کا وہ فارم جس کا حوالہ ریورنڈ موصوف نے دیا ہے، میں اوس کی نسبت کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ وہ میری نظر سے نہیں گزرا، لیکن فقہ اسلام اس دعوی بے دلیل اور اس مسئلے سے بالکل بری ہے جو وہ اس کے سر تھوپتے ہیں۔

وہ قلیل ٹیکس جو عیسائی رعایا ترکی سلطنت کو دیتی ہے

"باب عالی کی غیر مسلم رعایا جو ٹیکس ادا کرتی ہے، وہ فوجی خدمت سے مستثنی ہونے کے معاوضے
" میں لگایا گیا ہے - گزشتہ سرکاری حسابات کی رو سے اس ٹیکس کی آمدنی پانچ لاکھ اسی ہزار چار سو تیس
" پونڈ ہوتی ہے - . . . . . . . . .
" اس مقصد کے لئے ۱۸۵۵ء میں بعض اضلاع کی مردم شماری کا سرسری اندازہ لگایا گیا، تو یہ قاعدہ مقرر
" کیا گیا کہ نظام، یعنی باقاعدہ فوج، کی سالانہ بھرتی کے لئے ایک سو اسی بالغ مردوں میں سے ایک رنگروٹ
" ہونا چاہئے، باقی ہزار ساڑھے پانچ ا غیر مسلم اپنے حصے کے آدمیوں کے بجائے روپیہ دے، یعنی
" ایک رنگروٹ کے بجائے پانچ ہزار پیاسٹر (اکتالیس پونڈ بارہ شلنگ) اس حساب سے ٹیکس کی سالانہ
" مقدار فی عیسائی - ۲۷ پیاسٹر، یا تقریباً پانچ شلنگ دس پنس سالانہ ہوتی ہے - اور وہ یہی ٹیکس ہے
" جس کی نسبت تمام دنیا میں ایک شور مچا ہوا ہے، اور اون عیسائیوں کے حق میں سخت ظلم سمجھا جاتا
" ہے جو صرف پانچ شلنگ دس پنس سالانہ ادا کرنے پر فوجی خدمت سے مستثنی کر دیے جاتے ہیں -
" حال آنکہ ایک مسلمان کو اسی خدمت سے بچنے کے لئے پینتالیس پونڈ سے لیکر نوے
" تک ادا کرنا پڑتے ہیں" ۵۲

فوجی خدمت سے عیسائیوں کا مستثنی ہونا، اور اوس سے ترکی گورنمنٹ کو نقصانات

۵۵ - ترکی کے عیسائی قطعی طور پر فوجی خدمت سے مستثنی کئے گئے ہیں، اس کی کچھ ہی وجہ کیوں نہ ہو - خواہ سلطان اون سے خائف ہوں، یا اور کوئی دوسرا سبب ہو -

۵۱ "ہدایہ" جلد ۲ صفحہ ۲۱۷ - ترجمہ انگریزی ۵۲ "ٹرکی ان یورپ" مصنفہ فیمس بیکر، صفحہ ۴۴۱ تا ۴۴۲ -

لیکن جب کہ صرف مسلمان ہی اپنے خون سے ٹیکس ادا کرتے ہین، تو پھر عیسائیون کو اپنے اس فوجی خدمت کے استثنا پر کوئی شکوہ وگلا نہ کرنا چاہیئے۔ فوج بھرتی کرنے کے جبریہ قاعدے کا جان ستان اثر جن لوگون پر پڑتا ہے، وہ عیسائی نہین ہین، بلکہ صرف مسلمان ہین، لیکن عیسائی اس پر بھی اس قاعدۂ استثنا کو اپنی عدم مساواۃ مدارج کے ثبوت مین شکایۃً پیش کرتے ہین۔ ترک اپنے قدیم حقوق: "ترس"، "زیامت"، "دبے" اور "التمغہ" سے بالکل محروم کر دئے گئے ہین، اور اون پر ٹیکس وہی عائد کیے گئے ہین۔ جو ترکی کی عیسائی رعایا کو دینا پڑتے ہین، اور مزید برآن فوجی خدمت انجام دینے پر الگ مجبور کئے جاتے ہین۔

ہر ایک جوان ترک پر "آرمی" (محکمہ بری) مین پانچ سال تک اور "نیوی" (محکمہ بحری) مین سات برس تک فوجی خدمت کا انجام دینا لازمی ہے، اور اس انقضاے میعاد کے بعد وہ اور سات سال تک "ریزرو" (رویف) مین رکھا جاتا ہے۔ اوس کو تقریباً ہمیشہ مسلح رہنا پڑتا ہے، اور اوس کی اس عملی خدمت کا زمانہ کم سے کم بھی دس سال سے کم نہین ہوتا۔ اگر کوئی اس خدمت سے مستثنیٰ ہونا چاہے تو دس ہزار پیاسٹر ادا کرے، جو کم وبیش بچانوے پونڈ ہوتے ہین، حالآنکہ ایک عیسائی رعایا کو اس خدمت سے بچنے کے لئے اپنی جوان سالی کے ہر ایک سال کے معاوضے مین اوسطاً سالانہ پچیس پیاسٹر، یا چار شلنگ چھ پنس ادا کرنا پڑتے ہین، اور اگر کوئی ترک "رویف" مین خدمت انجام دینے سے بچنا چاہے تو اوس کو (رقم مذکورہ کے علاوہ) ڈیڑھ سو پونڈ اور زیادہ دینا پڑتے ہین۔

مسٹر بن کلیر اور مسٹر بروفی لکھتے ہین کہ:۔

" رومیلیا مین ایک شخص محمد آغا ساکن اوجاک کے قبضے مین اس قدر زمین ہے جس مین بونے کے
" لئے تین سو کیل غلے کی ضرورت پڑتی ہے، اس کے پاس دو جوڑیان بھینسون کی بھی ہین۔ اوسکو علاوہ
" عشر اور ٹیکسون کے تین سو ترکی پیاسٹر "املاکیہ" (پراپرٹی ٹیکس) کے ادا کرنا پڑتے ہین۔
" ایک دوسرا شخص، غیر مسلم، اناستازہ، ایکدیر کے قریب وجوار کا رہنے والا جو چند کھیتون کا مالک ہے

اور جن مین کے بونے کے لئے پانچ سو کیس غلے کی ضرورت پڑتی ہے، اور جو آٹھ جوڑیاں بھینسوں کی
رکھتا ہے، اوس کو بھی سالانہ تین سو پیاسٹر ادا کرنا پڑتے ہین-

اس طرح پر اس عیسائی کی ابتدا بھی بہت سے فوائد کے ساتھ ہوئی - لیکن محمد آغا کے چھ بیٹے ہین،
جن مین سے پانچ فوجی خدمت انجام دے رہے ہین، اور سب سے بڑا بیٹا دس ہزار پیاسٹر ادا کر کے
مستثنیٰ ہوا ہے، اب وہ مجبور ہے کہ بجائے بیٹوں کے مزدورون سے اجرت پر کام لے جن کو تین ہزار
پیاسٹر (بالفرض اٹھائیس پونڈ) سالانہ دینا پڑتے ہین۔ اس کے مقابلے مین اناستاز کے چارون
بیٹے کام کرتے ہین، اناکیر کے بیشمار قہوہ خانون مین سے کسی جگہ شراب پیتے پڑے رہتے ہین، اور
ہر ایک کاروبار کی آزادی کے لئے صرف پچیس پیاسٹر سالانہ ادا کر دیتے ہین-

اگر ہم اس مسئلہ استثناے خدمتِ غیر مسلم کو حسابی اصول سے جانچ پڑتال کرین تو تناسب باہمی
حیرت انگیز ہوگا-

اگر اس موقع پر بیس برس کی عمر کے بعد اور بیس سال اوسطِ زندگی فرض کرین، اور زندگی کا یہی بیس
برس کا حصہ یعنی بیس سے چالیس تک، ایک تاب و توان اور قوت و تحمل کا زمانہ ہوتا ہے، جس مین
انسان ہر طرح کی متواتر اور پائیدار مشقت و محنت برداشت کر سکتا ہے، تو معلوم ہو جاتا ہے کہ ایک ترک
کو مجبوراً بیس سال کی عمر سے فوج مین کام کرنا پڑتا ہے، اور ایک غیر مسلم رعایا کہ بیس برس کی عمر سے دہ پیاسٹر
"بدلِ عسکری" ادا کرنا شروع کرتا ہے - اس طرح مسلمان اپنی جوانی کے دس سال، یا یہ کہ اپنی نہایت
مفید زندگی کا نصف حصہ اپنے ملک کی نذر کرتا ہے، درآن حالیکہ ایک غیر مسلم نہایت چھوٹی چھوٹی
قسطون مین پانچ سو پیاسٹر ادا کر کے ان بیس سال کے لئے آزادی حاصل کر لیتا ہے-

اس مسئلے پر نظر ڈالنے کا ایک اور طریق یہ ہے، چونکہ مسلمان کی جوانی کا نصف زمانہ گورنمنٹ
لے لیتی ہے، اس لئے ایک سال مین سے خود اوس کے قبضۂ قدرت مین صرف ایک سو بیاسی دن
(نصف سال) رہ جاتے ہین، درآن حالیکہ بلگیرین صرف چار شلنگ چھ پنیس ادا کر کے سال کے
پورے تین سو پینسٹھ دن کا مالک ہے- لہٰذا اسی اصول تناسب سے، ایک عیسائی کی پیداوار

” سی ایک ترک سے زیادہ ہونا چاہئے۔ لیکن صورت واقعہ اس کے خلاف ہے، اگر دونون کے
” پیداوار غلہ وغیرہ مین کچھ فرق نظر آتا ہے تو اضافے کا پہلو مسلمان کی جانب ہے۔ اس عجیب و غریب
” نتیجے کی وجہ ایک تو بلگیریون کی جبلی سستی و کاہلی ہے، اور دوسری وجہ مذہبی تہوارون کی یونانی
” فہرست کی تمام مستتر ہے، کیونکہ بلگیرین اوس نصف سال سے، جو اون کو گورنمنٹ عثمانیہ کی بدولت
” مل جاتا ہے، یہ فائدہ اوٹھاتے ہین کہ وہ ان ایک سو تراسی دنون کو گریک چرچ کے تہوارون مین ضائع
” کردیتے ہین۔ گویا ایک ترک جس زمانے مین کوچ کرتا اور لڑتا ہے، تو اوس وقت ایک غیر مسلم
” ناچتا اور شراب پیتا ہے، اور کم و بیش خود اوس کی فوجی خدمت کا استثنا اوس کو بے انتہا مفت خوری
” اور مطلق العنان مے نوشی پر ترغیب و تحریص دلاتا ہے۔
” اس مسئلے کا ایک اور پہلو بھی ہے جس کا اثر زیادہ تر یورپ پر پڑتا ہے، اور وہ ٹرکی کی مالی
” حالت ہے۔
” سلطان کی مسلمان رعایا، اپنی خیالی آمدنی پر، بطور ذاتی ٹیکس کے، تیس پیاسٹر اوسطاً کے
” حساب سے، خراج ادا کرتی ہے، اور علاوہ اس کے وہ اپنی محنت کے ایک سو بیاسی دن بھی گورنمنٹ
” کے نذر کرتی ہے جس کی قیمت خود گورنمنٹ نے پانسو پیاسٹر قرار دی ہے، اس تمام رقم کا مجموعہ پانسو تیس
” پیاسٹر ہوتا ہے، ہم نے اس مین اون ٹیکسون کو شمار نہین کیا جو پیداوار اور مال منقولہ پر عائد کئے
” جاتے ہین۔
” غیر مسلم رعایا ایک تو وہی تیس پیاسٹر ادا کرتی ہے، اور فوجی خدمت سے مستثنیٰ ہونے کے لئے
” پچیس پیاسٹر اور، یعنی کل پچپن پیاسٹر۔ اس طرح پر گویا ایک مسلمان اپنا ذاتی ٹیکس ۵۳۰ اور ۵۵
” کے تناسب سے ۱۰ ادا کرتا ہے، یعنی تقریباً غیر مسلم سے دس گنا زیادہ، جس کی نسبت انصافاً یہ کہا جا سکتا
” ہے کہ ایک غیر مسلم اس حساب سے ہر سال چار سو پچہتر پیاسٹر کا شاہی خزانے کا مقروض ہے، اور یہ
” ایک ایسا اضافہ ہے کہ ٹرکی خزانے کے حق مین نہایت مفید ہو۔ اب اگر غیر مسلم نوجوان ایک کرور
” بیس لاکھ کی کل آبادی کا پانچوان حصہ فرض کیے جائین، تو اس حساب سے یہ ایک ارباب اٹھارہ

" کروڑ پچیس ہزار پیاسٹر کی عظیم الشان رقم ہو جاتی ہے، جو تقریباً دس ملین اسٹرلنگ پونڈ ہوتے ہیں۔ ہمارے
" نزدیک اس رقم کا وصول کرنا عین انصاف ہوگا۔ کیونکہ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ جب کہ سلطنت
" عثمانیہ اپنی مسلمان رعایا پر اس قدر ٹیکس لگاتی ہے تو وہ عیسائیوں سے اسی قدر رقم لینے کا حق
" رکھتی ہے۔"

" جب، زمانہ بایزید میں، ترکوں کے ساتھ پوری رعایتیں کی جاتی تھیں، اور غیر مسلموں کو کوئی مالی اور
" ملکی حقوق حاصل نہ تھے تو اس وقت یہ جبریہ خدمت بیشک تکلیف دہ ہوتی۔ لیکن اب جبکہ ترک اور غیر
" مسلم رعایا ہر لحاظ سے سوائے فوجی خدمت کے ایک حالت میں رکھے گئے ہیں (حالانکہ اسی استثنا
" عثمانی نسل کے نیست و نابود ہو جانے کا خوف دلا رہا ہے) اور جبکہ غیر مسلم اعلیٰ سے اعلیٰ رتبے اور کثیر المنفعت
" عہدے حاصل کر سکتے ہیں اور جبکہ تمام سرکاری مدارس اور کالج ان کے لئے کھلے ہوئے ہیں، تو
" ایسی صورت میں کسی قسم کا کوئی ممکن یا معقول عذر پیش نہیں کیا جا سکتا کہ غیر مسلم تو محنت کے ٹیکس
" سے مستثنیٰ کر دئے جائیں اور ان جائے کہ مسلمان اپنے خون کا ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ ہم سے ایک
" بڈھے ترک نے کیا اچھی بات کہی کہ جب کفار پاشا بنائے جاتے ہیں تو سپاہی کیوں نہیں بنائے
" جاتے۔ اس میں شک نہیں کہ ہماری گورنمنٹ پاگل اور بزدل ہے۔"[۵۱]

**غیر مسلموں کی فوجی خدمت**

۵۶ - اغلباً یہودی یونانی ارمنی اور ترکی کی دوسری غیر مسلم قومیں جنگ[۵۲] جو نہیں بلکہ فوجی خدمات سے بچنے سے بہت خوش ہیں اور پوری رضامندی کے ساتھ مستثنیٰ ہونے کے واسطے تیار ہیں مگر مختلف احکام کی رو سے وہ ہر طرح مسلمان رعایا کے برابر رکھے گئے ہیں، باہمی تنفر

---

۵۱ - دی ایسٹرن کوائسچن ان بلگریا سینٹ کلیر و بیرونی صفحہ ۱۳۱ تا ۱۴۴۔

۵۲ - تھوڑا عرصہ ہوا مختلف غیر مسلم اقوام کے لوگوں کی ایک مجلس اس مسئلہ پر بحث کرنے کی غرض سے منعقد ہوئی اور بعد ازاں ان کے وکلا نے وزیر اعظم سے ملاقات کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یونانیوں اور ارمنیوں نے جو تجارتی اقوام کے وکیل تھے ان شرائط کو منظور کر لیا جو فرمان میں تھیں اور ٹیکس کو ترجیح دی لیکن اہل بلگیریا جو تیس لاکھ مزارعین کے وکیل تھے وہ فوجی خدمت سر انجام دینے کیلئے مستعد تھے اور یہی ترجیح دیتے تھے (ٹو بیرس آفندی السیٹرن کو

کی وجہ سے مسلم اور غیر مسلم دونون ایک ہی فوج یا رسالہ مین مل کر نہین رہ سکتے یا اگر اون کی پلٹنین اور رسالے الگ الگ بنائے جائین تو جب کبھی وہ ایک جا ہون گے ضرور آپس مین کھٹ پھٹ اور جھگڑے فساد پیدا کرین گے گورنمنٹ کا یہ فرض ہے کہ وہ باہمی مصالحت کی تدبیر عمل مین لائے اور اس روکاوٹ کو بیچ سے نکال ڈالے جسکی وجہ سے آدہی رعایا ایک طرف ہے اور دوسری آدہی ایک طرف لیکن ان مختلف قومون مین باہمی عداوت اس قدر سخت اور گہری نہین ہے جیسی اکثر بیان کی جاتی ہے کہ اعتبار یا نفرت کبھی اس امر کا باعث نہین ہوئی کہ مسلمان عیسائی رعایا کو فوج مین بہرتی نہ کرین جان نثاری جن پر پہلے عثمانی قوت کا دارہ مدار رہتا ان مین ایک بڑی تعداد عیسائی رعایا کی تہی وہ اپنے باپ دادا کے مذہب کی پابندی سے خدمت کے ناقابل نہین سمجھے جاتے تھے۔

"" جان نثاری عیسائیون کے مفاد کے بڑے جوشیلے حامی تھے اور اگر گورنمنٹ مسلمانون کے
"" حق مین غیر منصفانہ رعایت کرتی تہی تو اوسکی مخالفت کرتے تھے،، ۵۱

جزیہ کا مسئلہ اوسکی تاریخ اصل اور لغو بیانات

۵۷- ریورینڈ میکال کانسل ہومسنر کی تحریر سے اقتباس کرتے ہین جنکی نسبت (بقول پادری صاحب) اسلامی سلطنت سے نفرت کا شبہ تک نہین ہوسکتا - وہ اپنی رپورٹ مورخہ ۲۴ فروری ۱۸۷۳ء مین تحریر کرتے ہین "کہ

" ترکی مین غیر ممالک کے باشندون کی کیا حالت ہو اگر دول یورپ اپنے جورس ڈکشن (حدود
"" ارضی) سے ہاتہ اٹھالین، مجھے یقین ہے کہ اونکی حالت خصوصاً صوبہ جات مین ناقابل برداشت
"" ہو جائے اور وہ وہان کا رہنا بالکل ترک کردین اور ایک آدمی تک نہ رہے اور یورپ مین ترکی کے خلاف اس
"" قدر تہلکہ پڑ جائے کہ آخر کار وہ تباہ ہو کر رہے،، ۵۲

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۵- اسپجن مصنفہ اے گیلنگا جلد اول صفحہ ۱۹۴ مطبوعہ لندن ۱۸۷۷ء)

۵۱ ٹوپرز آف دی ایسٹرن کواسچن مصنفہ اے گے لنگا جلد اول صفحہ ۱۹۲- مطبوعہ لندن ۱۸۷۷ء

۵۲ کنٹمپوری ریویو ماہ اگست ۱۸۸۱ء صفحہ ۲۷۴-

مین اس کے جواب مین صرف - الیس - جی - پی - سن کلیر اور چارلس اے بروفی کی کتاب " ٹوئوریس اسٹڈی آف دی ایسٹرن کوایسچن (بارہ سال کا مطالعہ شرقی مسئلہ کے متعلق) سے کچھ اقتباس کرکے یہان لکھتا ہون -

" ترکی مین کسی غیر ملکی سے پوچھو کہ وہ کانسلون کے اختیارات اور عدالتون کی نسبت کیا خیال
" رکھتا ہے وہ اس مضمون پر ایک لمبا چوڑا لکچر دے گا کہ ترکون مین عدل و انصاف نام کو نہین اور اون کی
" بدنظمی بے حد و پایان ہے اور یہ کہ اگر اون کی عدالتین اور شادی بیاہ مین یا کونسلون کے اختیارات مین
" مداخلت کی جائے تو کسی غیر ملک کے باشندہ کا وہان ٹہرنا محال ہے بے پردہ یہ بیان کرے گا کہ وہ مین توفی الفور
" ترکی کو ترک کر دون جبکہ مجھے یہ معلوم ہو کہ ان کفار (ترکون) کو مجھ پر اختیار مل گیا ہے اور کبھی واپس آؤن گا
" جو در حقیقت سلطنت عثمانیہ کے لئے نقصان عظیم کا باعث ہوگا"

" ان عدالتون کے متعلق جو ایک جنون سا پیدا ہو گیا ہے وہ درحقیقت اون غیر مسلم آبادیون
" کا ضعف ہے جو ترکی مین قایم ہین، اور یورپین فی الحقیقت اپنے تئین ترکون سے ہر بات مین اس قدر
" اعلی سمجھتے ہین کہ کسی اسلامی عدالت[۵۱] مین اپنے مقدمہ کی تصفیہ ہونے کو اپنے لئے سخت ذلت
" خیال کرتے ہین"

" علاوہ اسکے ان اختیارات اور عدالتون کا موقوف ہوجانا کونسلون کو بھی شاق گذرے گا - کیونکہ
" اس مین اون کی شان گھٹتی ہے اور وقار کم ہوجاتا ہے - دوسری اوسکے طفیل سے جو فیسین اور اوپر
" کی آمدنی ہوجاتی ہے وہ سب ندارد ہوجائے گی اور یہ انہین گوارا نہین[۵۲]

" اگر ہم اس غیر ملکی جورس ڈکشن (حدود عدالتی) کو اس روشنی مین نہ دیکھین جو کونسل خانہ کی کھڑکیون
" کے دھندلے شیشون مین سے چھن کر آتی ہے بلکہ دوسری روشنی مین اوس پر نظر ڈالین اور قومی تعصب

۵۱ - دیکھو مسٹر پرس بگیتی کا خط موسومہ مارننگ پوسٹ ۱۰ اکتوبر جس مین اوس کا حال بخوبی بیان کیا ہے -

۵۲ - انگریزی کونسل ہر الزام سے مستثنیٰ ہے - کیونکہ اکثر حالات مین اون کی فیسین کم کر دی گئی ہین -

" سے قطع نظر کرکے ذرا عقل و شعور سے کام لین تو معلوم ہوگا کہ اس کا اثر ترکی اور دوسرے دول کے تعلقات
" پر نہایت مضر اور خراب پڑتا ہے - نیز ان غیر ملک کے باشندون پر بھی اس کا اثر بہت بُرا ہے -

" ان جورس ڈکشن (حدود عدالتی) کی ابتدا کسی قدر قدیم ہے - جب محمد ثانی نے قسطنطنیہ
" کو فتح کیا تو اس نے اون یونانیون اور اہل جنوا کو جو وہان آباد تھے اس غرض سے " امن " (حدود عدالتی)
" عطا فرمایا کہ غیر ممالک کے سوداگرون کو وہان آباد ہونے اور قیام کرنے کی ترغیب پیدا ہو - سلیمان اول نے
" اپنے دوست فرنیکو اسی اول کے رعایا کو یہ حدود عدالتی عنایت فرمائے اور اس کے بعد دیگر سلاطین کے
" عہد مین دوسرے بڑے بڑے دول نے اسی قسم کے خود مختار عدالتی حقوق اپنی رعایا مقیم ترکی کے
" لئے حاصل کئے -

" اس زمانے مین ان اختیارات اور حقوق کا حاصل کرنا معقول بھی تھا کیونکہ اس وقت
" جو قانون ترکی مین جاری تھا وہ صرف قرآن اور اوسکے متعلقات سے ماخوذ تھا - اس وجہ سے
" عیسائی رعایا کو اپنے جھگڑے مٹانے اور آپس ہی مین تصفیہ کر لینے کی اجازت دی گئی تھی - لیکن
" اب ہمارے زمانہ مین صرف پیغمبر خدا ہی کا قانون جاری نہین ہے بلکہ ایک کامل ضابطہ قانون کا تیار
" کیا گیا ہے گو ہم اس امر کو تسلیم کرتے ہین کہ اس مین ابھی نقص موجود ہین اور وہ عملدرآمد نہین ہے جو ہم چاہتے ہین
" لیکن وہ عدل و انصاف جو کونسل کے عدالتون مین ہوتا ہے وہ اپنے عمل مین ترکی کی خراب سے خراب
" عدالت کے فیصلون سے بھی ناقص اور ضعیف ہوتا ہے -

" ایک سوال اس کے متعلق اور پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ آیا ان تمام قومون مین بھی جنہین یہ حدود
" عدالتی عطا کئے گئے ہین - عمدہ قوانین اور انصاف کرنے کے مناسب اور عمدہ طریقے موجود ہین یا نہین
" اگر یہ حدود عدالتی محض ترکی کی ہتک کے لئے ہون جیسے وہ فی الحقیقت مگر نہایت غلطی سے ایک ایسا
" وحشی ملک سمجھتے ہین جس مین انصاف کا نام نہین یا اگر وہ حقوق اُن ہی دول کو دئے جاتے جن کے
" یہان کے قانون انصاف اور اعلیٰ اخلاق پر مبنی ہین تو اسی قدر عیب کی بات نہ تھی -
" مغربی یورپ کے ساتھ ایسی رعایتین کی جائین تو خیر ایک بات بھی ہے لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہین

" کہ جدید یونان کو بھی اون ہی توانین کی رو سے اپنی رعایا کا انصاف کرنے کا حق حاصل ہے جو
" ایتھنز (مدینۃ الحکماء) مین جاری ہین تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حدود عدالتی بے ایمانی اور عدم
" انصاف وعدالت کے لئے ایک انعام ہے" سلہ

بحث کی غرض سے " فرض کرو کہ سلطان المعظم شہنشاہ ٹمبکٹو یا شاہ ڈھومی کو عدالتی حدود عطا
" فرمائین اور ان مردم خوار فرمانرواؤن کو ترکی مین اپنے قانون کے جاری کرنے کا حق حاصل ہو جائے
" تو خیال کیجئے کہ ملک کی کیا حالت ہوگی - اگر ان فرمانرواؤن کی کوئی رعایا کسی انسان کو چٹ کر بیٹھے
" اگر سمبو یا چمبو عیسائی پادری یا موٹے تازے قاضی کا تورمہ بنا کر کہا جاوے تو سلطنت ترکی اون کے
" مقابلہ مین ایسی بے بس ہوگی جیسے یونانی یا روسی رعایا کے مقابلے مین اور اگر یہ ہی حضرات اپنی
" زبان کے چٹخارے کے لئے انگریزی یا فرانسیسی مشنری کے کباب بنا کر نوش فرماوین تو ان دو نون
" سلطنتون کے کونسل زیادہ سے زیادہ جو کر سکتے ہین وہ یہ ہے کہ سمبو یا چمبو کے خلاف مردم خواری
" کے کونسل خانون مین مقدمہ چلائین اور چونکہ ٹمبکٹو اور گیبون کے توانین مردم خواری کی اجازت
" دیتے ہین جدید یونان یا روس سلطان المعظم کے خلاف بغاوت کو جائز رکھتے ہین - لہ اسمبو یا چمبو کو
" (باوجودیکہ کانون کے کونسل خانون مین تاویل قانون مین زیادہ پابندی کی جاوے گی - بہ نسبت گورنٹ
" کے کونسل خانون کے) قتل انسان کے لئے اس سے زیادہ سزا نہین دی جاوے گی جتنی ارسٹی ڈلین
" کو دھوکے سے چھینے ہوئے صندوق کے واپس دلانے پر یا مسٹر ٹرم کو صاحبان کے برابر زر کا روپیہ
" ادا کراتے مین -
" سمبو اور چمبو تو فرضی نام ہین لیکن ارسٹی ڈلین اور مسٹر ٹرام اور بلیس نیس اور وہ طریقہ انصاف
" کا جو ہم نے بیان کیا ہے وہ سب واقعی باتین ہین -
" جو حدود عدالتی یونان کو عطا کئے گئے ہین اوس کی وجہ سے ترکی کا صرف یہی نقصان نہین ہے

---

سلہ ہمارے اس قول کو اور بھی تقویت ہوتی ہے جب ہم دیکھتے ہین کہ اب روس کو بھی یہی حقوق حاصل ہو گئے ہین جبکے کونسل خانہ بغاوت وسازش کے مرکز بلکہ فی الواقع بغاوت کی کمیٹیان ہین -

" کہ یونانی سوداگر تجارتی اشیاء بیرونی پر دو سو فی صدی نفع حاصل کرتے ہین، اوس سے زیادہ
" ملک کے ٹکسون سے بلکہ مشرقی تجارت کا ٹھیکہ ہی اونہین کے ہاتھ مین آگیا ہے جو اوسی اصول پر
" مبنی ہے جس پر یونانی عدالتون کا طرز انصاف اور طریقہ کارروائی ہے اور یہ ناممکن ہے کہ دوسری
" قومین اپنے ضابطہ و قانون کو اون خاطر بدل دین تاکہ ٹھیرے ٹھیرے بدلائی ہو۔

" یونانی ضابطہ قوانین دیکھنے مین ترکی ضابطہ کے مقابل مین بیس گنے قابل قدر ہے۔ لیکن
" اس مین جو لچک اور تعبیر کی گنجایش ہے وہ قابل لحاظ ہے ایک یونانی تمہین دہوکا دیتا ہے تم اوس کے
" کونسل خانہ مین نالش کرتے ہو وہان تمہاری کوئی شنوائی نہین ہوتی اور کہا جاتا ہے کہ ایتھنز جاؤ۔
" اور وہان مقدمہ بہت ہی وسیع اور آسان اصول پر تصفیہ پاتا ہے۔ یعنی یہ کہ یونانی غیر ملکی کے
" مقابلہ مین کبھی خطاوار نہین ہو سکتا۔ اور تم مقدمہ ہار جاتے ہو۔ تم اوس کا مرافعہ (اپیل) کرتے ہو مگر فیصلہ
" عدالت ماتحت بحال رہتا ہے۔ اگر تمہارے وزیر نے عدالت العالیہ پر زور دیا یا دہمکی دی تو مقدمہ ملتوی کر دیا
" جاتا ہے اور اس التوا کی کوئی انتہا نہین شاید قیامت تک ہوتا رہے۔ غرض یہ کہ کوئی ایماندار وکیل
" یہ مشورہ نہین دیگا کہ کسی شخص کے خلاف جو اپنے تئین یونانی کہتا ہے یا یونانی پناہ مین ہے تم دہوکا
" دہی یا قتل عمد کی نالش کرو۔

" یون دیکھا جائے تو ان مشکلات سے بچنے کے لیے یہ طریقہ آسان معلوم ہوتا ہے کہ تم معاملہ صرف
" ترکی رعایا یا اپنے ہم جنسون سے رکھو لیکن اول تو یہ ناممکن ہے کہ ایک ہرجائی یونانی تاجر سے آدمی بچا رہے
" اور معاملہ کی نوبت نہ آوے دوسری ایک اور بات ہے جو مسٹر ایم کے ذکر مین جس کا حال اوپر بیان
" ہو چکا ہے صاف طور سے نظر آتی ہے یعنی روسی فرانسیسی اور آسٹرین نہایت آسانی کے ساتھ
" مسٹر ایم سے اپنا پاس پورٹ (پروانہ راہداری) بدل کر یونانی ہو سکتا ہے۔ رعایا کی اپنی ریاست سے
" وہ بھی مثل غیر ملکیون کے آسانی کے ساتھ اپنی قومیت اسی طرح بدل لیتے ہین جیسے کوئی کسی سے
" کرتہ یا جامہ بدل لے۔

" جب ایک انگریز فرانسیسی ایک یونانی کے خلاف انصاف پانے کی کوشش کے چھوڑ دینے پر

" مجبور کر دیا جاتا ہے تو پھر آپ خیال کر سکتے ہین کہ بیچارے ترکی عایا کو یونانی عدالت مین انصاف
" کی کیا توقع ہوسکتی ہے - طاعون کے متعلق سخت قرنطینہ ہے اور سلطنت ترکی مجبور ہے کہ وہ قواعد
" حفظان صحت کی پابندی کرے - لیکن روس اور یونان سے جو آئے دن اخلاقی طاعون اُسکے
" ساحلون پر نمودار ہوتا رہتا ہے اِسکے متعلق سخت قواعد سے قرنطینہ وہ قایم نہین کرسکتے - بلکہ اوسے
ایسا کرنے سے روکا جاتا ہے -

" جب تک معاہدون کی روسے ایک ایسے مقدمہ مین جسکا مدعی اوس قوم سے ہے جو حفظ اُصولِ دنیا
" سے بری ہے انصاف کا خون کیا جائےگا - جائز تجارت کا قایم ہونا غیر ممکن ہے - انصاف کا ہونا وہان
" یون بھی ناممکن ہے اسلئے کہ جھوٹا گواہ نہایت آسانی سے حاصل ہوسکتا ہے - اور عدالت بھی بہت
" آسانی سے اسے تسلیم کرلیتی ہے -

" اگر یہ فرض بھی کرلیا جائے کہ ان تمام اقوام کے قوانین جنہین آزادانہ عدالتی اختیار حاصل ہین
" انصاف پر مبنی ہین اور اون کے جج بھی بہت منصف مزاج اور ایماندار ہین تو بھی جب تک آدمی بارہ
" مختلف اقوام کے قوانین کو مطالعہ نکرے اوس وقت تک اس کے لئے انصاف یا کاروبار چلانے کی توقع
" ناممکن ہے - ہم میسرز فینیٹی سا وکیل کہان سے لائین جسے تمام اقوام کے قوانین ازبر تھے اور روسی قانون
" کی سو جلدون سے لیکر سین مارٹی نونک کے قوانین حفظ تھے - صرف یہی ایک قوی دلیل معاہدون کے
" خلاف کافی ہے - لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہین کہ انہین کی توجہ سے مشرقی تجارت کی بنیاد دغا و فریب پر قایم
" ہے - اور یہ بے ایمانی کا ضابطہ قانون ہین - اور یہ علی الاعلان باٹون اور پیمانون مین دھوکا دہی کو جائز
" رکھتے ہین اور ان معاہدون کے حقوق ایک ایسی چھوٹی قوم کو دے دینے سے جسکی ساری قوت
" عدم ایمان مین ہے - ترکی کی تجارت بالکلیہ یونانیون کے ہاتھ مین آگئی ہے - اور اسی قوت کی رو سے
" اوس نے ترکی کو بغاوت کا گھر بنا دیا ہے تو اس امر پر تعجب نکرنا کہ اُن کا وجود جائز رکھا گیا ہے ناممکن ہے
" بڑی بڑی دول کی عدالت ہاے کونسل کی کارروائی بھی بے توجہی کی ہوتی ہے اور بعض اوقات خلاف
" انصاف - اور یہ شکایت بجا ہے کہ ایک غیر ملک کے باشندے کو ترک کے خلاف انصاف پانے کا پورا

یقین ہوتا ہے لیکن جب ایک ترک کسی غیر ملکی کے مقابلہ مین عدالت کونسل خانہ مین جاتا ہے تو وہ ہمیشہ غلطی پر سمجھا جاتا ہے۔

منجملہ بہت سے طریقون کے جنکی وجہ سے معاہدے مانع انصاف ہوتے ہین۔ ایک طریقہ ذیل مین بیان کیا جاتا ہے۔ تین سال ہوئے کہ پاشائے ورنا نے چاہا کہ شہر کے باٹون اور پیمانون کی تنقیح کرے چونکہ اکثر تجار غیر ممالک کی رعایا یا اون کے آوردے ہین لھذا اس نے کونسل خانون سے اس کی اجازت طلب کی سوائے ایک (انگریزی کونسل) کے سب نے تجارتی آزادی مین مداخلت کرنے کی اجازت دینے سے انکار کیا۔ اور بیچارے پاشا کو ناچار اپنی تجویز سے ہاتھ اوٹھانا پڑا اور صرف ترکون کو مجبور کرنا کہ تم صحیح باٹون کو استعمال کرو اور غیر ممالک کے تاجرون کو دغابازی کی اجازت دینا یا اس سے چشم پوشی کرنا گویا ترکون کو تباہ کرنا اور غیر ملکیون کو مالامال کرنا تھا۔

اس معاملہ کے لحاظ سے بھی معاہدے ایسے ہی مضر ہین جیسے وہ بے ایمانی اور دغابازی کے محرک مین۔ ہم نے ایک کونسل کو دیکھا ہے کہ وہ پولیس کو پیٹ دیتا ہے اور عہدہ دارون سے معافی طلب کرتا ہے۔ معاہدے کی رو سے اوسے ایک ایسی حیثیت حاصل ہو گئی ہے کہ وہ ملک کے قانون کے خلاف ورزی بلا خوف پاداش کر سکتا ہے ہم ایک مثال بیان کرتے ہین۔

ایک شخص مسٹر بی سلطان کی کاسک (عیسائی) رجمنٹ مین داخل ہوا۔ لیکن جب اوس نے دیکھا کہ فوجی زندگی کچھ اچھی زندگی نہین تو وہ یونان کو فرار ہو گیا۔ وہان اوس نے ایک قلیل سرمایہ والی بڑھیا سے شادی کر لی لیکن اتفاق سے یہ شادی بھی فوجی زندگی کی طرح اوسکو راس نہ آئی۔ اور یہ وہان سے بھاگ کر ترکی مین واپس آ گیا۔ یہ ملک غیر ملکی قوانین وغیرہ کی وجہ سے خوشامد اور غلامی کا گھر ہو گیا ہے یہان بظاہر بلا کسی وجہ معاش کے رہنے لگا آخرکار ایک روز اوس کی اپنے کسی فوجی ساتھی سے ملاقات ہو گئی اور وہ گرفتار ہو گیا۔ چونکہ اوس نے اپنے تئین یونان کا باشندہ ثابت کر دیا لہذا اوس سے خاص رعایت کی گئی۔ لیکن آخر وہ یہان سے بھی بھاگ نکلا۔ اور یونانی کونسل خانہ نے اوسے پناہ دی۔ اور آخر ایک جہاز مین بٹھا کر اوسے یونان بھیجدیا۔

” اگر ان معاہدون سے صرف یہی خرابی ہوتی کہ وہ سپاہیون کو فرار دیا کرتے تو ترکی کو چندان
” شکایت کا موقع نہ تھا - کیونکہ عیسائی سپاہی تعداد مین بہت ہی کم ہین - اور ان کے چلے جانے سے
” کچھ زیادہ نقصان بھی نہین لیکن بڑی خرابی یہ ہے کہ وہ پولیٹکل بے ضابطگی اور بد اطمینانی پھیلاتے
” ہین - جس کا الزام یورپ ہمیشہ سلطنت عثمانیہ کو دیتا رہتا ہے - اور اس وجہ سے بغاوت و سرکشی
” پیدا ہوتی ہے - ایک غیر ملک کا کونسل جو ترکی مین رہتا ہے کریٹ (تریپولی) کے باغیون یا
” مسلی کے سرکشون کے لئے اسلحہ بہم پہنچاتا ہے - اور ترکی قانون اوس کا کچھ نہین کر سکتا اگر
” کوئی کونسل (خواہ وہ امریکہ ہی کا کیون نہ ہو) آئرلینڈ مین فنیئنز کو طپنچے (ریوالور) دے یا بھیجے
” تو کیا وہ سزا سے بچ سکتا ہے -
” امریکہ اوس غارتگری کے متعلق جو ایا ماسے کی تاوان طلب کرتا ہے لیکن سلطنت عثمانیہ
” فوجی دستہ لبنان مین بھیج سکتی ہے جو کچھ روسی جہاز کریٹ کے ساحل بلکہ اس کے بندرگاہ مین
” گزرتے ہین - کیا اوس سے آدھا بھی غیر ممالک کے جنگی جہاز دریا سے آئرلینڈ مین
” کر سکتے ہین ؟
” اگر کوئی انگریز جنوبی اٹلی مین یا رایونی شورش مین شریک ہو جائے اور عہدہ داران اٹلی کے ہاتھ
” لگ جائے تو سلطنت انگریزی اوسے نہین بچا سکتی برخلاف اوس کے ترکی مین روسی ایجنٹ کھلے
” بندون بغاوت قتل و غارتگری کا دعظ کرتے پھرتے ہین - گورنمنٹ اون کی اس حرکت سے خوب
” واقف ہے - مگر معاہدون کی وجہ سے نہ اونہین گرفتار کر سکتی ہے اور نہ روک سکتی ہے - سوریا
” یا والاشیا کے دو باشندے جو بوگیرسٹ کی انجمن مفسدہ پردازی کے ایجنٹ تھے ایک آسٹرین جہاز
” مین بمقام سچک پہنچے - مدحت پاشا نے انہین گرفتار کرنا چاہا اور کونسل آسٹریا سے اجازت
” اس امر کی حاصل کی کہ پولیس اس جہاز کو گھیر لے - ان دونون شخصون نے مزاحمت اور مقابلہ کیا
” بعض مسافرون کو زخمی کیا - اور آخر کار پولیس نے انہین گولی سے مار دیا - اس پر مدحت ترکی کے
” خلاف شور و غل مچ گیا - اور وہ کونسل جس نے از روئے انصاف معاہدون کی سختی مین نرمی سے

" کام لیا تھا۔ اپنے عہدہ سے ہٹا دیا گیا لہ

" چونکہ ترکی نے یونان سے معاہدہ کر لیا ہے تو کیون نہ ایسا ہی معاہدہ وہ سرویا اور والاتیا
" سے کرے۔

" یورپ میں ابھی اتنی عقل نہیں ہے کہ ترکی سے اس خرابی کی جڑ کو اکھاڑ دے۔ لیکن کم از کم وہ
" اتنا کر سکتا ہے کہ وہ ایک عام اور معقول قانون کا ضابطہ قایم کر دے جو ترک آسانی سے سمجھ سکین اور
" موجودہ بارہ ضابطہ اٹھا دے۔ ہم ترکی کو وحشیانہ ملک، اور جو کچھ بھی ہیں لیکن ہمارے لئے کبھی
" یہ روا نہین ہے کہ ہم اوسے اندرونی امن اور بے طرفدارانہ انصاف سے روکین۔ عجیب بات یہ ہے کہ
" جو لوگ سب سے زیادہ ترکی حدود عدالتی اور ترکی عدالت کے خلاف شور و غل مچا رہے ہین اور ایک اسلامی
" عدالت مین رعایا کے جھوٹے گواہ کے رد کرنے کو جرم اور گناہ سمجھتے ہین۔ یہ وہی لوگ ہین جو معاہد
" کی حفاظت مین تمام قوت صرف کر دیتے ہین۔ حالانکہ اس کی حفاظت کرنا انصاف کا خون کرنا
" ہے۔ فرض کرو کہ یہ معاہدے اوٹھا دیے جائین تو بہتر ترکی تبعون کے لئے عام اور مابین الاقوام قانون
" کا استعمال آسان ہوگا۔ اور جب کسی غیر ملکی کو یہ خیال ہو کہ اس کے ساتھ انصاف نہین کیا گیا تو وہ
" قسطنطنیہ مین مرافعہ کرے۔ اس کاونسل اس معاملہ کو چلائے۔ مقدمہ کا پبلک اوپینین (ملکی راے)
" کی رو سے فیصلہ کیا جائے گا۔ اور اگر قاضی کی غلطی معلوم ہوئی تو گورنمنٹ قاضی سے سمجھے گی۔

" مشرق مین دیسیون اور غیر ملکیون کے پاس انصاف قایم کرنے کا یہی ایک طریقہ ہے کہ
" انصاف پسند مسلمانون سے یہ کام لیا جائے۔ اور معاہدون کے اٹھا دینے سے انہین تقویت
" دی جائے۔

**۵۸ - پادری میکال صاحب فرماتے ہیں** — مسلم اور غیر مسلم مین مساوات

" مجھے یہان صرف انہین اصلاحات سے بحث ہے جن کی رو سے سلطان کی عیسائی رعایا
" کو مسلمانون کے مساوی حقوق حاصل ہونگے اور یہ ایک ایسی اصلاح ہے جس کو کسی خودمختار

لہ ۱۸۶۷ء کی تحریر ہے۔ اس کے بعد اوس نے جو بغاوت بلگیریا مین جو حصہ لیا اوس سے ترکی کیونکر چشم پوشی کر سکتی تھی۔

" اسلامی سلطنت نے کبھی منظور نہین کیا۔ تب کوئی اسلامی طاقت رضامندی سے منظور نہین کرسکتی
" اور اگر کریگی تو وہ سلطنت اپنا مذہب بالاے طاق رکھ دیگی[۵۸]

یہ خیال کرنا کہ غیرمسلم رعایا کو مسلم رعایا کے مساوی حقوق دینا منجر بہ کفر ہے کس قدر مہمل ہے۔ اور سبحان اللہ پادری صاحب کی یہ راے کیسی بے تحقیق ہے۔ بہت ایسے خودمختار اسلامی دول ہین جنہون نے جب اپنی مختلف مذاہب و اقوام کی رعایا سے سیاسی قانونی اور ملکی معاملات مین نہایت انصاف سے برتاؤ کیا تو کبھی ان پر کفر کا الزام نہین دیا گیا۔ شرع اسلام کی رو سے غیرمسلم رعایا کے سیاسی قانونی اور ملکی حقوق کی ذمہ داری اسی طرح کی جاتی ہے جیسے مسلمان رعایا کی اور اسی شرع کی رو سے غیرمسلم رعایا بادشاہ کی نظر مین ایسی ہی قابل لحاظ ہے جیسے مسلمان رعایا۔ اور سے ہر حالت مین پوری مذہبی آزادی حاصل ہوتی ہے۔ اور نیز اوس حالت مین بھی جب کہ وہ آنحضرت صلعم کی تعلیم شرع کے خلاف علانیہ بدعقیدگی ظاہر کرتا ہے یہ معاہدہ رعایا پروری کبھی نہین ٹوٹ سکتا۔ بعض اوقات ان غیرمسلمون کو سلطنت مین اعلی اور اعتماد کی خدمتین عطا کی گئی ہین۔ بلکہ بعض اوقات اونہین وہ رتبہ اور عزت حاصل ہوئی جو خود مسلمان بھی حاصل نہین کرسکتے تھے۔ ترک سلاطین نے بارہا اپنی مرضی اور ارادے سے قانونی معاملات مین ازروے شرع شریف غیرمسلم رعایا کے حقوق کی مساوات اور اُن کے جان و مال کی حفاظت اور کامل مذہبی آزادی کے متعلق اعلان شایع کئے ہین۔

مساوات کے متعلق اسلامی اصول

۵۹۔ شرعی اسلامی کے وہ اصول جن مین بادشاہ کی تمام رعایا کی جان و مال کی حفاظت اور مساوی عدل و انصاف اور کامل مذہبی آزادی کی ہدایت ہے ذیل مین درج کئے جاتے ہین۔

دماؤھم کدمائنا واموالھم کاموالنا۔
اُن کا (یعنی غیرمسلم رعایا کا) خون ایسا ہی ہے جیسا کہ ہمارا خون

لھم ماللمسلمین وعلیھم ماعلی المسلمین لھم ماعلینا وعلیھم
اور ان کا مال ایسا ہی محفوظ ہے جیسا ہمارا مال اور جو

[۵۸] - دیکھو کنٹمپوریری ریویو بابت ماہ اگست ۱۸۸۱ع صفحہ ۲۷۹ -

ما علینا

اُن کے لئے اچھا ہے وہ مسلمانون کے لئے بھی اچھا ہے اور جو اُن کے لئے بُرا ہے وہی مسلمانون کے لئے بُرا ہے۔

یہ وہ زرین مقولے ہین جن کی رو سے غیر مسلم رعایا اپنے مسلمان بھائی کے مساوی کردی گئی ہے اور یہ شرع اسلام کے جان اور اصل ہین یہ کسی خاص شخص کا مقولہ نہین اور نہ کسی معاملہ کے متعلق کوئی شخصی راے ہے بلکہ یہ وہ بنیاد ہے جس پر ہر قانون کی عمارت خواہ وہ دیوانی ہو یا فوجداری مالی اور جنگی ہو یا سیاسی قایم کی گئی ہے۔

مسلم غیر مسلم کے ساتھ انصاف نہین کرسکتا

٦٠- پادری مکال صاحب نے یہہ تجویز فرمائی ہے کہ لبنان کی طرح آرمینا کو بھی کسی عیسائی یا کم سے کم غیر مسلم حاکم کے تحت مین کردیا جائے- حالانکہ اس مین زیادہ تعداد مسلمانون کی ہے- آپ اس تجویز کے اثنا مین فرماتے ہین-

"کیا یہ واقعی امر نہین ہے کہ ایک عیسائی حاکم عیسائیون اور مسلمانون مین پورا پورا عدل کرسکتا ہے؟
" اور کیا اسی طرح یہ واقعی بات نہین ہے کہ ایک مسلمان حاکم ایسا نہین کرسکتا اور جس قدر وہ زیادہ سچا
" مسلمان ہوگا اُسی قدر زیادہ بُرا حاکم ہوگا- ایک بُرا مسلمان رشوت کے لالچ سے عیسائی کے حق
" مین انصاف کرسکتا ہے لیکن ایک ایمان دار مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ شرع اسلام کی پابندی
" کرے اور اس کے یہ معنی ہین کہ عیسائی کے ساتھ ہرگز انصاف نہ کیا جائے-
" لیکن میری اس تحریر کے متعلق غلط راے قایم نہ کرنی چاہئے- ایک ایمان دار مسلمان عیسائی
" اور مسلمان مین عدل کرسکتا ہے بشرطیکہ وہ بحکم افسر غیر مسلم قانون کا پابند ہو- ہندوستان مین بہت سے
" ایسے مسلمان ہین- لیکن ایک مسلمان حاکم جتنا زیادہ سچا اور ایمان دار مسلمان ہوگا اُسی قدر وہ
" غیر مسلم رعایا کے حق مین عدل کرنے کے ناقابل ہوگا وہ صرف ایک ایسے قانون کا پابند ہے جو
اس کے عقیدے مین الٰہی اور ناقابل تبدیل ہے[١]

[redacted]

[١] کنٹم پوریری ریویو بابت ماہ اگست ۱۸۹۵ء صفحہ ۲۰۹ و ۲۸۰-

یہ ایمان دار مسلمانوں کے خلاف محض بہتان ہے جس قدر کہ ایک شخص زیادہ سچا مسلمان ہوگا اُسی قدر زیادہ اسپر مختلف مذہب و ملت کی رعایا کے ساتھ عدل و انصاف کرنے کی ذمہ داری ہوگی کیونکہ وہ احکام قرآن - اقوال پیغمبر - فقہی اصول - اور تعلیم شرع شریف کے روسے مجبور ہے - کہ وہ مسلم اور غیر مسلم رعایا مین برابر اور یکسان عدل کرے - قرآن کا حکم ہے کہ مومنین غیر مسلمون کے ساتھ عدل و مہربانی کا برتاؤ کرین -

" لاینھٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم
" فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان
" تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب
" المقسطین ۵ الممتحنۃ (۶۰) آیت ۸

خدا تمھین ان لوگون کے ساتھ مہربانی کرنے سے منع نہین کرتا جھون نے تم پر مذہب کی وجہ سے چڑھائی نہین کی ہے یا جنھون نے تمھین گھرون سے نہین نکال باہر کیا ہے - بیشک خدا اُن سے محبت کرتا ہے جو عدل و انصاف کا برتاؤ کرتے ہین -

ابو داؤد - نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث بیان کی ہے -

" یاد رکھو کہ جو شخص اہل ذمہ (غیر مسلم رعایا معاہد) کے حق مین ناانصافی کرے گا یا عہد کو توڑے گا یا
" اُس پر اُس کے طاقت سے بڑھ کر ظلم کرے گا یا اس کی رضامندی کے بغیر اس سے کوئی شے لے گا
" تو مین قیامت کے روز اُس کا دامن گیر ہون گا سنن ابی داؤد کتاب الخراج جلد دوم صفحہ (۷۷)

مین اس سے پیشتر فقہ اسلام کے اصول قانونی بیان کر چکا ہون - یہان مین ایک اور اصول درالمختار سے نقل کرتا ہون -

" انصاف کرنے مین جو کچھ اُن کے (یعنی غیر مسلم رعایا کے) واسطے ہے وہی ہمارے لئے ہے
" اور انصاف حاصل کرنے مین جو کچھ اُن پر واجب ہے وہی ہم پر واجب ہے -

دوسرے الفاظ مین اس کے یہ معنی ہین کہ نہین ہم سے اور ہمین اُن سے پورے

پورے حقوق حاصل کرنے چاہئین۔

مصنف منح الغفار شرح تنویر الابصار اس متن پر یہ تحریر کرتا ہے۔

" ان کے لئے ہے جو کچھ ہمارے لئے ہے اور اُن پر ہے جو کچھ کہ ہم پر ہے۔

" متن کے یہ معنی ہین کہ اگر ہم اُن کی جان و مال پر دست اندازی کرین تو اُن کا حق ہم پر ہے۔ اور

اگر وہ ہماری جان و مال پر دست اندازی کرین تو ہمارا حق اُن پر ہے۔ بعینہ اسی طرح جیسے کہ دست اندازی

کی صورت مین ہم مین سے ایک شخص کو دوسرے پر حق ہوتا ہے۔

کیا یہ کامل قانونی مساوات نہین ہے؟ کیا یہ عیسائیون اور مسلمانون کے درمیان برابر کا عدل نہین ہے؟ کیا شرع اسلام برابر کے عدل کی ہدایت نہین کرتی؟ علاوہ اس کے کیا ترکی تنظیمات خط فرامین اور معاہدات کی رو سے برابر کے حقوق غیر مسلمون کو نہین دیئے گئے؟

لہذا قدرتی طور پر جو نتیجہ نکل سکتا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان خواہ حاکم ہو خواہ وہ کیسا ہی پرجوش مذہبی آدمی یا متعصب ہو ہر ایک قانون یعنی الہامی مذہبی فقہی اور دستوری کی رو سے اس بات پر مجبور ہے کہ وہ مسلم اور غیر مسلم رعایا مین بلا کسی رو و رعایت کے یکسان عدل و انصاف کرے۔

۱۶۱- پادری صاحب اپنی متعصبانہ رائے کا اظہار یون فرماتے ہین۔

" لیکن کیا سلطان کسی ایسی تجویز کو سنے گا کہ آرمینیا کی حکومت کسی غیر مسلم حاکم کے تحت مین

" اہل آرمینیا ہی کو دیدی جائے؟ بلکہ بخلاف اس کے از روے شرع شریف اس کا فرض ہے کہ جب

" کہ جب مملکت اسلام مین اس قسم کی دست اندازی کی جائے تو اس کی سخت مخالفت کرے۔ جبتک

" کہ اُسے اس امر کا یقین نہ ہو جائے کہ مجھ سے بڑی قوت مجھے مجبور کرنے پر آمادہ ہے[۵]

کسی عیسائی گورنر کے تقرر سے مملکت اسلام مین کوئی دست اندازی نہین ہوسکتی۔

[۵] کنٹمپوریری ریویو بابت ماہ اگست ۱۸۹۱ء صفحہ (۲۸۰)

ٹرکی مین جیسا کہ مین پہلے فقرہ (۳۵) مین لکھ چکا ہون عیسائی ملکی و فوجی اور پولیٹیکل سیاسی سر رشتون مین اعلیٰ اعلیٰ عہدون پر مثلاً وزیر - ایلچی کونسل اور سکرٹری ہین ہندوستان مین سلاطین مغلیہ کی فیاض گورنمنٹ مین ہزارہا ہندو بڑے بڑے عہدون پر تھے اور لاکھون ہندو فوجی اور مالی انتظامات مین متعین تھے - اور بہت سے وزیر ایسے ہوئے ہین جن کے باپ دادا ہندو تھے اور ایک بادشاہ نے تو یہان تک کیا کہ اپنے ایک ہندو جنرل کو اسلامی ملک کابل کا گورنر مقرر کر دیا موجودہ زمانہ مین بھی کوئی اسلامی ریاست ایسی نہین جہان بہت سے ہندو اعلیٰ عہدون پر نہون اور سرکاری کام نہ کرتے ہون[۵۱]

پریسکاٹ کی شہادت عربون کی سلطنت کے بارہ مین

۶۲ - ہسپانیہ مین جب کہ مسلمانون کا ستارۂ اقبال عروج پر تھا - محکوم اور غیر مسلم رعایا کے ساتھ کامل مساوات کا برتاؤ کیا جاتا تھا اور انھین وہی ملکی اور مذہبی آزادی حاصل تھی جو ان فاتح مسلمانون کو - پریسکاٹ کہتا ہے کہ -

" ہسپانیہ مین عربون کے غضبناک مزاج مین بوجہ اعتدال آب و ہوا اور [illegible] علمی ترقی کے رفتہ رفتہ
" نرمی اور اعتدال پیدا ہو گیا تھا - عیسائیون اور یہودیون کے ساتھ ایسا عمدہ برتاؤ تھا کہ فتح کے
" چند ہی سال کے بعد انھین نہ صرف ملکی اور مذہبی آزادی حاصل تھی بلکہ انھین اپنے فاتحون کے
" ساتھ کامل مساوات کا درجہ حاصل ہو گیا تھا[۵۲]

یہی محقق مورخ ہسپانیہ کے عربون کی پولیٹیکل اور علمی حالت پر ریویو کرتے ہوئے لکھتا ہے -

" اُن برائیون سے اگر قطع نظر کر کے دیکھا جائے جو ایک ایسی فوج کشی کے ساتھ ضرور
" پیدا ہو جاتی ہین تو بھی فاتحون کی پالیسی فیاضانہ تھی جن عیسائیون نے ملک مفتوحہ مین رہنا پسند
" کیا اُن کے جان و مال کی پوری پوری حفاظت کی گئی - انھین پورا حق حاصل تھا کہ اپنے طور پر

۵۱ - دیکھو سر جی کیمبل کی کتاب " ہنڈی بک آن دی ایسٹرن کوایسچن " صفحہ ۱۱۲ اڈیشن ثانی مطبوعہ [illegible]

۵۲ - تاریخ عہد حکومت فرڈی ننڈ و آئی زیبلا " مصنفہ ڈبلیو ایچ پریسکاٹ جلد دوم صفحہ ۴۰۲ لندن مطبوعہ ۱۸۵۵ء -

" اپنی عبادت کرین ۔معینہ حدود مین انھین کے قانون رائج رہین ۔بعض ملکی اور فوجی عہدون
" پران کا تقرر کیا گیا ۔انکی عورتون کو اجازت تھی کہ وہ فاتحون کے ساتھ شادی بیاہ کرین ۔ اور غرض
" ازروے قانون اُن کے ساتھ کوئی برتاؤ ایسا نہین کیا جاتا تھا جس سے وہ مفتوح یا غلام معلوم ہوتا
" سواے اس کے کہ ان سے جو ٹکس لیا جاتا تھا وہ مسلمانون کے ٹکس کے مقابلہ مین کسیقدر زیادہ
" تھا ۔ یہ سچ ہے کہ بعض وقات عیسائی ظلم و ستم کے یا عام شورش کے شکار ہو جاتے تھے[۵]
" لیکن بحیثیت مجموعی اُن کی حالت اُن تمام عیسائیون سے بہتر تھی جو آخر زمانہ مین اسلامی حکومتون
" کے تحت مین تھے اور ہمارے بیکس باپ دادون کی حالت کے مقابلہ مین جو نارمن فتح کے
" بعد تھی بہت ہی اچھی تھی ۔

مسئلہ ۶۲۳ ۔ ڈاکٹر ہینے ۔ اے کانڈی اپنی تاریخ اسپین عہد اسلام مین مسلمانون کے انتظام کے متعلق مفصلہ ذیل تحریر فرماتے ہین ۔

ہسپانیہ کی اسلامی عہد کے متعلق کانڈی کی راے

" قوم مفتوح پر جو شرائط لگائی گئین تھین وہ ایسی تھین کہ لوگ فاتحین کے مقابلہ مین بجاے
" ظلم کے اطمینان پاتے تھے اور جب وہ اپنی اس حالت کا مقابلہ اپنی گذشتہ حالت سے کرتے
" تھے جس مین انھون نے بہت کچھ تکالیف اُٹھائی تھین تو وہ اس تبدیلی کو اپنی خوش قسمتی خیال
" کرتے تھے ۔ مذہبی امور مین انھین پوری آزادی تھی ۔ ان کے گرجے تمام مداخلت اور نقصان سے
" بری تھے اُن کے جان و مال مامون و محفوظ تھے ۔ یہ تھا وہ صلہ جو انھین غیرون کی اطاعت
" مین ملا ۔ اور اس کے معاوضے مین وہ صرف ہلکا سا ٹیکس ادا کرتے تھے ۔لیکن علاوہ اس کے
" انھین اور فوائد بھی حاصل تھے ۔ مثلاً عرب اپنے وعدے کے پکے اور قول کے پورے تھے

[۵] ۔ قرطبہ کے مشہور ظلم و ستم جو عبد الرحمان ثانی اور اس کے بیٹے کے عہد حکومت مین واقع ہوے اور جو ایگیس کے مورخون کے بیانات کی رو سے نیرو اور ڈائیکلیس کے ظلم و ستم کے برابر تھے ۔ اُن مین درحقیقت جیسا کہ سور ملیس نے تسلیم کیا ہے صرف چالیس اشخاص کا خون ہوا ۔بعض بد نصیب مجنونون نے خلاف احکام اسلام تلاش شہادت حاصل کرنے کی کوشش کی ۔ اس کی تفصیل فلوریز کے مجموعہ کی دسوین جلد مین موجود ہے ۔

" وہ ہر قوم وملت کے شخص سے یکسان انصاف کا برتاؤ کرتے تھے جس سے لوگون کو عموماً اہل عرب
" پر بہت بڑا بھروسہ ہو گیا تھا اور خاص کر اُن لوگون پر بہت اعتبار تھا جس سے انھین سابقہ پڑتا تھا۔
" اور نہ صرف انھین امور مین بلکہ دل کی فیاضی، اطوار کی شائستگی، و مہمان نوازی مین عرب اُس وقت
" کی تمام اقوام سے ممتاز تھے[۵۱]"

۴۷۔ مسٹر ہنری کوپی نے اپنی تاریخ فتح ہسپانیہ عرب مین اس برتاؤ کے متعلق جو مسلمان یہودی اور عیسائیون سے کرتے تھے یہ تحریر کیا ہے۔

"مین اس سے قبل اس برتاؤ کے متعلق جو یہودی اور عیسائیون کے ساتھ کیا جاتا تھا تفصیل کے
" ساتھ لکھ چکا ہون اور روئے قیاس اگر دیکھا جائے تو یہ مسئلہ کچھ دشوار نہ تھا۔ لیکن عملاً بوجہ تعصب
" وعناد مذہبی اس مین بڑی بڑی دشواریان تھین۔ باوجود اس کے کہ مسلمان اپنے مذہب کی پابندی
" مین بہت سخت ہین اور دیگر مذاہب کو ناقص اور باطل سمجھتے ہین تو بھی اس برتاؤ کے مقابلہ مین جو عیسائی
" فرقے آخر زمانہ مین ایک دوسرے کے ساتھ روا رکھتے تھے اور نیز اُس برتاؤ کے مقابلہ مین جو عیسائیون
" نے ہر زمانہ مین یہودیون کے ساتھ روا رکھا مسلمانون کا برتاؤ تمام اہل مذاہب سے نہایت مسامحت
" اور مسالمت کا تھا۔ یہی تو بڑی قوی وجہ تھی کہ مفتوحہ اقوام اُن کی اطاعت سہولت اور آسانی کے ساتھ
" برداشت کر لیتی تھین۔ البتہ مرتدون کو سزائے موت دی جاتی تھی۔ جو لوگ طلوعہ خراج ادا کرتے
" تھے وہ اپنے مذہب مین آزاد تھے۔ یہ مذہبی آزادی یا مسالمت پیغمبر کا ایک فیاضانہ خیال اور نیز
" سیاسی ضابطہ تھا۔ یون دیکھو تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیاساً ان کے مذہب کی اصل اس بات کی اجازت
" دیتی ہے کہ تمام کفار کو غارت کر دیا جائے[۵۲]"

[۵۱]۔ تاریخ اسپین عہد اسلام مصنفہ ڈاکٹر جے۔ اے کانڈی و مترجمہ مسز جانے تھن ماسٹر جلد اول دیباچہ صفحہ ۶ مطبوعہ لندن۔

[۵۲] تاریخ فتح اسپانیہ اہل عرب مع کارنامہ تمدن جو انھون نے یورپ کو بخشی مصنفہ ہنری کوپی جلد ۲ صفحہ ۲۲۷ مطبوعہ لندن ۱۸۸۱ء۔

**۶۵۔** اڈنبرا ریویو کے ایک مضمون نگار نے وان کریمر کی کتاب خلفاے بغداد پر ریویو کرتے ہوئے خلفاے بغداد کے مالی اور قانونی انتظامات کے متعلق یہ لکھا ہے۔

وان کریمر کی راے خلفاے بغداد کی مذہبی سالمیت کے متعلق

״ جب ان کا انتظام زیادہ پیچیدہ ہوگیا تو اُن کا تمام مالی انتظام رفتہ رفتہ عیسائیون اور ایرانیون
״ کے ہاتھ مین گیا۔ عبدالملک[۵۱] نے اس جوش مین آکر کہ تمام انتظام مملکت خالص عربی ہونا چاہیے
״ غیر عرب ملازمین کو برطرف کردیا۔ لیکن بعد مین اُسے ثابت ہوا کہ انھین بحال کرنا ضروری ہے صرف
״ چند عرب اُن مسائل کے لئے جن مین خاص تعلیم کی ضرورت ہے کافی ہین۔
״ ہم یہان اُن عیسائیون اور غیر مذہب والون کی حیثیت کے متعلق جو عربی حکومت مین تھے
״ چند الفاظ لکھنے کے لئے ایک منٹ کے لئے ٹھیر جاتے ہین۔ پیغمبر نے عیسائی اور یہودی مذاہب
״ اور دیگر فرقون مثلاً پیروان مانی و زرتشت وغیرہ مین خاص امتیاز رکھا تھا۔ اول الذکر دو مذاہب کے
״ ساتھ بہ نسبت دیگر مذاہب کے زیادہ مساوات روا رکھی گئی تھی۔ اور اس سے انکار نہین ہوسکتا
״ کہ عام طور پر ان دو مذہب والون کی حالت ایسی ناگوار نہ تھی جیسی کہ بعض اوقات بیان کی جاتی ہے
״ اس بیان کو بلفظہ تسلیم نہین کرلینا چاہیے کیونکہ مختلف ممالک اور مختلف خلفاء کے زمانہ مین عیسائیون
״ کے ساتھ مختلف برتاؤ تھا۔ بلدہ کے عیسائی بمقابلہ زراعت پیشہ عیسائیون کے زیادہ اچھی حالت
״ مین تھے۔ بلدہ کے عیسائی ایک حد تک تعلیم یافتہ اور مفید بلکہ سلطنت کے علمی شعبون کے لئے
״ ضروری ہوتے تھے۔ مگر زراعت پیشہ عیسائی خزانہ کی اس کمی کو پورا کرتے تھے جو مسلمانون کے
״ مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے واقع ہوتی تھی۔ بعض نے اس پر بہت کچھ زور دیا ہے کہ عیسائیون کو ایک
״ خاص قسم کا لباس پہننا پڑتا تھا۔ لیکن یہ کسی ذلت کے خیال سے نہ تھا بلکہ مختلف اہل مذاہب کے
״ امتیاز کے لئے تھا۔ عیسائیون کی دماغی سعی بے اثر نہ رہی مسلمان یونانی فلسفہ، علم طب اور دیگر دقیق فنون
״ کے لئے اُن کے ممنون ہین۔ اور اسلامی خیالات مین عیسائی مذہب کی وجہ سے بہت کچھ تغیر و
״ تبدل پیدا ہوا۔ نسطورین کیتھولک اور ”پرنس آف دی کیپ ٹوڈی“ کو بغداد مین جو وقعت حاصل تھی

۵۱ مضمون نگار سے یہ غلطی ہوگئی ہے۔ عبدالملک خلفاے بنو امیہ سے ہے نہ کہ خلفاے عباسیہ سے۔

" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان دیگر مذاہب کے سرداروں سے اچھا برتاؤ کرتے
" تھے۔ [۵۱]

پروفیسر پورٹر کی راے ترکی سلطنت پر

۶۶ - پروفیسر جے - ال پورٹر اپنے لکچر میں جو انھوں نے بمقام گلاسگو ماہ دسمبر ۱۸۷۶ء میں دیا یہ کہتے ہیں۔

" تاریخ ثابت کرتی ہے نیز سلاطین ترکی کی تاریخ سے بھی یہ ثابت ہے کہ خواہ اسلام کی
" مذہبی بنیاد قوانین خواہ کیسی ہی سخت کیوں نہ ہو لیکن عملاً وہ کبھی تمام مذاہب میں کامل مساوات کے
" حائل نہیں ہوئی جو لوگ ان کے قومی مذہب سے اختلاف رکھتے ہیں۔ نہیں صرف ایک قسم کا ٹکس
" ادا کرنا پڑتا ہے باقی تمام حالات میں وہ آزاد ہیں۔ یہ مشہور بات ہے اور کوئی اس سے انکار نہیں کرسکتا
" کہ مختلف عیسائی اقوام مثلاً ارمنی - یونانی - شامی - مرونی ترکی میں ابتداے سلطنت سے اب تک
" کامل آزادی کے ساتھ رہتے ہیں اور یہی نہیں بلکہ ہر قوم کو سلطان نے اپنے اپنے دیوانی اور
" مذہبی معاملات کے انتظام کرنے کا حق دے رکھا ہے - بلدہ اور مضافات کی کونسلوں میں بھی
" ہر فرقے کا مذہبی وکیل بیٹھتا ہے اور اس کے ساتھ ملکی وکیل بھی رہتا ہے کیا اب بھی ہم کہہ سکتے
" ہیں کہ وہاں مذہبی آزادی نہیں ؟

---

" ترکی کی تاریخ کا یورپ کی عیسائی اقوام کی تاریخ سے مقابلہ کیجیے۔ گبن نے ایک قدیم ترکی
" سلطان کی نسبت خوب کہا ہے کہ " یورپ کی کیتھلک اقوام جنھوں نے لغویات کی حمایت ظلم و
" ستم کرکے کی انھیں ایک حبشی کے مثال کے سامنے خجل ہونا ہوگا جو فلسفہ کے نتائج کو عمل میں لایا ہے"
" ترکی نے کبھی تحقیقات مذہبی کی عدالتیں قائم کرکے قاعدہ اور ضابطہ کے ساتھ شرمناک ظلم و ستم
" اور جبر و تعدی نہیں کی اس کا دامن اس دھبے سے پاک رہا ہے۔ ترکی نے کبھی ظالمانہ طور
" سے ان لوگوں کو جو اس کے مذہب سے اختلاف رکھتے تھے جلاوطن نہیں کیا - ان غریب

---

۵۱ اڈنبرا ریویو نمبر (۳۱۸) بابتہ ماہ اپریل ۱۸۸۲ء مضمون نمبر ۳ تمدن اہل مشرق زیر حکومت خلفا صفحہ ۳۵۱-۳۵۲
وان اے کریمر مطبوعہ ویانا ۱۸۷۷ء۔

" بے خانمان یہودیون کو جنھین جرمنی - انگلینڈ فرانس - اسپین نے پے در پے طرح طرح کی ایذائین اور
" تکلیفین پہنچائین ٹرکی ہی نے پناہ دی -
" مسیحیت کے لئے اور خاص کر اس مسیحیت کے لئے جو روس اور یونان مین پائی جاتی ہے بڑی مشکل
" پڑی اگر وہی طریقہ اور جوش اس کے ساتھ برتا جائے جو اُن مضامین مین پایا جاتا ہے - جو مشرقی
" مسائل اور اسلام کے متعلق لکھے جاتے ہین - جب اُن مضامین کو شائستہ اور مہذب ترک اور دیگر
" اقوام کے روشن خیال لوگ پڑھتے ہون گے تو اس سے ہماری قوم کی صداقت اور بے تعصبی پر
" نہ معلوم کیا اثر پڑتا ہوگا -

## امریکہ کے مشنریون کی راے ترکی سلامت پر -

" ترکی سلامت پر مین ایک ایسے شخص کی راے کا اقتباس کرتا ہون جو اس معاملہ مین مجھ سے
" زیادہ تجربہ رکھتا تھا - یہ شخص مشہور امریکن مشنری ڈاکٹر ایلی سمتھ ہے - شخص اس ملک مین پچاس برس
" رہا ہے اور اس نے وہان کے باشندون کی حالت اور خصائل کے مطالعہ کے لئے خاص طور پر
" ملک کے ہر حصے مین سفر کیا ہے اور اپنے زمانہ کا بہت بڑا اور کامل مشرقی السنہ کا ماہر تھا اور صحابت
" راے اور عالی خیالی مین اس کا کوئی نظیر نہ تھا - غیر مسلمون کو جو اس ملک مین آزادی حاصل ہے
" اس کے متعلق وہ یہ لکھتا ہے -

" یہ وجوہ اختلاف آراے کے مصالحت کے لئے یقیناً ہمارے خیال کے مناسب نہین ہین
" لیکن ان سے جو نتائج پیدا ہوتے ہین اور جب ہم اُن پر عمل کرتے ہین تو عملی طور پر ترکی مین غیر مسلمون
" کو اس قدر رعایان کی آزادی حاصل ہے جو یورپ کے کسی ملک مین نصیب نہین ،، اس کے بعد
" پھر وہ کہتا ہے ،، اس مین شک نہین کہ بعض نالائق مجسٹریٹون کی ذلیل کارروائیون اور دست
" درازیون اور متعصب رعایا کی زبردستی سے اس مین رکاوٹین پیدا ہوجاتی ہین اور اس بات کا
" ڈر ہے کہ جسطرح دارالخلافہ مین مذہبی ہیبونی سول انتظام ہے اضلاع مین بھی اُسے توسیع دیجائے
" خصوصاً اس اثر کی قوت سے جو ترکی انتظام پر یورپ کی قرب و جوار ودل کا پڑتا رہتا ہے - اگر وہ

” ان مداخلتون سے آزاد ہو جاے تو ہم بلا تامل یہ کہہ سکتے ہین کہ ہم اس آزادی پر راضی و شاکر
” ہین جو از روے شرع اسلام ہمین حاصل ہے۔ اس مسالمت کی وسعت عام طور پر معلوم ہونی چاہئیے
” اور یہ امر قانون کے لئے قابل تعریف امر ہے جو اس قسم کی آزادی عطا کرتا ہے اور تمام بیرونی
” اثرات جو اس آزادی کے مخل ہین قابل نفرت ہین۔ مجھے یقین ہے کہ ہمین یورپین حکومت مین
” کبھی اس قدر آزادی نصیب نہین ہو سکتی سواے ایک دو آزادی پسند پروٹسٹنٹ حکومتون کے
” ڈاکٹر گوڈیل جو تیس سال تک ٹرکی مین اور خصوصاً قسطنطنیہ مین رہا اس نے ۲ نومبر ۱۸۶۱ء کو
” یہ راے ظاہر کی۔
” جب ہم پہلے پہل ٹرکی مین آئے اس وقت اور اس کے بعد کئی سال تک ہم قسطنطنیہ مین
” نہ رہ سکے اگرچہ دوسرے فرنگی مختلف مقامات مین موسم گرما بسر کرنے کے محل رکھتے تھے مگر آرمینیون
” یونانیون اور اہل کیتھلک کے اثر کی وجہ سے ہم اس رعایت سے محروم رہے لیکن ترک اب
” ہمارے دشمنون کی باتون یا شکایتون کو نہین سنتے اور اب ہم جہان چاہتے ہین بغیر کسی تکلیف
” و ایذا کے رہتے ہین۔ ہم جہان چاہتے ہین مدرسے قائم کر سکتے ہین گرچہ حاسد یہ کہتے ہین کہ مذہبی
” آزادی کا فرمان ترکی مین براے نام ہے اور اس پر کبھی عمل نہین ہوتا۔ لیکن اس قدر جواب دینا
” کافی ہے کہ فرمان ہمایون سے قبل جس قدر ہر ہفتہ ایذا دہی اور تکلیف رسانی کی واردات کی رپورٹین
” پہنچتی تھین اب اس قدر سال بھر مین بھی نہین واقع ہوتین۔
” پھر یہ کہا جاتا ہے کہ ترک آزادی کے قول و قرار مین سچے نہین ہین بلکہ یہ غیر ممالک کے دباؤ سے
” آزادی دینے پر مجبور ہین۔ مگر سچ بات یہ ہے کہ جہان تک مذہب پروٹسٹنٹ کا تعلق ہے اس کی
” مخالفت کے لئے ہمیشہ باہر سے دباؤ ڈالا گیا ہے جس قدر بیرونی اثر آزادی کی خاطر ڈالا جاتا ہے اس سے
” دس گنا بلکہ سو گنا زیادہ آزادی مذہب و ایمان کی مخالفت کے لئے عمل مین لایا جاتا ہے یہ ارمنی
” یونانی اور کیتھلک فرقے بہت قوی ہین اور بہت بڑا اثر اور دباؤ ڈالتے ہین اور ہمیشہ ایک دوسرے
” کی مخالفت کرتے ہین اور ترکون کو اپنی طرف رکھنے کی کوشش کرتے ہین۔ آگے چل کر وہ خلاصہ

"سے طور پر یہ کہتا ہے۔

" جو کوئی گذشتہ چالیس سال تک مشنری ہیرالڈ پڑھتا رہا ہے اُسے معلوم ہوا ہوگا کہ جاری ایذا رسانی
" کی سو اروائتوں میں سے شاید ۹۹ ایسی ہیں جن سے ترکوں کو کوئی واسطہ نہیں بلکہ ان کی محرک لاتنی مختم
" کلیسا ہیں۔ ترک لوگ کبھی اپنی طرف سے ہمیں ایذا پہنچانے کا خیال نہیں کرتے۔

" اس سے ترکی سالمیت صحیح طور سے معلوم ہوتی ہے۔ ڈاکٹر سمتھ اور ڈاکٹر گوڈبل اس کیفیت
" سے بخوبی واقف ہیں۔ اُن کی ہرگز یہ خواہش نہیں معلوم ہوتی کہ وہ غلطیوں کو چھپائیں یا ترکی
" بدانتظامیوں کو کم کر کے دکھائیں۔ اُن میں اپنے جتھے کی وہ جانب داری نہیں پائی جاتی جو بدقسمتی
" سے آج کل بہت زور روں پر ہے اور جس کی وجہ سے بڑے بڑے عالی دماغ لوگوں کی راے اور عقل
" پر پردہ پڑ گیا ہے۔ ان صاحبوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ محض سچ کی خاطر سے لکھا ہے۔ اور ان کے
" خلوص اور صداقت کے لئے یہ کافی شہادت ہے کہ اُنھوں نے اپنی قابلیت اور زندگیوں کو ترکی کے
" عیسائیوں کی اصلاح کے لئے قربان کر دیا۔

" یہاں تک کہ اہل بلغاریہ نے یونانی مذہبی عہدہ داروں کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر ترکوں سے
" اپیل کیا کیونکہ یونانی اس کوشش میں تھے کہ وہ اہل بلغاریہ کو مذہبی آزادی اپنی زبان اور قومیت
" سے بھی محروم کر دیں۔ اور یہ کام اُنھوں نے روسی سرپرستی میں سرانجام دینا چاہا تھا۔ ایک شریف
" تعلیم یافتہ بلغاری پال مال گزٹ بابتہ ۱۸۷۶ء میں اپنی قوم کی نسبت مفصلہ ذیل الفاظ لکھتا ہے۔
" چونکہ ہم صدیوں سے ترکی کے زیر حکومت ہیں لہٰذا ہم اُسے اپنی قومیت کا محافظ سمجھتے ہیں۔
" اور ہم جو ترکی سے مالوف ہیں اس کے دو وجوہ ہیں۔ ایک عادت دوسری اپنی غرض۔ انگلستان
" میں بعض پارٹیوں (گروہوں) نے یہ فرض کر لیا ہے کہ اہل بلغاریہ روس کو بڑی خوشی سے اپنا محافظ
" تسلیم کریں گے۔ مجھے اس میں شبہ ہے بلکہ مجھے یہ یقین ہے کہ اگر ان میں سے ایک ایک
" کی راے طلب کی جائے تو سب اوس کی حکومت سے متنفر ظاہر کریں گے[۵۱]"

۵۱ انگلینڈس ڈیوٹی ان دی ایسٹرن دلی کلٹی۔ لکچر از جے ایل پورٹر صفحہ ۱۴-۱۹۔

چارلس ویمس کی راے ترکی مسئلہ پر

۶۷ - مسٹر چارلس ویمس اپنی کتاب آرمی نین کمپین مین لکھتے ہین -

" ایشیاے کوچک مین مین نے جو کچھ مشاہدہ کیا ہے وہ کونسل جنرل ٹیلر کی ریپورٹ مورخہ ماہ جون ۱۸۶۹ء
" متمقام بغداد سے بالکل مطابق ہے اور اس لئے مین یہ مناسب سمجھتا ہون کہ اس فقرہ کو بعینہ
" نقل کردون -

" مین بلاتامل اس امر کا اظہار کرتا ہون کہ ترکی افسر دولت عثمانیہ کے اس حصہ مین عیسائیون اور
" یہودیون سے نہایت درجہ مصالحت اور مسالمت کا برتاؤ کرتے ہین اور مینے کبھی کوئی ایک واقعہ بھی ایسا
" نہین سنا جس مین انھون نے اُن سے بُرا برتاؤ کیا ہو یا ان سے جھگڑا ہوا ہو - درحقیقت جہان
" تک میرا تجربہ ہے مین کہہ سکتا ہون کہ مسلمان عیسائیون کے معاملہ مین بہت متحمل ہین - حالانکہ عیسائیون
" کا معاملہ مسلمانون سے ایسا نہین ہے - عیسائیون کو وہی حقوق اور رعایتین حاصل ہین جو اُن کے
" مسلمان بھائیون کو اور اگرچہ انصاف بہت مستعدی کے ساتھ نہین کیا جاتا لیکن بے رو رعایت
" کیا جاتا ہے - ۵۱

کپتان جیمس کرے کی راے ارض روم کے قبضہ کے متعلق

۶۸ - کپتان جیمس کرے روسیون کے قبضہ ارض روم کے متعلق مفصلہ ذیل راے لکھتا ہے -

" روسیون کے قبضہ کو دیکھ کر دل مین ایک پھریری سی پیدا ہوتی تھی اور اس مین کچھ شک و شبہ
" نہین معلوم ہوتا تھا کہ ارمنی یہ سمجھتے تھے کہ انھین اپنے ظالمون کے پنجہ سے خلاصی نصیب ہوئی ہے
" اور اس دن کو وہ بڑا مبارک خیال کرتے تھے -

" ارض روم کی تمام آبادی باہر نکل آئی - اُن کی آنکھون سے مارے خوشی کے آنسو بہہ رہے تھے
" اور وہ میش کی فوج کے سپاہیون کا خیر مقدم کر رہے تھے عورتین اور لڑکیان گیت گا رہی تھین اور
" رستے مین پھول بکھیر رہی تھین اور لوگون مین ترکون کی قید سے رہائی پانے کا اس قدر جوش بھرا
" ہوا تھا کہ ارمنی لوگ اپنا مال و اسباب کوڑیون کے مول بیچ بیچ کر روسیون کے ساتھ سرحد کے پار

۵۱ - دی آرمی نین کمپین مولفہ چارلس ویمس دیباچہ صفحہ ۱۰ مطبوعہ لندن ۱۸۷۸ء

" جا رہے تھے تاکہ زار کی حفاظت میں جا کر آباد ہوں۔

" روسی لوگ جب ۱۸ء کے آخر میں اسی مقام پر پہنچے تب بھی ارمنی ویسے ہی خوش ہوئے

" تھے اور انھوں نے اپنے اطمینان کے اظہار اور فاتحین کی خوشی کے لئے اُن کا خوشی خوشی اس

" طرح کام کیا۔ جیسے کوئی مزدور یا نوکر کرتا ہے۔

" لیکن اس عام خوشی میں ایک استثنا بھی پایا جاتا تھا اور وہ یہ کہ اگرچہ متعصب اور گریگوری ارمنی

" روسیوں کے جانب دار تھے مگر رومن کیتھلک ارمنی اپنے متعصب ہم وطنوں یا روسی دوستوں کی

" ہمدردی اور حفاظت سے ڈرتے تھے۔

" میں نے جہاں تک اُن کے پادریوں سے سنا وہ یہ ہے کہ وہ زار کے مقابلہ میں بدرجہا سلطان

" کی حکومت کو ترجیح دیتے ہیں۔ پوپ کا اُن سے یہ ارشاد ہے کہ تم روسیوں سے ترکوں کی نسبت

" زیادہ نفرت و حقارت کرو اور وہ اس کی تعمیل کرتے ہیں۔

۶۹ - آرمنیا کو عیسائی فرمانروا کے تحت میں کرنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ تاریخ اس امر کی شہادت دیتی ہے کہ اکثر ایسا ہوا ہے کہ جب کبھی عیسائی قوم کو سلطان کی حکومت سے نکال کر عیسائی فرمانروا کی حکومت میں کر دیا گیا ہے تو خود اس قوم نے اس پر بہت رنج و تاسف ظاہر کیا ہے اور بہت سی شکایتیں کی ہیں۔ تمام اسلامی ممالک میں عیسائیوں کے مختلف فرقے آپس میں ایک دوسرے کے سخت دشمن ہوتے ہیں۔ انہیں غیر عیسائی لوگوں سے اتنی عداوت نہیں ہوتی جتنی آپس میں ہوتی ہے۔ اگر انھیں آزاد چھوڑ دیا جائے تو ایک دوسرے کو خوب ستائیں۔ اسلامی حکومت میں اس قدر مداخلت ان کے ساتھ نہیں کی جاتی۔

آرمنیا کو روس کے زیر حکومت کرنا بالکل فضول ہے

مسٹر آر جی سے تے تہم کی بھی یہی رائے ہے اگرچہ ان کا خیال ہے کہ جو مثالیں اوپر مثالیں بیان کی گئی ہیں وہ مستثنیٰ ہیں اور مسلمانوں کو مذہبی آزادی اور مسالمت مستقل یا کامل حالت میں کبھی نہیں ہوئی اور اُن۔ یہ عقیدہ ہے کہ بُری سی بُری عیسائی حکومت بھی عیسائیوں کے لئے

بہ نسبت مسلمان حکومت کے زیادہ بہتر ہے - وہ لکھتے ہین کہ

" اس بیان مین کسی قدر ترمیم کی ضرورت ہے اور تاکہ تمام بیان ٹھیک رہے یہ ضروری
" ہے کہ عیسائی متحد ہون - یعنی تمام آبادی جو منتقل کی جائے وہ ایک فرقہ اور عقیدہ اور ایک کلیسا کی
" ہو یا تمام گریک کیتھلک ہون یا رومن کیتھلک - لیکن جب تفریق برابر کی ہو تو بہتر یہ ہے کہ حکومت
" اسلامی ہو -

آرمینیا مین بلکہ یون کہنا چاہیئے کہ ترکی آرمینیا مین مذہبی اتحاد بالکل نہین - رومن کیتھلک آرمنی اپنے حریف گری گوریون کے تفوق سے ہمیشہ ڈرتے رہتے ہین -

ترکی مین غیر ملکی مداخلت

۷ - اس تجویز کے متعلق کہ آرمینیا مین غیر مسلم گورنر مقرر کیا جائے مین یہ کہنا چاہتا ہون کہ کیون ترکی کے اندرونی انتظامات مین مداخلت کی جاتی ہے - معاہدۂ پیرس ۱۸۵۶ء مین ایک ایسا فقرہ ہے جس کی رو سے دول پر لازم ہے کہ وہ ترکی کے اندرونی معاملات مین دخل نہ دین - اس معاہدے سے نہ صرف روس کے دعاوی ضعیف ہو گئے بلکہ ترکی کے تعلقات عیسائی دول سے اصول کے ساتھ مستقل ہو گئے - فرانسیسی طرز گفتگو مین یون کہنا چاہیئے کہ گویا دولت ترکی دول یورپ کے خاندان مین شریک ہو گئی - اور اصلاحات کا جو مقصد یہ ہے کہ عیسائی رعایا سے اچھا سلوک کیا جائے اور ترکی مین جہان بانی کے زیادہ عمدہ اصول اختیار کئے جائین تو اس کی رو سے اس حیثیت کے حاصل کرنے کے لئے یہ کافی ضمانت ہے - سلطان عبدالمجید نے خط ہمایون (فرمان شاہی) بابتہ ۱۸۵۶ء کی رو سے جو اعلان کیا وہ قسطنطنیہ مین ترکی وزرا اور یوروپین سفرا کے مشترکہ مشورہ سے انگریزی سفارت مین تیار کیا گیا تھا - اور صلح دامن کے عام قانون کا جز قرار دیا گیا تھا - لیکن اس مین شرط یہ تھی کہ یہ قانون دول خارجہ کے لئے معاملات ترکی مین مداخلت کا حیلہ نہ سمجھا جائے - لیکن معاہدہ پیرس کی اتباع اب برٹش گورنمنٹ پر لازم نہین کیونکہ گذشتہ روسی ترکی جنگ مین انگریزی گورنمنٹ نے اپنے آپ کو الگ رکھا - اور گویا پیرس

کے معاہدہ مین حصہ نہین لیا -

۷۱ - قانون بین الاقوام کی رو سے کوئی سلطنت کسی دوسری سلطنت کے اندرونی معاملات مین دخل نہین دے سکتی - وٹیل جو قانون بین الاقوام کے مضمون پر سب سے عمدہ لکھنے والا ہے - حسب ذیل لکھتا ہے -

" ہر قوم اپنے افعال کی مالک ہے جب تک کہ اُن افعال سے دوسرون کے حقوق پر اثر
" نہ پڑے - یہان تک کہ اگر کسی سلطنت کا انتظام برا ہے تو بھی دوسری سلطنتون کو خاموش رہنا
" لازم ہے - بدون کہ انصاف بسی او طریقہ عمل بابت کالونی ہے ہین [1]

اس کے بعد پھر وہ یہ بھی کہتا ہے کہ کسی بادشاہ کو کسی دوسرے کے افعال پر رائے لگانے کا حق نہین ہے اور نہ اُسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ دوسرے کو اپنے طریق عمل کے بدلنے پر مجبور کرے -

" گر وہ اپنی رعایا پر ٹکس کا بوجھ ڈالتا ہے اور اُن پر جبر و تعدی کرتا ہے تو اس معاملہ سے صرف
" اُسی قوم کو تعلق ہے - کسی دوسرے بادشاہ کو یہ حق نہین کہ وہ اُسے اپنا طریق عمل بدلنے یا زیادہ
" دانشمندانہ اور منصفانہ اصول اختیار کرنے پر مجبور کرے [2]

وٹیل کی راے خارجی مداخلت پر

۷۲ - رائٹ آنربل لارڈ مانٹیگو ممبر پارلیمنٹ وٹیل کی راے نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہین -

" لہذا قانون اقوام کے رو سے سلطان ایک خود مختار بادشاہ ہین - ہمین قانون اقوام کی رو سے
" کوئی حق حاصل نہین کہ ہم ترکی معاملات مین دخل دین جس سے اُن کے شاہانہ اختیارات یا خود اختیاری
" مین فرق آئے سواے اس حالت کے جب انصاف کا تقاضا ہو - جس طرح کسی شخص کو یہ حق حاصل
" نہین کہ وہ اپنے ہمسایہ کے گھر مین گھس کر اُس کے مال و اسباب کا انتظام اپنی خواہش کے مطابق کرنا
" شروع کر دے [3]

[1] وٹیل حصہ ابتدائی صفحہ دفعہ ۱۰ [2] کتاب ۲ باب ۴ دفعہ ۵۵ [3] فارن پالیسی - انگلینڈ اینڈ دی ایسٹرن کوئسچن

بیان رائٹ آنریبل لارڈ نے فرض عدم مداخلت کے لئے ایک قید یا استثنا قائم کیا ہے یعنی بہ تقاضاے انصاف مداخلت کرنا فرض ہے - اگر سلطان اپنی رعایا پر ظلم کرنے یا اُن کے حقوق پامال کرنے سے انھیں بغاوت پر آمادہ کرے تو بصورت صحیح کی حمایت مین نہ کسی دوسرے خیال سے مداخلت کر سکتے ہین - اس بیان کی تصدیق ویٹل نے بھی کی ہے - چنانچہ وہ لکھتا ہے -

"اگر بادشاہ سلطنت کے لئے بلا ثابت ہو تو وہ اپنے تئین ذلیل کرتا ہے اُس کی حالت
" ملک کے دشمن کی سی ہے جس کے خلاف قوم کو حق ہے کہ وہ اپنی حفاظت کرے - اگر وہ مطلق العنان
" ہے اور اس کی مقاومت سے اندیشہ ہے کہ سب تباہ و برباد ہو جاے گا تو قوم کو چاہیے کہ اُس کا
" مقابلہ کرے اُس کے لئے سزاوار ہے یا اس کی سلطنت سے باہر نکل جاے"[۵۱]

پھر وہ دیگر دول کی نسبت لکھتا ہے -

" اگر کوئی بادشاہ اصولی قوانین کی خلاف ورزی کرے تو وہ اپنی رعایا کو اپنے مقابلہ کے لئے قانونی
" حق دیتا ہے - اگر ظلم جو ناقابل برداشت ہے قوم کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اُس کے مقابلہ مین اپنی حفاظت
" کرین تو غیر سلطنت کا فرض ہے کہ اُن مظلوم لوگون کی حمایت کرین جو اُن سے امداد طلب کرتے ہین
" سفاجیان کے تئین حالات اس قدر خراب ہو جائین کہ بصورت خانہ جنگی کی جاے تو دول خارجہ اس
" فریق کی حمایت کر سکتی ہین جو اُن کے خیال مین راستی پر ہے"[۵۲]

ویٹل نے ایک اور اصول بھی قایم کیا ہے جو مذہبی شورش کے زمانہ مین ہر سلطنت کی رہنمائی کر سکتا ہے " جب کسی مذہب پر ظلم ہو رہا ہو تو اس کی ہم مذہب قوم خارجہ صرف یہی کر سکتی ہے کہ اپنے بھائیون کے لئے سفارش و شفاعت کرے -

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۰ - مصنفہ رائٹ آنریبل لارڈ رابرٹ مانٹیگو ممبر پارلیمنٹ صفحہ ۴ مطبوعہ لندن ۱۸۷۴ء

۵۱ ویٹل کتاب (۱) باب ۴ صفحہ ۵۱ -

۵۲ ویٹل کتاب ۲ باب ۴ صفحہ ۵۶ -

خارجی مداخلت بیکار اور غیر ضروری ہے

۷۳ - لہذا از روے قانون اقوام مداخلت کا ہرگز حق حاصل نہین ہے جب تک یہ ثابت نہ کیا جاے کہ سلطان کے ساتھ کوئی ایسا معاہدہ کیا گیا ہے جس کی رو سے حق مداخلت حاصل ہے - اور مین نے گزشتہ فقرہ مین ظاہر کیا ہے کہ ایسا کوئی معاہدہ نہین ہے بلکہ برخلاف اس کے معاہدہ پیرس ایسی مداخلت کا مانع ہے اور نہ یہہ ثابت ہوا ہے کہ سلطان ہمیشہ ناانصافی اور ظلم کرتے رہتے ہین - اور وہ اپنی عیسائی رعایا پر مذہبی بنا پر جبر و تعدی کرتے ہین - ایسی حالت مین یورپ کی کسی دولت کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ ترکی کے اندرونی معاملات مین خلل دے ؟ کوئی معاہدہ اس مضمون کا نہین ہے اور پیرس کے معاہدہ پر جو اس قسم کی مداخلتون کے خلاف ہے پورا عمل درآمد نہین ہوا ہے -

ارمنی ترکی کو روس پر ترجیح دیتے ہین

۷۴ - پادری میکال تحریر فرماتے ہین -

" اگر آرمنیون کو موجودہ حالت اور روسی الحاق مین انتخاب کرنے کا اختیار دیا جاے تو وہ یقینی
" روسی الحاق کو پسند کرین گے اور وہ اس کے متوقع نہ نہایت کچھ مدد دے سکتے ہین اور دین گے "۔ ۵۱

ارمنیون کو جو روسیون سے نفرت ہے وہ ترکی کی نفرت سے کم نہین ہے - لیکن ارمنی کبھی روسیون کو ترکی پر ترجیح نہین دین گے - وہ باوجود شکایات کے ترکی حکومت کو پسند کرتے ہین اور روسی فرمان روائی سے خوش نہین ہین - صرف اس وجہ سے کہ ترکی مین انھین زیادہ مذہبی اور قومی آزادی حاصل ہے - روس سے انھین یہ توقع نہین -

ترکی حکومت مین ارمنیون کو سیلف گورنمنٹ (سوراج) حاصل ہے کیون کہ انھین اپنی زبان اور بچون کی تعلیم مین کامل آزادی حاصل ہے اور سرکار کی طرف سے مطلق مداخلت نہین کی جاتی - اور اس لئے وہ کبھی موجودہ حکومت کے بجاے کسی ایسی حکومت کو پسند نہ کرین گے جو نہایت احتیاط کے ساتھ ایسے قواعد تجویز کرتی ہے جس سے ان کی خاندانی زندگی تک مین بھی مداخلت کی جاتی ہے اور جو اپنی نامقبول زبان کو انھین زبردستی سکھانا چاہتی ہے

---

۵۱ کن ٹمپوریری ریویو ماہ اگست ۱۸۹۵ء صفحہ (۲۸۰)

اور انھین ارمنی قوم سے بدل کر روسی قوم بنانا چاہتی ہے - پچاس سال کے عرصہ مین روسی آرمینون کی اخلاقی تباہی کے لیے وہ کام کرین گے جو ترک کئی صدیون مین نہ کر سکے - علاوہ اس کے وہ بہ نسبت روس کے ترکی مین زیادہ آزادی کے ساتھ تجارت کر سکتے ہین جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ارمنی نہایت دولت مند قوم ہو گئی ہے اور سارے ملک کی تجارت اُن کے ہاتھ مین ہے - یہ بہت بڑے فوائد ہین اور باوجود چند شکایات کے وہ کبھی یہ پسند نہ کرین گے کہ ظاہرا زیادہ تر آزادی کے لئے روس کے زیر حکومت چلے جائین - جو اگرچہ دور سے بھلی معلوم ہوتی ہے لیکن زیادہ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ روس کے ناگوار حاکمانہ اور جابرانہ قواعد کے سامنے وہ کچھ کارآمد نہین ہو سکتی - رومن کیتھلک ارمنی روسی حکومت کے مقابلہ مین ترکی حکومت کو بہت زیادہ ترجیح دیتے ہین - اور وہ ترکون کے مقابلہ مین روسیون سے بہت زیادہ نفرت کرتے ہین - گریگورین ارمنی روسیون کو محض روسیون کی سازش کی وجہ سے پسند کرتے ہین -

اس بحث پر فرنڈ برنبی کی رائے

۷۵ - کپتان فرنڈ برنبی کو اپنی سیاحت ایشیاء کوچک مین دو با اثر ارمینون سے قسطنطنیہ مین گفتگو کا موقع ملا جسے وہ معرض تحریر مین لائے ہین - چنانچہ وہ لکھتے ہین -

" ان دو صاحبون مین سے ایک صاحب سے جو گفتگو ہوئی اس سے بہ آسانی یہ معلوم
" ہو سکتا تھا کہ وہ روس کے زیر حکومت ہونے کے خیال کو ہرگز پسند نہین کرتے تھے -
" مین نے دریافت کیا کہ جنرل اگ نے ٹیف نے جو خیال ظاہر کیا ہے کہ بلگیریا کو ترکی حکومت
" سے آزاد کر دینا چاہیے - اس کی نسبت آپ کی کیا رائے ہے - اُن مین سے ایک نے جواب دیا
" کہ یہ نہین ہو سکتا - اِس مین بڑی دقت ہے ایسی حالت مین ہمارے لوگ ارمینا مین صلح و امن
" کے ساتھ نہ رہ سکین گے - اگر عیسائیون کو یورپ مین بھی وہ رعایتین حاصل ہو گئین جو ارمینون
" کو ایشیا مین حاصل نہین ہین تو ہمارے لوگ بہت برہم ہون گے -

" " دوسرے نے جواب دیا کہ " بات یہ ہے کہ ہم روسی رعایا بننا نہین چاہتے - اگر ایسا ہوا تو ہم خوب

" جانتے ہین کہ اس کا کیا نتیجہ ہوگا - ہمین کبھی اپنی زبان استعمال کرنے کی اجازت ندی جائے گی - اور ہم پر
" بہت کچھ دباو ڈالا جائے گا کہ ہم اپنا مذہب بدل دین - ہمین خوب معلوم ہے کہ پولینڈ کے رومن کیتھولک
" لوگون سے کیسا برتاو کیا گیا - ہم ہرگز نہین چاہتے کہ ہم سے بھی ایسا ہی برتاو کیا جائے -
" پہلے صاحب نے پھر کہا کہ ہم جو کچھ چاہتے ہین وہ یہ ہے کہ تمام فرقون سے یکسان برتاو کیا جائے
" اور جب کسی عدالت مین عیسائی کا نام آئے تو اس کے بیان کو ایسا ہی سمجھا جائے جیسے کہ مسلمان کے
" بیان کو اگر اندنون ملک کے مختلف شہرون کے گیئے کنون (یعنی ڈپٹی گورنرون) اور قاضیون کو اس
" معاملہ مین انصاف کرنے پر مجبور کیا جائے تو پھر ہمین شکایت کا کوئی موقع نہین - اگر روسی وہین آن
" آجائینگے تو ہمارے ہم وطنون کی حالت موجودہ حالت کی نسبت دس گنا زیادہ خراب
" ہوجائے گی " ۵۱

ارمنی سیلف گورنمنٹ کے ناقابل ہین

۷۶ - مسٹر چارلس ولیم اپنے ذاتی مشاہدات سے جو انھین ایشیا ر کوچک مین حاصل ہوے یہ لکھتے ہین -

" مین اسے بالکل صحیح اور سچ یقین کرتا ہون کہ اناطولیا اور آرمینا کے عیسائی بلحاظ گوناگون
" رعایات اور مالی اور جانی حفاظت کے زمانہ امن مین مسلمانون کی نسبت کہین اچھی حالت مین ہین
" ایک قابل منشی جس نے بوسینا کی لڑائی (۱۸۷۶ء) مین کام کیا تھا مجھسے کہا کہ ایک موقع پر جب قتل
" کی واردات ہوئی اور صاف طور پر اس بات کا سراغ لگ گیا کہ اس جرم مین ایک مسلمان اور ایک عیسائی
" شریک ہے تو مقامی پاشا نے مسلمان کو تو سب سے قریب درخت پر فوراً پھانسی دلوادی اور یونانی
" کو کئی ہفتہ تک قید مین رکھا - جب اس سے سوال کیا گیا کہ یہ امتیاز کیون کیا گیا تو اس نے جواب
" دیا کہ اگر مین عیسائی کو پھانسی دے دون تو آدھے درجن کونسل میری جان کھا جائین گے - اور میری
" عافیت تنگ کردین گے - کم سے کم کوئی سو انگریزی اخبارون مین مجھے ظلم و جبر کا بانی قرار دین گے -

۵۱ - آن ہارس بیک تھرو ایشیا مائنر مولفہ کپتان فرڈ برنبی جلد ۱ صفحہ ۲۴۳ و ۲۴۴ مطبوعہ لندن
۱۸۷۷ء عیسوی -

"اسی طرح ایشیائی ترکی میں معضلات سے حکام نہ صرف آشوریوں بلکہ ہمیشہ اور عام طور پر ارمنیوں
" یونانیوں پراٹسٹنٹوں اور نسطوریوں کی آزادی جان و مال کے معاملہ میں بہت رحیمانہ برتاؤ کرتے ہیں
" حالانکہ مسلمانوں کے ساتھ اس قسم کا برتاؤ نہیں کیا جاتا۔ بیچارے مسلمانوں پر نہ صرف فوج
" میں آدمیوں کی بھرتی کا بلکہ تمام فوجی رسد وغیرہ کا بھی بار پڑتا ہے۔ اور مثل کانسل جنرل نکسن
" کے میں نے بھی یہ دیکھا ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ معاملات کرنے میں ارمنی سوداگر اور دوسرے
" عام ارمنی اپنی فوقیت اور فضیلت کی بڑی شان دکھاتے ہیں۔ حالانکہ بلحاظ ذہانت تعلیم و
" تربیت ایمانداری جوانمردی و خلوص انہیں ہرگز یہ حق حاصل نہیں ہے۔ کپتان برنبی نے
" جو رائے ان عیسائیوں کے بارے میں دی ہے میں اس سے بالکل متفق ہوں بلکہ میں اس پر یہ
" اضافہ کرتا ہوں کہ وہ ہرگز اس سلطنت گورنمنٹ کے مستحق نہیں جس کی وہ خواہش رکھتے ہیں۔ اور
" اس کا یہ نتیجہ ہوگا کہ جو ان میں غریب ہیں انہیں بجائے کوڑے پٹوانے کے وہ بچھوؤں سے کٹوائیں گے
" آرمینیا میں عیسائیوں کو کامل اور اعلیٰ آزادی حاصل ہے۔ ان کے گرجاؤں کے چوٹیوں پر صلیب کے
" نشان نمایاں ہیں اور سالہا سال سے وہ اپنی مذہبی رسوم اور عقائد کو بجا لا رہے ہیں۔ اور کبھی کسی قسم کی
" مداخلت یا دست اندازی کی کوشش نہیں کی گئی۔ قدیم زمانہ گذشتہ میں جو کچھ حالت رہی ہو لیکن
" اب اسلام تغیر کی طرف مائل ہے اور وہ مختلف فرقوں کے ساتھ جو اپنے آپ کو عیسائی لکھتے ہیں
" زیادہ نرمی اور مصالحت کا برتاؤ کرتا ہے حالانکہ یہ فرقے ایک دوسرے کے ساتھ ایسا اچھا برتاؤ نہیں
" کرتے اور یہ خیال رہے کہ اگرچہ عیسائی اب بھی کبھی کبھی شکوہ و شکایت کرتے رہتے ہیں اور اپنی مصیبتوں
" اور تکلیفوں کا دکھڑا روتے ہیں۔ مگر یہ سب مصیبتیں محض خیالی ہیں انہیں اگر کسی سے ڈر ہے تو
" اپنی حمایتیوں کی کامیابی سے۔ ارمنیوں کا ہر فرقہ اور ہر جماعت اس بات سے خائف ہے کہ کہیں روس
" ایشیائی ترکی کا الحاق نہ کرے۔ یہ سچ ہے کہ ارض روم میں ارمنیوں کا ایک جتھا ایسا ہے جسے
" مسٹر اوبرمولر کا قونصل خانہ دن دہاڑے کھلے خزانہ رشوتیں دیکر خراب کر رہا ہے اور یہ لوگ اپنی
" آقاؤں کے لئے جھوٹ بولتے اور سازشیں کرتے ہیں۔ لیکن یہ چند درجن سے زیادہ نہیں ہیں

" اور اگر یہ کسی دوسرے ملک مین ہوتے تو یہ ذلیل باغی سمجھ کر کبھی کے جلا وطن کر دیے جاتے یا پھانسی
" دیدیے جاتے - ارمنی آبادی کی کثیر جماعت صرف یہی چاہتی ہے کہ انھین اپنے حال پر چھوڑ دیا
" جائے اور بغیر کسی ذاتی بار کے اُٹھانے کے وہ سلطنت کے انتظام مین دخیل رہین - وہ بلا تامل
" اس امر کا اظہار کرتے ہین کہ ہمین روسی الحاق نہین چاہئے کیون کہ روس انھین سپاہی بنائے گا -
" اور اگر انھین ترکون سے کچھ زیادہ محبت نہین ہے تو انھین ترکون کے موروثی دشمنون سے اس سے
" بھی کم محبت ہے - خصوصًا وہ ارمنی جو مشرقی حصہ مین رہتے ہین وہ خوب سمجھتے ہین کہ روسیون
" کی حکومت کا کیشیا مین کیسی ہے - اگر کل آرمینیا مین عام طور پر ووٹ لئے جائین اور ترکی افسر اور
" روسی ایجنٹ اس مین مطلق دخل نہ دین تو مجھے یقین ہے کہ پانچ فیصدی ووٹ بھی زار
" کے وسیع سلطنت کے ساتھ الحاق کے لئے نہ آئین گے - ۱؎

ارمنیون مین سوراج کی قابلیت نہین

۷۷ - بلگیریا - بوسینا - ہرزی گوینا اور مان ٹی نگرو کی بغاوتین خاص روس کی سازشون کا نتیجہ تھین - لیکن یہان مجھے ارمینیا سے بحث ہے اور اس کے متعلق مین یہ لکھنا چاہتا ہون کہ اگرچہ اس کی یہ خواہش رہی ہے کہ موجودہ حکومت مین تغیر ہو جائے تاہم اس نے نہ بغاوت کی اور نہ اس کش مکش سے کچھ فائدہ اُٹھایا وہان کے لوگون مین مطلق کوئی بد اطمینانی نہین ہے وہ نہ کوئی شکایت کرتے ہین نہ بغاوت کی کوشش کرتے ہین - اور اگر اُن سے ایسا کوئی فعل صادر ہوتا ہے تو وہ مکار اور غدار پڑوسیون کی تحریک اور اشتعال کی وجہ سے ہوتا ہے - ترک اگر بُرے ہین تو ارمنی بے انتہا بُرے ہین اگر اِن کی سوراج کی تمنا پوری ہو گئی تب بھی وہ اپنی کمینہ خصلت ، بد اخلاقی ، جہالت ، باہمی حسد و رشک اور قومی تعصب کی وجہ سے بالکل ناقابل ثابت ہون گے - اس سے اُس درخواست کے معنی حل ہو جائین گے جو انھون نے اپنے مذہبی مقتداؤن کے ذریعہ باب عالی مین پیش کی تھی - اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر دول یورپ کی تجاویز کے مطابق سوراج یا اصلاحین اور رعایتین اہل بوسینا اور ہرزی گوینا کو دیجائین

۱؎ دی آرمینین کم پین مولفہ چارلس ولیمس صفحہ (۱۰۱ — ۱۱۳) دیباچہ مطبوعہ لندن ۱۸۷۸ع -

تو اس سے سلطنت کے لئے بڑے بڑے خطرے پیدا ہوتے - کیون کہ یہ جدید حقوق گویا بیوفا رعایا اور باغی آسامیون کے لئے ان کی نالایقی کا صلہ ہوتے - اور دوسرے مذہب و ملت کے لوگون کے لئے اِس امر کی ترغیب ہوتی کہ بجاے اس کے کہ وہ اپنے عزیز اور فیاض طبع سلطان کے سامنے شکایات پیش کر کے اس کے انصاف اور فیاضی پر بھروسہ کرین - وہ بھی انھین ذرائع سے اپنا مقصد حاصل کرین -

ترکون اور آرمینون مین منافرۃ

۸۷ - اس مین کچھ شبہ نہین کہ ترکون اور ارمینون مین باہمی منافرۃ پائی جاتی ہے - اور ترک ارمینون سے نفرت اور حقارت کرتے ہین - لیکن اِس منافرت کا باعث نہ سلطان ہے نہ باب عالی اور نہ اسلام - یہ نفرت مذہبی وجوہ سے نہین بلکہ اس کا پتہ یا تو مشرقی کلیسا سے لگتا ہے یا ارمینون کے اخلاقی تنزل سے -

کپتان سن کلیر اور چارلس بروفی مصنفین "ٹوُوِیرس سٹڈی آف دی ایسٹرن کویسچن" (دوازدہ سالہ مطالعہ مسئلہ شرق) لکھتے ہین کہ

" اگر ترک رعایا سے نفرت کرتے ہین تو اس لئے کہ وہ عیسائی ہین - کیون کہ اگر وہ کسی مذہب
" کو اپنے مذہب کے بعد سب سے بہتر سمجھتے ہین تو وہ عیسائی مذہب ہے - بلکہ یہ نفرت اُن کے خصائل
" اخلاق کی وجہ سے ہے - ایک حساس طبیعت کا شخص ایک سال کلیساے یونانی کے مقتداؤن
" کے ساتھ رہنے کے بعد انکار نہ کر سکے گا کہ تمام امور مین یہان تک کہ مذہب مین بھی مشرقی کلیسا یونان
" اسلام سے بدرجہا کمتر ہے" [۵۱]

ریورنڈ ہنری فنیشا ٹوزر نے مسٹر پیری و مسٹر ہیبتار ڈو سے جو گفتگو ترکی آرمینیا اور ایشیا ر

[۵۱] ترک "گبر" کا لفظ بلگیریا کے رومن کیتھلک لوگون کے لئے ہرگز استعمال نہین کرتے کیون کہ وہ عیسائی ہین اور دوسرے اہل بلگیریا عیسائی ہرگز نہین - ترکون اور رومن کیتھلک لوگون مین جو دوستانہ تعلقات ہین وہ مدبرین سلطنت کے لئے قابل غور ہین کیونکہ یہ روما اور باب عالی کے اتحاد کا ثبوت نہین بلکہ عیسائیت اور اسلام کی حقیقی مصالحت کی دلیل ہے" (ٹوُوِیرس سٹڈی آف دی ایسٹرن کویسچن ان بلگیریا" صفحہ ۱۹۱ مطبوعہ لنڈن ۱۸۸۱ء)

کوچک کے مسلمانوں اور عیسائیوں کے باہمی تعلقات کے بارہ میں کی اس کا خلاصہ
حسب ذیل تحریر فرماتے ہیں۔

" جب میں نے یہ دریافت کیا کہ آیا ایک عیسائی کی شہادت عدالتوں میں تسلیم کی جاتی
" ہے یا نہیں تو مجھے جواب نفی میں ملا۔ مگر باوجود اس کے مسٹر پیری نے کہا کہ میں ذاتی طور پر عیسائیوں
" کو ترجیح نہیں دیتا۔ اور کہا کہ زندگی کے تمام معمولی معاملات میں مسلمانوں کے ساتھ معاملہ رکھنا زیادہ
" خوشگوار معلوم ہوتا ہے۔" ۵۷

کپتان برنبی نے اپنی سیاحت ایشیائے کوچک میں اُس تعصب کا ذکر بھی کیا ہے جو
اکثر بیان کیا جاتا ہے کہ ترکوں کو آرمینیوں سے ہے اور ثابت کیا ہے کہ آرمنی لوگ تمدنی حالت
کی رو سے ذلیل ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

" تھوڑا عرصہ ہوا کہ سیواس میں ایک بہت بڑی آگ لگی اور وہاں کے عیسائی باشندوں کا تقریباً
" تین کروڑ پیاسٹر کا نقصان ہوا۔ ترک خوشی سے انھیں اپنے گھروں میں نہیں آنے دیتے تھے لیکن
" جب وہ آجاتے تھے تو اُن کے جانے کے بعد اپنی چٹائیاں کھڑکیوں میں سے یہ کہتے ہوئے باہر
" پھینک دیتے تھے کہ گبروں کے چھونے سے ناپاک ہوگئی ہیں۔ یہ واقعہ ترکوں کے تعصب کے
" ثبوت میں بیان کیا گیا تھا۔

" لیکن میری بعد کی سیاحت آرمینیا میں رفتہ رفتہ مجھے یہ معلوم ہوا کہ ترکوں کی درحقیقت یہ
" بڑی دانشمندی تھی کہ وہ آرمینیوں کو اپنے گھروں میں نہیں گھسنے دیتے تھے۔ اگر وہ اپنی نیک
" طبعی کی وجہ سے انہیں آنے کی اجازت دیتے تھے تو وہ اپنے مہمانوں کے چلے جانے کے
" بعد اُن بستروں کو تلف کر دیتے تھے۔ آرمنی انتہا درجہ کے غلیظ ہوتے ہیں اُن کے گھروں اور
" کپڑوں میں جوئیں بھری رہتی ہیں۔ برخلاف اس کے ترک بہت صاف ستھرے ہوتے ہیں اور
" خصوصاً نہانے دھونے کا بڑا خیال رکھتے ہیں۔ کیا ایک انگریز خوش ہوگا کہ اس کے گھر میں

۵۷ ترکش آرمینیا اینڈ ایسٹرن ایشیا مائنر مولفہ ریورنڈ ہنری فینشا ٹوزر صفحہ ۱۰۲ مطبوعہ لندن ۱۸۸۱ء۔

" چیزون سے بھر جائے جن کا نام لینا بھی یہان مناسب نہین معلوم ہوتا؟ اور اگر ایسا واقعہ پیش بھی
" آجائے تو غالبًا اُسے یہ کرنا پڑے گا کہ ایسے مہمانون کے رخصت ہونے کے بعد اُن کے برتنون
" کو آگ لگا دے" ۵۱

مسٹر فارلی نے مسٹر آرنلڈ اڈیٹر اخبار ایکو کی مفصلۂ ذیل رائے ہر لیٹرز فرام دی لیوانٹ (خطوط از لیوانٹ) سے اقتباس کی ہے۔

" مجھے یہ بات ایک آنکھ نہین بھاتی کہ خوا مخواہ بغیر تحقیق کئے عیسائی ممالک کے مقابلہ مین
" مسلمانون کے رسوم اور معاملات کی تعریف و ثنا کی جاتی ہے۔ اگر مجھے اس امر کی ضرورت ہو کہ استنبول
" کے عیسائیون سے معاملہ کرون یا مسلمانون سے تو مین بلا تامل مسلمانون کو ترجیح دونگا کیونکہ وہ عمومًا
" زیادہ متدین اور کھرے ہوتے ہین۔ لیکن عیسائیون اور یہودیون مین مین انھین وجوہ سے عیسائیون
" کو ترجیح دون گا۔ لیکن اس کی یہ وجہ نہین ہے کہ اسلام عیسائیت سے زیادہ بہتر ہے۔ بلکہ اس لئے
" کہ حکومت مآب ترک بوجہ زمانہ دراز کی حکومت کے ایسا کمینہ اور عیار نہین ہے جیسا کہ محکوم عیسائی جس
" کی طینت میں عیاری اور کمینہ پن مین آگیا ہے۔ اور خصوصًا یہودی جو اب تک جبر و تعدی کا شکار
" رہے ہین" ۵۲

ملتقی اور ریورنڈ مسٹر میکال

۷۹ - ریورنڈ مسٹر میکال نے اپنے مضمون مندرجہ نائنٹینتھ سنچری بابت ماہ دسمبر ۱۸۷۶ء مین ایک لمبا چوڑا اقتباس مسلمانون کی ایک معمولی کتاب فقہ ملتقی الابحر فی فروع الحنفیہ جو شیخ ابراہیم حلبی (متوفی ۹۵۶ھ ہجری) نے مشہور چار فقہی کتب قدوری - مختار - کنز - اور وقایہ سے تالیف کی ہے درج کیا ہے - اور عیسائی رعایا کی حالت پر بحث کرتے ہوے پادری صاحب فرماتے ہین کہ حضرت عمرؓ کی امان کی ایک حصہ کی ہو بہو نقل ہے اور اس کے بعد یہ بھی لکھتے ہین کہ یہ "باب عالی کی عیسائی رعایا کی مدامی حالت ہے" اب اس مین تین امور قابل

۵۱ ٹون ہارس بیک تھرو ایشیا مائنر مؤلفہ کیپٹن فریڈ برنبی صفحہ (۱۳۱ - ۱۳۲) مطبوعہ لندن ۱۸۷۷ء-

۵۲ ٹرکس اینڈ کرسچنز مؤلفہ جے لیوس فارلی صفحہ ۲۴ مطبوعہ لندن ۱۸۷۶ء-

بحث ہین۔

اوّل۔ کیا ملتقے ترکی کا قانونی ضابطہ ہے؟

دوم۔ کیا غیر مسلم رعایا کے غیر مساوی حقوق ملتقی یا دوسرے فقہی کتب مین درج ہین جن کا اطلاق ترکی عیسائی رعایا پر ہوسکتا ہے؟

سوم۔ جس سیاسی اور تمدنی غیر مساوات کا ذکر فقہی کتب مین ہے وہ کس مسئلہ پر مبنی ہے۔

۸۰۔ ملتقی ترکی کا قانونی ضابطہ نہین ہے؟ ملتقے اور اس کے ماخذ

یہ منجملہ اُن کتب کے ہے جو اسلامی ممالک مین ہر زمانہ کے مختلف مصنفین نے تالیف کی ہین۔ اس قسم کی تالیفات ایک دوسرے کی نقل ہوتی ہین۔ اور خود اُن مین کوئی جدت نہین ہوتی۔ جیسا کہ مین نے پہلے ذکر کیا ہے ملتقی چار دوسرے فقہی کتب یعنی قدوری۔ مختار کنز۔ اور وقایہ سے ماخوذ ہے۔

۱۔ قدوری کے مولف امام ابو الحسن احمد بغدادی ہین۔ اس کا نام مختصر قدوری ہے۔ مگر عموماً قدوری کے نام سے مشہور ہے مولف کا انتقال ۴۲۸ سنہ ہجری مین ہوا۔ یہ فقہ حنفی پر مبنی ہے۔

۲۔ مختار فی فروع الحنفیہ ابو الفضل مجد الدین موصلی حنفی کی تالیف ہے اس مولف کا انتقال ۶۸۳ سنہ ہجری مین ہوا۔

۳۔ کنز جس کا پورا نام کنز الدقایق فی فروع الحنفیہ ہے عبد اللہ بن احمد ابو البرکات کی تالیف ہے جو حفیظ الدین نسفی کے نام سے مشہور ہین ان کا انتقال ۷۱۰ سنہ ہجری مین ہوا۔

۴۔ وقایہ یا وقایۃ الروایہ فی مسائل الہدایہ من تالیف امام محمود برہان الشریعہ ابن صدر الشریعہ محبوبی۔ یہ کتاب ہدایۂ علی برہان الدین مرغینانی کا خلاصہ ہے اور ہدایہ اسی مصنف کی کتاب بدایہ کی شرح ہے۔ لیکن درحقیقت اس مین مختصر قدوری جس کا اوپر ذکر ہوا ہے۔

اور جامع الصغیر تالیف امام محمد شیبانی (متوفی ۱۸۹ ہجری) جو امام ابو حنیفہ کے شاگرد تھے شریک ہین -

مسلمانون کی تمام کتب فقہی کے دو حصے ہوتے ہین - ایک عبادات جس مین عبادت الہی کا ذکر ہوتا ہے - دوسرا معاملات جس مین دنیاوی معاملات کا بیان ہوتا ہے - اسلامی ممالک مین یہ کتابین ہر جگہ پڑہائی جاتی ہین - اور جدید کتب بہی جو اگرچہ قدیم کتب کی محض نقل ہوتی ہین مسلمان طلبہ لکھتے رہتے ہین اور ہندوستان مین بہی ایسی کتابین لکہی گئی ہین - لیکن اُن پر عمل نہین ہوتا خصوصاً دوسرے حصہ پر جو دنیاوی معاملات سے متعلق ہے - اس حصہ مین علاوہ دیگر امور کے غیر مسلم رعایا کے سلاطین مسلم کی قانونی غیر مساوات کا ذکر بہی ہوتا ہے - لیکن اسے عموماً مولفین مثل مردہ قانون کے لفظاً بہ لفظ نقل کر دیتے ہین - یہی حال ملتقی - درالمختار اور دیگر فقہی کتب کا ہے جو ترکی یا دیگر اسلامی ممالک مین طبع ہوئی ہین - مسلمان اکثر ان فقہی کتابون کو عبادات اور بعض اوقات معاملات عقد طلاق وراثت و معاہدہ کے لئے دیکھتے جاتے ہین مگر ان کی کوشش اکثر رائگان جاتی ہے کیونکہ ہر جگہ اُسے اغلاط اور اختلاف آراے کا سامنا ہوتا ہے اور کوئی قول فیصل نہین ملتا اور ان کے شبہات ویسے ہی رہتے ہین جیسے پہلے تھے - لیکن ان فقہی کتب کی فوجداری مالی اور پولیٹکل (سیاسی) حصون پر کسی اسلامی ملک مین عمل نہین ہوتا یہان تک کہ مکے اور مدینے مین بہی اس پر عمل درآمد نہین چہ جائے کہ ترکی مین ہو -

ترکی مین غیر مسلم رعایا حقوق کی غیر مساوات بذریعہ فرامین منسوخ کردی گئی ہے -

۸۱ - دوم غیر مسلم رعایا کے غیر مساوی حقوق کے متعلق جو اس قدر بیان کیا جاتا ہے اور جو فقہی کتب مین مندرج ہین - ترکی کی عیسائی رعایا پر اُن کا اطلاق نہین ہو سکتا - اول تو اس لیے کہ وہ کسی مذہبی یا قانونی بنا پر نہین ہین اور دوسرے اس لئے کہ اصلاح پسند سلاطین کے متعدد فرامین کی رو سے وہ منسوخ بہی کر دئے گئے ہین -

بعد کے سلاطین نے اس امر کا صاف صاف اظہار کر دیا ہے کہ باب عالی کی رعایا

بلالحاظ مذہب و ملت یک سان حقوق رکھتی ہے چنانچہ خط شریف بابتہ ۱۸۳۹ء مین اسکا اعلان موجود ہے۔ یہ اصلاحات ان مین مستحکم اصول پر مبنی نہین۔

۱۔ "ذمہ داری جس سے ہماری رعایا کو اپنی جان و مال اور عزت کی کامل حفاظت کا یقین ہو"

۲۔ ٹیکس قایم کرنے اور وصول کرنے کا باقاعدہ انتظام"

۳۔ سپاہیون کے بھرتی کرنے اور اُن کی مدت ملازمت کے متعلق باقاعدہ انتظام"

اس کے بعد خط مذکور مین یہ تحریر ہے کہ "جیسا کہ ہمارے فقہ کے مقدس مضمون کا منشا ہے ہم اپنی سلطنت کے رعایا کو اُن کی جان و مال اور عزت کی کامل حفاظت عطا کرتے ہین[۵۱]"

ایک اور خط (فرمان) کی رو سے جو خط ہمایون بابتہ ۱۸۵۶ء کے نام سے موسوم ہے تمام رعایاے سلطنت کو بلا امتیاز مذہب و ملت اُن کی جان و مال و عزت کی حفاظت کی ذمہ داری لی گئی ہے۔ سب سے آخری فرمان بابتہ ۱۸۷۵ء اور سب سے آخری اعلان انتظام بابتہ ۱۸۷۶ء مین اس اصول کی پوری پابندی کی گئی ہے۔ اس انتظام کی رو سے تمام عثمانی رعایا قانون کے سامنے برابر ہے۔ بغیر کسی مذہبی تعصب کے ان کے یک سان حقوق اور یکسان فرائض ہین۔ ان تمام خطون (فرامین) کی تائید مین قرآنی آیات اور صحیح احادیث اور مستند کتب کے حوالے پیش کئے گئے ہین۔ اگرچہ انتظامی اور سیاسی معاملات مین سواے ازراہ اطلاع و ہدایت اس قسم کے اسناد کی ضرورت نہین ہے۔

"دماؤھم کدمائنا واموالھم کاموالنا"

یعنی اُن کا (غیر مسلم رعایا کا) خون ہمارے خون کے مانند ہے۔ اور ان کا مال ہمارے مال کے مانند ہے۔ یہ مسلمانون کی فقہ کا مذہبی اصول ہے جس کی رو سے غیر مسلم

۵۱ رائز اینڈ ڈیکلائن آف دی رول آف اسلام مولفہ آرچی بالڈ جے ڈن صفحہ ۲۵۴ مطبوعہ لنڈن ۱۸۷۸ء۔

رعایا کی جان و مال و عزت کی پوری ذمہ داری اپنے اوپر لی گئی ہے۔ ایک دوسرا اصول یہ ہے۔

"لهم ما للمسلمين وعليهم ما على المسلمين"

یعنی جو مسلمانوں کے بھلے کے لئے ہے وہ اُن کے بھلے کے لئے اور جو مسلمانوں کے نقصان کے لئے ہے وہ اون کے نقصان کے لئے ہے یا دوسرے الفاظ میں یون کہنا چاہیئے کہ حقوق و ذمہ داریون مین کامل مساوات ہے۔ یعنی غیر مسلم رعایا کے وہی حقوق ہین جو مسلم رعایا کے اور نیز اُن پر وہی فرائض ہین جو مسلم رعایا پر ہین[۵۱]

شیخ الاسلام

۸۲۔ ریورنڈ مسٹر میکال لکھتے ہین۔

"خط ہمایون بابت ۱۸۵۶ء کے بارے مین جس کی رو سے سلطان کی عیسائی رعایا کو مساوی

"حقوق عطا کئے گئے تھے کبھی ضروری فتوے حاصل نہین کیا گیا۔ اور نہ اس کے متعلق فتویٰ دیا جاسکتا ہے

"کیونکہ از روے شرع شریف غیر مسلم کے لئے حقوق کی مساوات ممنوع ہے"[۵۲]

یہ کوئی ضرور نہین ہے کہ گورنمنٹ کے پولیٹکل معاملات کے لئے شیخ الاسلام کا فتویٰ بھی ہو۔ شیخ الاسلام کا عہدہ مذہبی عہدہ نہین ہے۔ یہ عہدہ نوین صدی ہجری مطابق پندرہوین صدی عیسوی مین بہ عہد سلطان مراد ثانی قایم ہوا تھا۔[۵۳]

---

[۵۱] جن لوگون سے جزیہ طلب کیا جاتا ہے اگر وہ اس کے دینے پر راضی ہون تو وہی حفاظت اور حقوق کے مستحق ہین جو مسلمانون کو حاصل ہین۔ کیونکہ حضرت علیؓ نے فرمایا ہے "کفار جزیہ دیتے ہین تاکہ اُن کا خون مسلمانون کے خون کے مانند اور اُن کا مال مسلمانون کے مال کے مثل ہوجائے" ہدایہ (شرح فقہ اسلام) مترجمہ چارلس ہملٹن جلد ۲ صفحہ ۲۱۴ مطبوعہ لندن ۱۷۹۱ء۔

[۵۲] کن ٹمپوریری ریویو بابت اگست ۱۸۸۱ء صفحہ ۲۶۹۔

[۵۳] دیکھو اقتباس الجوائب جلد ۲ صفحہ ۱۱۔ مسٹر ڈبلیو ایس بلنٹ نے اپنی کتاب "فیوچر آف اسلام" مین عہدۂ شیخ الاسلام کے وجود مین آنے کے متعلق تاریخ قایم کرنے مین غلطی کی ہے۔ کیونکہ اِن کی رائے مین عہدۂ مذکور

شیخ الاسلام سلطان کا محض بندہ ہے اور اس کا یہ عہدہ سلطان کی رضامندی پر موقوف ہے - اس سے اکثر قانونی اور سیاسی امور مین بحیثیت مشیر قانون مشورہ لیا جاتا ہے - لیکن اُسے گورنمنٹ کے کسی فعل یا قانون کے منسوخ کرنے کا حق نہین ہے - بالفرض اگر شیخ الاسلام نے خط ہمایون بابتہ ١٨٥٦ء کی تائید اپنے فتوے سے نہین کی تو نہ سہی - کیون کہ فرمان مذکور کی تائید مین شرع اسلام کے مذہبی اصول اور عمدہ گورنمنٹ کے نظائر موجود ہین - کیا سابق کا خط شریف بابتہ ١٨٣٩ء جو سلطان عبد المجید نے جاری کیا تھا سلطان مراد مرحوم کی دیوانی اصلاحون کی تائید و تصدیق نہین کرتا ؟ اور کیا اس کی رو سے جو شرع شریف کے الفاظ پر مبنی ہے - عیسائیون اور مسلمانون مین مساوی حقوق قایم نہین ہوتے (جس کا ذکر فقرہ (٨١) مین کیا گیا ہے ؟) کیا یہ فرمان علما کے روبرو جاری نہین ہوا ؟ کیا ان سے اس کی اتباع کے لئے حلف نہین لیا گیا تھا ؟ چون کہ خط ہمایون بابتہ ١٨٥٦ء اسی سلطان نے جاری کیا تھا جس نے خط شریف ١٨٣٩ء کو قایم کیا تھا - لہٰذا اس کے متعلق شیخ الاسلام کے فتوے کا ہونا نہ ہونا برابر ہے جبکہ یہ شرع شریف اسلام پر مبنی ہے -

٨٣ - ممکن ہے کہ سلطان محمود نے ١٨٢٧ء مین سلطنت عثمانیہ کے انتظام مین عیسائی دول کی بیجا مداخلت کی مخالفت مین ناراضی کا اظہار کیا ہو - اس لئے یہ بھی لکھا ہے کہ "سلطنت عثمانیہ کے معاملات شرع شریف کی رو سے طے پاتے ہین اور اس کے قواعد مذہبی اصول کے بالکل مطابق ہین" [۵]

نوق مین غیر سادات مستند نہین

لیکن اسلامی سلطنت کی غیر مسلم رعایا کی قانونی حیثیت اور ٹکس ادا کرنے مین جو ان کی ناگوار حالت نظر آتی ہے وہ مذہبی اصول کے ہرگز مطابق نہین ہے - ریورنڈ مسٹر میکال نے

بقیہ حاشیہ صفحہ ١٤٦ - سلطان سلیمان اعظم کے عہد مین قایم ہوا - حالان کہ اصل یہ ہے کہ شاید یہ عہدہ سلطان سلیمان کے عہد مین زیادہ ممتاز اور وقیع ہو گیا تھا [۱]

[۵] یہ الفاظ مسٹر میکال نے کنٹمپوریری ریویو بابت ماہ اگست [illegible] کے فٹ نوٹ مین درج کئے ہین -

یہان ایک ایسی غلطی کی ہے جو کبھی معاف نہین ہوسکتی - یعنی انھون نے غیر مسلم رعایا کی حالت اور حیثیت کو اس طور سے ظاہر کیا جو بعض فقہی کتابون مین درج ہے اس کی حالت بعینہ ایسی ہے جیسے بعض انگریزی فوجداری کے قانون قانونی کتب مین اب تک درج ہین حالانکہ ایک مدت سے ان پر عمل درآمد ہونا موقوف ہوگیا ہے - پادری صاحب نے فقہ اور شرع اسلام کو جس سے ہمیشہ قرآن پاک یا حدیث نبوی مراد ہوتی ہے گڈمڈ کر دیا ہے - مسٹر میکال نے غیر مسلم رعایا کی حالت کے متعلق جو عبارت ملتقیٰ سے نقل کی ہے (دیکھو فقرہ ۷۹) اسے ہر شخص جانتا ہے کہ وہ نہ قرآن کی آیات ہین اور نہ صحیح احادیث نبوی اور نہ وہ شریعت فقہ کی ان کتابون مین پائی جاتی ہے جن کا ماخذ خالص احادیث نبوی ہے -

اس غیر مساوات کا ذکر قرآن مین نہین ہے

۸۴ - سوم اسلامی ملک کی غیر مسلم رعایا کی دیوانی اور پولیٹکل (سیاسی) غیر مساوات کا جو ذکر کتب فقہی مثل ملتقیٰ اور ہدایہ[۱ھ] مین آیا ہے وہ بالکل بلا دلیل ہے - اور اس کی تائید مین کوئی قانونی یا مذہبی سند نہین ہے اور لہذا کوئی شخص اسے "عیسائی رعایا کی مدامی حالت کا غیر متبدل یا مقدس قانون" نہین کہہ سکتا اور نہ یہ ایسا ہوسکتا ہے - قرآن پاک مین اس کی ہدایت کہین نہین ہے اور نہ احادیث نبوی مین خواہ وہ صحیح ہون یا ضعیف یا موضوع کسی اسلامی کتاب فقہ مین جس کی بنا احادیث نبوی یا اخبار صحابہ پر ہے اس قسم کی غیر مساوات کا ذکر نہین ہے - سب سے پہلی

---

[۱ھ] "امام کو چاہئے کہ لباس اور دیگر سامان کے متعلق مسلمان اور ذمی مین امتیاز کرے - لہذا ذمی کو جائز نہین کہ وہ گھوڑے پر سوار ہو یا ہتیار استعمال کرے یا ایسی زین استعمال کرے یا وہی لباس اور پگڑی پہنے جو مسلمان پہنتے ہین - اور جامع صغیر مین لکھا ہے کہ ذمیون کو ہدایت کی جائے کہ وہ اپنے لباس کے اوپر کھلی قسطف پہنے (قسطیف ایک اونی رسی یا پٹی ہوتی ہے جو لباس کے اوپر کمر مین باندھتے ہین) نیز انہین یہ ہدایت کی جائے کہ جب وہ کسی جانور پر سوار ہون تو ایسی زین استعمال کرین جو گدھے پر لگائی جاتی ہے (ہدایہ یا شرح فقہ اسلام مترجمہ چارلس ہملٹن جلد ۲ صفحہ ۲۲۰ - یہ معلوم رہے کہ یہ تمام ذلیل علامات صرف بڑے بڑے بلاد اسلامی کے لئے تھے - قصبات و دیہات کے لئے نہ تھے -

فقہ کی کتاب جس کی بنیاد احادیث نبوی اخبار صحابہ اور رسم ورواج مدینہ پر ہے دوسری صدی مین امام مالک (سنہ ۹۵ ہجری وفات ۱۷۹ ہجری نے تالیف کی۔ وہ اسلامی فقہ کے ائمہ اربعہ مین سے ہین۔ یہ کتاب و دیگر کتب فقہی اور نیز اس صدی کی تالیفات مثلاً المنتقی فی الاخبار تالیف ابو محمد الملکی (وفات ۳۴۳ م) اور درر البہیہ مین تالیف قاضی القضاۃ علی بن محمد الشوکانی الیمنی سنہ وفات سنہ ۱۲۵۵ھ ایک اسلامی سلطنت کی غیر مسلم رعایا کے متعلق اس قسم کی غیر مساوات یا ذلیل قانون یا حقیر حالت کو تسلیم نہین کرتین۔

۸۵۔ ذمیون کے غیر مساوی حقوق کا سراغ خالد یا حضرت عمرؓ خلیفہ ثانی تک لگایا گیا ہے۔ فتوح الشام مین جو عمر واقدی سے منسوب کی جاتی ہے یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب خالد نے سکندریہ کو فتح کیا تو انھون نے وہان کے لوگون پر چند شرطین قایم کین جن مین سے بعض یہ ہین۔ — خالد کا قانون نہ مذہبی ہے نہ مستند

"وہ جانورون پر سوار نہ ہون اور اپنے گھر مسلمانون کے گھرون سے اونچے نہ بنائین۔ وہ مسلمانون
" کی آواز سے زیادہ بلند آواز مین گفتگو نہ کرین۔ وہ کوئی گرجا یا معبد نہ بنائین اور نہ کسی شکستہ معبد کی
" درست کرین۔ اور اپنے مذہب کے امتیاز کے لئے اپنی پیٹی پر زنار باندھین اور صلیب یا کنشتی کو نہ
" دکھائین۔[۵۱]

لیکن جو کچھ خالد نے کیا وہ قانون نہین ہو سکتا۔ چہ جائے کہ اسے شریعت اسلام کا غیر متبدل قانون سمجھا جائے۔ انہین اس قسم کا کوئی حق نہ تھا۔ اور علاوہ اس کے وہ ایک غیر محتاط جابر سپاہی تھے۔

۸۶۔ لباس اور ساز و سامان کے امتیازات جن کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ خلیفہ ثانی نے قائم کئے (اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کیونکہ روایات اس کے متعلق صحیح اور قابل اعتبار نہین) وہ عیسائی رعایا کے بعض فرقون کے متعلق خاص تجاویز تھے۔ لیکن وہ اس — لباس وغیرہ کا امتیاز

۵۱ کان کوسٹ آف سریا (فتوح الشام) جلد ۲ صفحہ ۹۶ مطبوعہ مصر۔

انگریزی فوجداری قانون سے جو رومنسٹ اور یورپ[۵۱] کے پسٹ فرقون کے خلاف جاری کیا گیا تھا۔ سختی اور شدت مین بہت کم تھے۔ اور وہ کسی حالت مین غیر متبدل اور الٰہی قانون نہین ہو سکتے حضرت عمرؓ نے جو قانون جاری کیا تھا وہ صرف اتنا تھا کہ ذمی لوگ ایک جست کی ہنسلی گلے مین پہنین[۵۲] اور اپنے سر کے سامنے کا حصہ منڈائین۔ اور اس کے ساتھ یہ حکم بھی تھا کہ اپنی کمر مین ایک پتلی سی پیٹی باندھین[۵۳]۔ لیکن یہ حکم اُن کی عام ذلت کے لیے نہ تھا کیونکہ ہر شخص گلے کی ہنسلی اور سامنے کا منڈا ہوا سر چھپا سکتا تھا۔ اس سے صرف یہ مقصد تھا کہ مسلم اور غیر مسلم مین امتیاز ہو سکے۔ کیونکہ لباس سب کا یکسان تھا اور کوئی قومی لباس تھا نہین۔ مثلاً عام حمامون مین جہان سب جمع ہوتے تھے اس امتیاز کی ضرورت تھی۔ علاوہ اس کے یہ خاص حالت تھی اور عام طور پر غیر مسلم رعایا سے اس کا کچھ تعلق نہ تھا۔ امام نووی نے جو اعلیٰ درجہ کے فقیہ گذرے ہین اپنی کتاب منہاج مین ذمیون کے متعلق یہ تحریر فرماتے ہین "جب وہ کسی ایسے عام حمام مین داخل ہو جہان مسلمان بھی ہین یا اپنے کپڑے اُتار ڈالے تو اس کے گلے مین جست یا لوہے کی ایک ہنسلی پہنا دی جائے[۵۴]" بالفرض اگر حضرت عمرؓ نے کوئی ایسا قانون بنایا بھی تھا تو یہ ظاہر

[۵۱] علاوہ دیگر غیر مساوی حقوق کے رومن کیتھلک لوگ کارپوریٹ دفاتر سے ۱۶۶۱ء مین پارلیمنٹ سے ۱۶۷۸ء مین خارج کر دیے گئے۔ ۱۶۸۹ء مین انھین پراٹسٹنٹون سے شادی بیاہ کرنے کی ممانعت کر دی گئی ۱۶۹۵ء مین اسلحہ کے رکھنے کی ممانعت کی گئی۔ وغیرہ وغیرہ" ہیڈنز ڈکشنری آف ڈیٹس۔ آرٹیکل رومن کیتھلک۔

[۵۲] اس ہنسلی کا خیال پڑھ کر مجھے ایڈورڈ ششم کا قانون یاد آگیا جو سولھوین صدی مین جاری ہوا تھا کہ تمام آوارہ گرد لوگ غلام بنا لیے جائین اور اپنے گلون۔ بازوؤن اور ٹانگون مین لوہے کے طوق پہنین (بلیک اسٹون کی شرح قانون انگلستان جلد ۴ صفحہ ۴۵۸ مطبوعہ لندن ۱۸۴۱ء۔ ہیڈنز ڈکشنری آف ڈیٹس صفحہ ۶۶۲)

[۵۳] بیہقی نیل الاوطار من اسرار منتقی الاخبار تالیف قاضی شوکانی جلد ۷ صفحہ ۲۷۲ دیکھو سیوطی کی تاریخ مصر و قاہرہ حسن المحاضرہ فی اخبار المصر والقاہرہ جلد ۱ فصل خراج صفحہ ۶۰۔

[۵۴] ۔ دیکھو تحفۃ المحتاج فی شرح المنہاج جلد ۴ صفحہ ۱۷۵۔

ہے کہ وہ مقامی حیثیت رکھتا تھا۔ دوسرے انھین کوئی ایسا قانونی اختیار حاصل نہ تھا۔ کہ جس کی وجہ سے ان کا قانون غیر متبدل یا آلہی قانون سمجھا جائے۔ علاوہ اس کے وہ صرف ایسے ہی خلیفہ تھے جیسے اور خلیفہ اور سلطان جو اُن کے بعد اُن کے جانشین ہوئے زیادہ سے زیادہ جو اُن کے حق مین کہا جاسکتا ہے وہ یہ ہے۔ کہ وہ ایک راستباز اور عادل خلیفہ تھے۔ حالانکہ باقی خلفا یا تو راستباز اور عادل تھے یا جابر سلاطین۔ انھین مذہبی حیثیت سے کسی قانون کے بنانے کا حق نہ تھا جس کی اتباع مسلمانون پر از روے مذہب واجب ہوتی۔ اور ان کی انتظامی تدابیر اس زمانہ کے مسلمانون یا آیندہ کے خلفا یا سلاطین کے لیے آلہی حکم کی شان نہین رکھتی تھین۔

حضرت عمرؓ کی پالیسی یہ تھی کہ عربون کو غیر مسلمو سے بالکل الگ رکھا جائے

۸۷۔ حضرت عمرؓ خلیفہ ثانی نے غیر مسلمون کے لباس اور ساز و سامان کے متعلق جو امتیاز قائم کیا تھا وہ کسی تعصب یا حسد یا نفرت کی وجہ سے نہ تھا۔ وہ تمام دیگر اقوام کے مقابلہ مین خالص عرب قوم کی فضیلت کو ہمیشہ مدنظر رکھتے تھے۔ اُن کی اور نیز دیگر خلفا کی یہ پالیسی رہی ہے کہ عرب بحیثیت جنگ جو اور غالب قوم کے دیگر اقوام کے میل سے بالکل الگ اور پاک رہین۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اسی خیال کی بنا پر کہ عربون مین غیرون کا میل نہ ہو چند احکام نافذ کئے اور عربون کو حکماً ممانعت کردی گئی کہ وہ حدود عرب سے ممالک مفتوحہ مین باہر نہ کوئی جائداد حاصل کرین اور نہ زراعت کرنے پائین اور اسی خیال سے یہودیون اور عیسائیون کو عرب کے بعض اضلاع سے خارج کردیا گیا تھا۔ ان کا ایک حکم یہ بھی تھا کہ عرب کسی حال مین غلام نہ بنایا جاے۔ نہ تو جنگ مین گرفتاری کے بعد اور نہ زرخرید۔ عربون کو حکم تھا کہ وہ کوئی غیر زبان نہ بولین نہ سیکھین۔ نیز عیسائیون کو یہ اجازت تھی کہ عربی پڑھین یا عربی حروف مین لکھین۔ ان تمام تجاویز سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا یہ منشا تھا کہ جہان تک ممکن ہوسکے عربون اور دیگر اقوام مین خاص امتیاز قایم رکھا جاے۔ اس پالیسی کو پورے طور پر عمل مین لانے کے لیے انھون نے چند خاص امتیازات غیر مسلمون کے

لباس وغیرہ مین قرار دے تھے تاکہ عرب لوگ الگ پہچانے جائین - یہ وہی امتیازات ہین جنھین ریورنڈ مسٹر میکال شرمناک اور ذلیل تصور کرتے ہین - خلفا اس پالیسی مین کامیاب نہ ہوئے - اس پالیسی کا اطلاق ترکی مین نہین ہو سکتا - کیونکہ وہان کوئی خالص عرب قوم نہین ہے کہ جن سے انھین الگ رکھنا مقصود ہو - اڈنبرا ریویو بابت ماہ اپریل ۱۸۸۲ء مین ایک دلچسپ مضمون بعنوان "سلطنت خلفا" چھپا تھا جس مین مضمون نگار نے لکھا ہے کہ

"یہ امر بھی قابل توجہ سمجھا گیا ہے کہ عیسائیون کو ایک خاص قسم کا لباس پہننا پڑتا تھا - لیکن اس

"امتیاز سے صرف یہ مقصود نہ تھا کہ وہ لوگ ادنی ہین بلکہ مختلف فرقون کے باہمی امتیاز کے لئے

"بھی ضروری تھا" ۵۱

امام نووی کی راے ذمیون کی تذلیل کے بارے مین

۸۸ - مسٹر ریورنڈ میکال نے ملتقی سے ذمیون یا غیر مسلم رعایا کی حالت کو جو ٹکس ادا کرنے کے وقت ہوتی تھی مفصلہ ذیل الفاظ مین بیان کیا ہے -

"اُسے ٹکس کھڑے کھڑے ادا کرنا چاہیئے درانحالیکہ محصول وصول کرنے والا بیٹھا ہوا ہو ٹکس

"وصول کرنے والے کو چاہئے کہ اس کے ساتھ سختی سے پیش آئے اُسے جھنجھوڑے سینے پر اُسے زدوکوب

"کرے اور زمین پر گھسیٹے اور اس سے کہے "اے ذمی اے خدا کے دشمن ٹکس دے" اور یہ وہ اس لئے

"کرے کہ اس کی تحقیر و تذلیل ہو" ۵۲

۵۱ - دی اڈنبرا ریویو نمبر ۳۱۸ بابت اپریل ۱۸۸۲ء مضمون ۳ - تہذیب و ترقی مشرقی بعہد خلفا - وان اے کریمر وی باندی وین ۱۸۷۵ء -

حضرت عمرؓ کی پالیسی کے متعلق جس کا ذکر اس فقرہ مین کیا گیا ہے مین اس مضمون کے مصنف کا بہت ممنون ہون مین نے اس مضمون کے اقتباس کو تاریخی واقعات اور روایات ابراصل مصنفین کے حوالون کے مقابلہ مین قابل ترجیح سمجھا ہے -

۵۲ نائن ٹینتھ سنچری - بابت دسمبر ۱۸۸۰ء صفحہ ۴۲۴ میجر اسبارن نے بھی اس قسم کا ایک ذکر اپنی کتاب "اسلام انڈر عربس" مین کیا ہے - صفحہ ۲۷۹ و ۲۸۰ مطبوعہ لندن ۱۸۷۶ء -

مسٹر میکال اس قانونی حالت کو ترکی کے عیسائیون کے متعلق بیان کرتے ہین۔
حالانکہ اِس قانون کو تمام قابل فقہا نے بہت بُرا بھلا کہا ہے - اور ہر شخص کو معلوم ہے کہ اِن قواعد پر کبھی عمل در آمد نہین ہوا - اور یہ صرف قانونی کتب مین مثل مردہ خراب قانون کے اب تک موجود ہین - حالانکہ اسے منسوخ اور متروک ہوے زمانہ دراز ہوا - بعض نے تو یہان تک کیا ہے کہ انھین اپنی کتب مین نقل کر کے اُن کی بہت کچھ ہجو کی ہے - امام نووی نے جو ساتوین صدی ہجری مین ہوے ہین خاص کر اِس قانون کو بہت بُرا بھلا کہا ہے - وہ اپنی کتاب منہاج مین بیان مذکور کو نقل کرنے کے بعد یہ راے دیتے ہین -

"یہ حالت اب بالکل کالعدم ہے - اور اسے مستحب خیال کرنا خطاے شدید ہے۔"

امام شہاب الدین احمد بن حجر ہیتمی مکی جنہون نے ۹۷۵ھ ہجری مین وفات پائی اپنی شرح کتاب مذکور مین یہ فرماتے ہین -

"یہ حالت اب بالکل کالعدم ہے - کیونکہ سنت مین اس کی کوئی بنیاد یا سند نہین ہے اور خلفا
" نے کبھی ایسا عمل کیا ہے، اور اسی بنا پر ام مین صاف لکھا ہے کہ ٹکس بڑے اخلاق کے ساتھ وصول
" کیا جاے - ان کی اہانت صرف اس قدر ہے کہ انھین قانون کی اتباع کرنی پڑتی ہے لیکن اُن کے ساتھ
" نہ کسی قسم کا بُرا سلوک کیا جاتا ہے اور نہ مار پیٹ کی جاتی ہے - چونکہ یہ بلا وجہ بدسلوکی ہے لہذا ایسا
" کرنا بالکل ناجائز ہے۔"

---

۵۷ - تذلیل کا لفظ التوبہ ۹ آیت ۲۹ مین استعمال ہوا ہے "وہ ٹکس ادا کرتے ہین جبکہ وہ ذلیل کئے گئے ہین" جب مدینہ مین یہ افواہ پہنچی کہ عرب کے شمالی سرحد پر افواج روما مین جنگی تیاریان اس غرض سے ہو رہی ہین کہ عرب کو فتح کیا جاے تو یہ آیت نازل ہوئی - اور مسلمانون کو ہدایت کی گئی کہ وہ اپنے آپ کو بچائین اور حملہ آورون کو روکین - اس حالت مین یہ تاکید کی گئی کہ دشمن تاوان جنگ ادا کرین اور ذلیل ہون - لیکن اول تو اس آیت کو اسلامی سلطنت کے غیرمسلم رعایا سے کچھ تعلق نہین - دوسرے الفاظ "ذلیل کئے گئے ہین" سے وہ ذلت مراد نہین ہے جو بعض فقہا نے اپنی کتابون مین ظاہر کی ہے - بلکہ بخلاف اس کے مسلمان مصنفین نے ایسے خیال کی سخت مخالفت کی ہے اور

ٹکس ادا کرتے وقت جسم کی ایک خاص حالت ذلت

۸۹- کتاب اُمّ جس کا حوالہ پیشتر دیا گیا ہے امام شافعی کی تالیف ہے جو مذاہب فقہ کے چار ائمہ مین سے ہین۔ وہ ہجری کی دوسری صدی مین تھے (سنہ پیدائش (۱۵۰) اور سنہ وفات ۲۰۴ ہجری) ریورنڈ مسٹر میکال کو معلوم ہوگا کہ یہ لغو اور بیہودہ حالت جس کو انہون نے غلطی سے ترکی عیسائیون کی بتایا ہے امام شافعیؒ دوسری صدی مین اس کی تردید و تغلیط کر چکے ہین۔ اور ساتوین صدی مین امام نووی نے بھی اسے بہت برا بھلا کہا ہے۔ اور یہ دونون صاحب مولف ملتقی سے (جو دسوین صدی ہجری کے مصنف ہین) اول گزرے ہین۔ نیز ابن حجر مکی نے جو ابراہیم حلبی مولف ملتقے کا ہم عصر ہے اس حالت کو ناجائز و ناروا بتایا ہے۔

منصف مزاج فقہائے اسلام کی اظہار ناپسندیدگی

۹۰ حال کا ایک حنفی المذہب مصنف جو اس صدی مین شام و مصر و ترکی مذاہب کا مشہور فقیہ گذرا ہے اور جس کا نام ابن عابد بن محمد امین ہے اور جس نے در المختار کی شرح لکھی ہے وہ اپنی کتاب رد المختار مین لکھتا ہے کہ

"مصنف ہدایہ نے جہان اپنی کتاب مین یہ لکھا ہے کہ "از روے حدیث ٹکس وصول کرنے
"والے کو چاہیے کہ اس کا گلا پکڑ کے جھنجھوڑے اور کہے "اے ذمی محصول ادا کر" تو صاحب ہدایہ کو اس
"حدیث پر یقین نہین ہے اور وہ اس پر اعتماد نہین کرتے۔[۵۱]

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۰- یہ ظاہر کیا ہے کہ صاغرون کے یہ ہرگز معنی نہین ہین- امام شافعی کی راے جو اُمّ کے مصنف ہین اس سے پیشتر لکھی جا چکی ہے- وہ فرماتے ہین کہ صاغر یا عیسائیون کی اہانت اور ... یہ ہے کہ وہ قانون کا تباع کرین-

حافظ ابن القیم جن کا زمانہ آٹھوین صدی کا اول نصف ہے اور جن کا انتقال ۷۵۱ھ مین ہوا وہ اس حالت ادائے ٹکس کے متعلق جس کا ذکر مسٹر میکال نے کیا ہے یہ فرماتے ہین کہ ایسا خیال کرنے کی کوئی وجہ نہین اور نہ آیت سے یہ مطلب نکلتا ہے اور نہ پیغمبر اور خلفا سے کوئی ایسی روایت پہنچی ہے- لفظ صغار کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ ان پر قانون جاری کیا جاے اور ٹکس لگایا جاے- یہ خود ایک قسم کی اہانت ہے- اور شافعیؒ نے بھی اسی سے اتفاق کیا ہے- دیکھو کتاب فتح البیان حصہ اول صفحہ ۲۲۷- مولفہ نواب صدیق حسن خان مرحوم بھوپالی-

سلہ - ردالمحتار جلد ۳ صفحہ ۱۷۴-

یہی مصنف دوسری جگہ لکھتا ہے کہ:-

" اسے امتی کو ہم اسے کافر کہنا ممنوع ہے - اور اُسے گلے سے پکڑنے جھنجھوڑنے تھپڑ مارنے
" کی بھی ممانعت ہے کہ ایسے برتاؤ سے ہم سے رنج ہوگا - اور اسی لئے بعض شافعی فقہا نے اسے رد کر دیا ہے
" کہ سنت میں اس کا کہیں پتہ نہیں اور نہ عادل خلفا کا اسپر کبھی عمل رہا -

اب مین امید کرتا ہون کہ مسٹر میکال ٹھنڈے دل سے اور بے تعصبی کے ساتھ اس پر غور کرین گے - اور اپنے بیانات پر دوبارہ نظر ڈالین گے تو اُنہین معلوم ہوگا کہ جو ہدایات اسلامی سلطنت یا اسلامی قانونی کتب مین درج ہین - اور جنہین اُنہون نے نقل کیا ہے - وہ محض مردہ قانون کی حیثیت رکھتی ہین - جو صرف اِن کتابون مین مندرج پائی جاتی ہین اور کبھی عمل مین نہین آئین - اور فاضل مسلمان مصنفین نے اپنی کتابون مین اوسکی تردید کی ہے اور اُسے ناجائز قرار دیا ہے -

حصہ اوّل ختم ہوا

حصہ دوم

# اعظم الکلام

# فی

# ارتقاء الاسلام

یعنی اردو ترجمہ

## پروپوزڈ پولیٹیکل، لیگل اینڈ سوشل ریفارمز انڈر مسلم رول

مصنفہ

نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی مرحوم فنانشل و ریونیو سکرٹری دولت آصفیہ

مصنف الجہاد، ٹرو پرافٹ، حیدرآباد انڈر سر سالار جنگ اور اسلام کی دنیوی برکتیں وغیرہ وغیرہ

جس میں

علامہ مصنف نے بزبان انگریزی سنہ ۱۸۸۳ء میں، ایک یورپین عالم ریورنڈ ملکم میکال کے اس اعتراض کی تردید میں کہ "مذہب اسلام مانع ترقی ہے" قرآن، احادیث، فقہ اور تاریخ سے نہایت عالمانہ طریق پر یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام روحانی، اخلاقی اور دماغی ترقی کا حامی، تغیرات زمانہ کے ساتھ نئے تمدن سیاست کا ساتھ دینے والا اور زمانہ ضروریات کے مطابق ہر قسم کے قوانین کی بنیاد بننے کی صلاحیت رکھنے والا مذہب ہے اور اس کی فطرت جمود و خمود کے منافی ہے اسی ضمن میں اسلام کے متعلق دوسرے یورپین مستشرقین مثلاً سر ولیم میور اور باسورتھ اسمتھ وغیرہ کی غلط بیانیوں کی اصلاح بھی مشرقی اور مغربی حوالوں سے کی گئی ہے اور صدہا اسلامی مسائل متعلق معاشرت و سیاست پر عالمانہ و مجتہدانہ بحث کی گئی ہے

جس کو سنہ ۱۹۱۰ء میں

مولانا عبد الحق صاحب بی۔ اے (علیگ) نے ایک عالمانہ مقدمہ کے ساتھ سلیس اردو میں ترجمہ کیا

اور سنہ ۱۹۱۱ء میں

مولوی عبد اللہ خاں نے حیدرآباد دکن کتب خانۂ آصفیہ سے شایع کیا اور رفاہ عام اسٹیم پریس لاہور میں مولوی عبد الحق صاحب کے اہتمام سے چھپا

حصہ دوم

# اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام

## فہرست مضامین


| نمبر فقرہ | مضمون | صفحہ |
|---|---|---|
| | **مقدمہ از مترجم** | |
| | (از صفحہ ۱ تا ۱۸۸) | |
| | حصہ اول مشتمل بر حالات مصنف | آ۔۲ |
| | حصہ دوم مشتمل بر ذکر تصانیف مذہبی | ۳۳ تا ۱ |
| | حصہ سوم خطوط و آرائے مشاہیر علمائے معاصرین | ۴۲ تا ۸۸ |
| | یورپ وہندوستان نسبت کتاب ہذا | |
| | **حصہ دوم** | |
| | **تمدنی اصلاحیں** | |
| ۹۱ | بقول میکال اسلام کے تین لاعلاج عیب | ۱ |
| | **عورتوں کی حالت** | |
| ۹۲ | اسلام سے پہلے اہل عرب میں عورتوں کی بُری حالت | ۲ |
| ۹۳ | آنحضرت صلعم نے عورتوں کی حالت کو ترقی دی | ۳ |
| ۹۴ | اس مسئلہ کے متعلق قرآن مجید میں مزید احکام | ۴ |
| ۹۵ | قرآن مجید میں عورت اور مرد کی مساوات | ۱۱ |
| ۹۶ | عیسائی ممالک میں عورتوں کی ذلیل حالت | ۱۲ |
| ۹۷ | عورتوں کی ادنےٰ حالت کے متعلق لیکی کا اقتباس . . . | ۱۳ |
| ۹۸ | باسورتھ اسمتھ کی رائے . . . . . | ۱۵ |
| ۹۹ | قرآن میں بی بی کو مارنے کی اجازت نہیں | ۱۶ |
| ۱۰۰ | قرآن میں پردہ کا حکم نہیں ہے . . | ۱۷ |
| ۱۰۱ | قانون ازدواج میں آنحضرتؐ کے لئے کوئی رعایت نہیں ہوئی . | ۱۸ |
| ۱۰۲ | آنحضرتؐ نے اس امر کی کبھی اجازت نہیں دی کہ جو عورتیں جنگ میں گرفتار ہوں اُن کو لونڈیاں بنا کر کام میں لایا جائے | ۲۰ |
| ۱۰۳ | النساء ۴ - آیت ۳ کی تعبیر جو لین اوسیل نے کی ہے . . . . . . . | ۲۰ |
| | **تعدد زوجات** | |
| ۱۰۴ | عرب میں کثرت ازدواج . . . . | ۲۲ |
| ۱۰۵ | از روئے قرآن مجید متعدد بیبیوں میں عدل ناممکن ہے . . | ۲۳ |
| ۱۰۶ | وہ تدبیریں جو آنحضرتؐ نے کثرت زوجات کے موقوف کرنے کے لئے اختیار کیں . . . . . | ۲۴ |
| | **طلاق** | |
| ۱۰۷ | اہل عرب میں طلاق کی سہولت غیر محدود تھی | ۲۵ |
| ۱۰۸ | ایلاء کی تعریف . . . | ۲۶ |
| ۱۰۹ | ایلاء و ظہار . . . . . . | ۲۶ |
| ۱۱۰ | تیسری آخری طلاق . . . . | ۲۸ |
| ۱۱۱ | مہر بھی من مانی۔ طلاق کے خلاف ایک تدبیر تھی . . . . | ۲۹ |
| ۱۱۲ | بغیر فتوائے عدالت طلاق نہیں ہوسکتی | ۳۱ |
| ۱۱۳ | زن وشو کے مصالحت کے متعلق خاص تدابیر | ۳۲ |
| ۱۱۴ | آنحضرتؐ نے زید کو اپنی بی بی کے طلاق دینے سے منع فرمایا . . . . | ۳۳ |
| ۱۱۵ | آنحضرتؐ نے طلاق کو عام طور پر بُرا کہا . | ۳۴ |
| ۱۱۶ | تیسری طلاق کا منشاء یہ ہے کہ طلاق کے رواج کو کم کیا جائے . . . | ۳۶ |

| نمبر فقرہ | مضمون | صفحہ |
|---|---|---|
| ۱۱۷ | طلاق کے متعلق اسلامی دیوانی قانون | ۳۷ |
| ۱۱۸ | حضرت مسیح ؑ کا قانون طلاق اور اس کے متعلق بیرڈ کی مذمت | ۳۸ |
| | **غلامی** | |
| ۱۱۹ | غلامی اور اس کا بڑا ماخذ | ۴۱ |
| ۱۲۰ | قرآن نے آیندہ کے لئے ہر قسم کی غلامی کو موقوف کر دیا اور موجودہ غلاموں کے لئے عمدہ احکام صادر کئے | ۴۳ |
| ۱۲۱ | قرآن میں غلامی کے خلاف سیاسی قانون اور مذہبی تدابیر | ۴۶ |
| ۱۲۲ | غلامی کے خلاف احادیث | ۴۶ |
| ۱۲۳ | حدیث اول | ۴۷ |
| ۱۲۴ | " دوم | ۴۸ |
| ۱۲۵ | " سوم | ۵۰ |
| ۱۲۶ | حدیث سوم کے متعلق فقہی مباحث | ۵۰ |
| ۱۲۷ | حدیث چہارم | ۵۱ |
| ۱۲۸ | " پنجم | ۵۲ |
| ۱۲۹ | " ششم | ۵۳ |
| ۱۳۰ | " ہفتم | ۵۴ |
| ۱۳۱ | " ہشتم | ۵۴ |
| ۱۳۲ | " نہم | ۵۵ |
| ۱۳۳ | " دہم | ۵۵ |
| ۱۳۴ | آنحضرت صلعم کو غلامی سے نفرت تھی | ۵۵ |
| ۱۳۵ | دوسرے خفیف مگر ضروری تدابیر جو آنحضرت ؐ غلامی کے خلاف عمل میں لائے | ۵۶ |
| ۱۳۶ | غلاموں کی فوری آزادی | ۵۷ |
| ۱۳۷ | بعض صورتوں میں غلام خود بخود آزاد ہو جاتا ہے | ۵۸ |
| ۱۳۸ | غلامی کا ایک دوسرا ماخذ یا ذریعہ | ۶۰ |
| ۱۳۹ | غلاموں کی اولاد غلام نہیں ہو سکتی | ۶۱ |
| ۱۴۰ | اس مسئلہ میں رومن لا اور فقہ اسلامی کا مقابلہ | ۶۲ |

| نمبر فقرہ | مضمون | صفحہ |
|---|---|---|
| ۱۴۱ | اولاد کا ماں کے تابع ہونے کے متعلق مصنف کی رائے | ۶۲ |
| ۱۴۲ | از روئے قرآن اسلام اور غلامی کا اجتماع ناممکن ہے | ۶۳ |
| ۱۴۳ | سر ولیم میور کی تحریر کا اقتباس۔ تحدید اور تردید | ۶۴ |
| ۱۴۴ | آنحضرت ؐ کی تمام لڑائیاں اپنی حفاظت کے لئے تھیں | ۶۶ |
| ۱۴۵ | غلامی کے موقوف کرنے میں آنحضرت ؐ کا مذہب سب سے اعلےٰ ہے | ۶۷ |
| ۱۴۶ | قرآن نے غلامی کو موقوف کیا | ۶۹ |
| ۱۴۷ | مذہب عیسوی نے غلامی کو اچھا مانا ہے | ۷۰ |
| ۱۴۸ | ریونڈ میبرز اور لیکی کا اقتباس | ۷۰ |
| ۱۴۹ | اسلام کی غلامی کے متعلق باسورتھ اسمتھ کی رائے | ۷۱ |
| ۱۵۰ | غلامی پر ریونڈ اسٹیرن کی رائے | ۷۲ |
| ۱۵۱ | غلامی پر ڈاکٹر مارکس ڈاڈس کی رائے | ۷۳ |
| | **تسری** | |
| ۱۵۲ | تسری کو قرآن نے تسلیم نہیں کیا | ۷۴ |
| ۱۵۳ | مضمون بالا پر قرآن کی آیتیں | ۷۶ |
| ۱۵۴ | النساء ۴۔ آیت ۲۸ سے استدلال | ۷۸ |
| ۱۵۵ | آنحضرت ؐ نے تسری کی ممانعت کی ہے | ۷۹ |
| ۱۵۶ | موجودہ غلامی و تسری شرعاً ممنوع ہے مگر جواز کے حیلے گھڑے گئے ہیں | ۷۹ |
| ۱۵۷ | حیلہ اول تنفیل کی بحث | ۸۰ |
| ۱۵۸ | تنفیل کے متعلق ردالمختار کا اقتباس | ۸۱ |
| ۱۵۹ | ردالمختار کے حوالے سے دوسرا حیلہ | ۸۲ |
| ۱۶۰ | تیسرا حیلہ | ۸۲ |
| ۱۶۱ | چوتھا حیلہ جو خارج از بحث ہے | ۸۳ |
| ۱۶۲ | پانچواں حیلہ اور اس کی تردید | ۸۳ |
| ۱۶۳ | مسٹر میگناٹن کے نقل کئے ہوئے طریقۂ تسری و استرقاق کی تردید | ۸۴ |
| | خاتمہ | " |

# مقدمہ

# اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام

## (از مترجم)

# حصّہ اوّل

## مشتملہ حالات مصنف

---

نواب اعظم یار جنگ بہادر مولوی چراغ علی مرحوم ان لوگوں میں سے تھے جو اپنے بل بوتے پر آپ کھڑے ہوئے اور اپنی محنت سے دنیا میں جاہ و ثروت و لیاقت وفضیلت حاصل کی۔ اپنے سہارے آپ کھڑے ہونا خدا کی بڑی نعمت اور بڑے پن کی علامت ہے۔ جو دوسروں کا سہارا تکتا رہتا ہے وہ خود کبھی نہیں بڑھتا۔ اور جو بڑھتا ہے تو جتنا پاتا ہے اُس سے زیادہ کھوتا ہے۔ مولوی چراغ علی مرحوم نے ابتدا میں ایک معمولی منشی کی طرح دفتر میں ملازمت کی اور محض اپنی لیاقت اور محنت سے اعلےٰ رتبے پر پہنچ گئے۔ اُن کی تعلیم بہت معمولی درجے کی ہوئی تھی۔ لیکن لگاتار مطالعہ اور محنت کی بدولت اُنہوں نے وہ فضیلت حاصل کی جو بڑے بڑے ڈگری یافتوں اور صاحبان دستار فضیلت کو میسّر نہیں ہوئی۔ ان کی زندگی ایک سبق ہے اُن لوگوں کے لئے جو دنیا میں بڑھنا اور کچھ کرنا چاہتے ہیں اور اُن کے کارنامے نوجوانان ملک کے لئے دلیل راہ کا کام دینگے۔ ان کے آباو

[1] آبا و اجداد در اصل سری نگر (کشمیر) کے رہنے والے تھے۔ ان کے دادا ایک مدت تک پنجاب میں ملازم رہے اور وہاں سے میرٹھ آئے اور پھر وہیں آباد ہو گئے۔ مولوی چراغ علی کے والد مولوی محمد بخش میرٹھ میں ملازم ہوئے۔ بعد ازاں ان کا تبادلہ سہارنپور ہو گیا جہاں وہ کلکٹر کے دفتر کے ہیڈ کلارک تھے۔ سہارنپور میں یہ محمد بخش کرانی کے نام سے مشہور تھے۔ کرانی کا لفظ اس زمانے میں انگریزی کلارکوں کے لئے بجائے بابو کے استعمال ہوتا تھا چنانچہ کرانی خانہ منشی خانہ کو کہتے تھے جہاں کلارک کام کرتے تھے۔ چونکہ مولوی محمد بخش انگریزی دان تھے اور کسی قدر انگریزی لباس بھی پہنتے تھے لہٰذا لوگ انہیں کرانی کہنے لگے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی بہادر کے معزز ترین عہدہ گورنری جنرلی پر لارڈ ڈلہوزی نئے نئے تشریف لائے تھے۔ یہ صاحب تھے تو کم عمر مگر بلا کے ذہین۔ جفاکش مستقل مزاج اور اپنے ارادے کے پکّے تھے۔ انہوں نے ملک کی آبادی اور آسایش خلائق عامہ کے لئے بہت سے نیک کام کئے۔ لیکن افسوس ہے کہ ایک کام اُنکے ہاتھ سے ایسا ہوا کہ ان کی ساری نیکیوں پر پانی پھر جاتا ہے۔ ابتدا سے یہ بات اُن کے ذہن نشین ہو گئی تھی کہ جہاں تک ہو سکے اور جس طرح بن سکے دیسی ریاستوں کو نیست و نابود کر دیا جائے اور ان کے ملک کمپنی کے علاقہ میں ضم کر دئے جائیں۔ وہ اپنے بہادیں رعایا کے حق میں اسے عین انصاف اور نیکی سمجھتے تھے۔ وہ اس خیال پر اخیر تک جمے

---

[1] مولوی چراغ علی مرحوم کے ابتدائی حالات ہمیں زیادہ تر مولوی محمد زکریا صاحب سہارنپوری (حال وظیفہ یاب حسن خدمت سرکار نظام) سے معلوم ہوئے ہیں جو مرحوم کے پُرانے دوست اور رفیق ہیں اور مرحوم اور اُن کے خاندان کو اس وقت سے جانتے ہیں جب کہ مرحوم کے والد سہارن پور میں ملازم تھے۔ مرحوم مولوی صاحب موصوف کا بہت اعزاز و احترام کرتے تھے اور مولوی صاحب کے تعلقات اب تک مرحوم کے خاندان سے ویسے ہی چلے جاتے ہیں اور زمانہ حیدرآباد کے اکثر حالات ہمیں مولوی صاحب موصوف کے بھتیجے مولوی انوارالحق صاحب سے معلوم ہوئے ہیں جو مرحوم کے پاس بچپن سے تھے اور مرحوم ان پر بہت عنایت فرماتے تھے۔ نیز دیگر حضرات سے جو جو حالات معلوم ہوئے ہیں وہ اُن کے نام کے ساتھ بعد تحقیق کے لکھ دئے گئے ہیں۔

منصوبے اور بڑے تشدد اور استقلال سے اسے عمل میں لائے۔ لیکن اس سے جو بُرے نتائج پیدا ہوئے وہ ظاہر ہیں اور اُس کا بُرا اثر اب تک رعایا کے دل سے پُورے طور پر زائل نہیں ہوا۔ لارڈ ڈلہوزی سے قبل کمپنی بہادر کے گورنر جنرل لارڈ ہارڈنگ تھے۔ وہ جیسے لڑائی میں سخت تھے ویسے ہی فتح کے بعد معتدل مزاج بھی تھے۔ سکھوں سے پہلی لڑائی فتح کرنے کے بعد بیرونی اضلاع کو الگ کر کے پنجاب اُنہیں لوگوں کے ہاتھ میں چھوڑ دیا گیا کہ وہ اپنا انتظام خود کر لیں۔ لیکن رنجیت سنگھ کی وفات کے بعد سکھ سرداروں میں پھوٹ پڑ گئی تھی۔ فوج الگ اپنے زور میں آپے سے باہر ہوتی جاتی تھی۔ رانی میں اتنی قوت اور دور اندیشی نہ تھی کہ وہ ان سب کو سنبھالے بلکہ اس نے کج رائے اور ناعاقبت اندیش لوگوں کے ہاتھ میں پڑ کر ملک کی حالت اَور بگاڑ دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سکھ ایک ایسی اچھی اور سرسبز سلطنت کو ہاتھ سے کھو بیٹھے۔ پہلی جنگ کے بعد لارڈ ہارڈنگ نے اندرونی انتظامات میں دخل دینے سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی اور مہاراجہ کے دربار کو پورا اختیار تھا کہ وہ اپنی مرضی اور دستور و آئین کے مطابق اپنا انتظام کریں۔ لیکن جب روز بہ روز خرابیاں بڑھتی گئیں تو بمجبوری ایک کونسل مقرر کی گئی کہ اُس کے صلاح و مشورہ سے انتظام ریاست چلایا جائے اور کونسل کا میر مجلس انگریز ہو۔ پنجاب کی بڑی خوش نصیبی تھی کہ ہنری لارنس جیسا پاک نفس، نیک دل اور ہوشمند ریزیڈنٹ ملا۔ وہ لوگوں کے ساتھ بہت اچھا برتاؤ کرتے تھے اور اس خوبی اور نیک نیتی سے کام چلایا کہ رعایا ان کی عاشق ہو گئی۔ اتنے میں لارڈ ہارڈنگ ولایت کو سدھارے اور اُن کی جگہ لارڈ ڈلہوزی آئے۔ اور لارڈ ہارڈنگ کے جاتے ہی سر ہنری لارنس رخصت پر ولایت تشریف لے گئے۔

سر ہنری لارنس کے جانے کے بعد ناتجربہ کار انگریزی افسروں نے رعایا کی دلداری کا مطلق خیال نہ کیا اور انتظام کے جوش میں ایسی ایسی غلطیاں کیں کہ لوگوں میں انگریزوں کی طرف سے بددلی اور نفرت پیدا ہو گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزوں اور سکھوں میں بڑی

خونریز اور خونخوار جنگ ہوئی جس سے ہندوستان اور انگلستان میں تہلکہ مچ گیا اور ایک دفعہ انگریزی حکومت جڑ بنیاد سے ہل گئی۔ آخر انگریزوں کی فتح ہوئی اور مہاراجہ رنجیت سنگھ نے جو ہندوستان کے نقشے میں انگریزی کمپنی کی عملداری کا سُرخ رنگ دیکھ کر یہ پیشینگوئی کی تھی کہ نقشہ کا سارا رنگ سُرخ ہوا نظر آتا ہے وہ اس کے مرنے کے بعد پوری ہو کے رہی اور اب پنجاب پر انگریزوں کا پورا تسلط ہو گیا۔ اس جدید صوبے کے انتظام کے لئے ہندوستان سے جہاں اور تجربہ کار اور لائق عہدہ داران منتخب کئے گئے وہاں مولوی محمد بخش کا بھی انتخاب ہوا +

سنہ ۱۸۴۹ء میں مولوی محمد بخش محکۂ بندوبست میں داخل ہوئے اور رفتہ رفتہ عہدۂ مہتمی بندوبست پر سرافراز ہوئے۔ اور کچھ عرصہ تک صوبۂ پنجاب کے اضلاع ملتان۔ ڈیرہ غازیخان بنوں وغیرہ میں مامور رہے۔ سرحدی اضلاع کے بندوبست سے فارغ ہونے کے بعد ضلع سیالکوٹ میں متعین کئے گئے۔ اس کے بعد ضلع شاہپور میں اسی اہم کام پر مامور رہے یہاں اس امر کا اظہار ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مہتمی بندوبست جیسا وقیع اور اعلےٰ عہدہ جب کہ آجکل بھی دیسی لوگوں کو شاذونادر ہی ملتا ہے تو اس زمانے میں جبکہ نہ ہندیوں کے حقوق تسلیم کئے گئے تھے اور نہ اُن حقوق پر زور دینے والے ابھی میدان میں آئے تھے کیسا کچھ وقیع اور معززانہ سمجھا جاتا ہوگا +

افسوس ہے کہ ہمیں اس سے زیادہ مولوی محمد بخش کے حالات اور اُس وقت کے واقعات معلوم نہ ہو سکے لیکن صرف ایک یہی واقعہ مولوی صاحب کی قابلیت اور لیاقت کی کافی شہادت ہے کہ حکومت وقت نے انہیں ایک ایسے عہدے پر جو کسی طرح ڈپٹی کمشنر یا کلکٹر کے عہدے سے کم نہیں سرفراز فرمایا۔

سُنا گیا ہے کہ مولوی محمد بخش کو اپنی اولاد کی تعلیم کے متعلق بڑے بڑے خیال تھے۔ لیکن اجل نے مہلت نہ دی اور عین عالم جوانی میں (جبکہ اُن کی عمر غالباً پینتیس ۳۵ سال

سے زائد نہ تھی) سن ستاون کی مشہور فوجی شورش سے ایک سال قبل یعنے ۱۸۵۶ء میں انتقال فرمایا اور سارے منصوبے دل کے دل ہی میں رہ گئے۔ مرحوم نے چار بیٹے چھوڑے جن میں سب سے بڑے مولوی چراغ علی تھے اور اُس وقت اُن کی عمر بارہ سال سے زیادہ نہ تھی۔ مولوی محمد بخش مرحوم کا مقبرہ اب تک میرٹھ میں موجود ہے +

مولوی محمد بخش کے انتقال کے بعد ان کے سب اہل وعیال یعنے اُن کی والدہ بیوی اور چاروں بچے (چراغ علی۔ ولایت علی۔ عنایت علی اور منصب علی) میرٹھ واپس آگئے +

مولوی چراغ علی نے اپنی دادی اور والدہ کے زیر سایہ میرٹھ میں تعلیم پائی۔ لیکن یہ تعلیم بالکل معمولی تھی۔ اور سوائے معمولی اُردو۔ فارسی اور انگریزی کے نہ کسی اور علم کی تحصیل کی اور نہ کوئی امتحان پاس کرنے پائے۔ اسی زمانہ میں کمشنری گورکھپور میں ضلع بستی نیا نیا قائم ہوا تھا وہاں کے خزانے کی منشی گری پر جس کی تنخواہ بیس روپیہ تھی مرحوم کا تقرر ہوا۔ مطالعہ کتب اور لکھنے پڑھنے کا شوق انہیں ابتدا سے تھا۔ سرکاری کام کے بعد باقی تمام وقت وہ لکھنے پڑھنے میں صرف کرتے تھے۔ چنانچہ پادری عماد الدین کی کتاب تاریخ محمدی کے جواب میں آپ کا رسالہ تعلیقات اسی زمانہ کا لکھا ہوا ہے۔ علاوہ اس کے منشور محمدی۔ مخبر صادق لکھنؤ وغیرہ میں بھی ان کے اکثر مضامین شائع ہوئے۔ اسی زمانے میں مولوی محمد زکریا صاحب سہارن پور سے بستی میں محکمہ انجینری میں مقرر ہو کر آئے اور چونکہ مولوی صاحب کے تعلقات ان سے اور اُن کے خاندان سے قدیم تھے لہذا دونو صاحب ایک ہی جگہ رہنے سہنے لگے۔ کچھ دنوں بعد مولوی محمد زکریا صاحب بستی کی خدمت سے مستعفی ہو کر لکھنؤ چلے گئے اور وہاں اُن کا ایک اچھی خدمت پر تقرر ہو گیا وہاں سے انہوں نے مولوی چراغ علی کو اطلاع دی کہ آپکے والد کے محسن مسٹر گوراوسلی یہاں جوڈیشل کمشنر ہیں۔ اگر آپ یہاں آئیں اور اُن سے

ملیں تو اغلب ہے کہ کوئی معقول خدمت مل جائے۔ چنانچہ اس اطلاع پر غالباً
۱۸۷۳ء میں مولوی چراغ علی لکھنؤ گئے اور مسٹر گوراسلی سے ملے۔ اتفاق سے اس وقت جوڈیشل کمشنری میں عارضی طور پر ڈپٹی منصرمی کی جگہ خالی تھی لہذا اس وقت اُن کا تقرر اسی خدمت پر بمشاہرہ ۱۵۰ ہو گیا۔ کچھ دنوں بطور قائم مقام رہے بعد میں مستقل ہو گئے تھوڑے عرصہ کے بعد سیتاپور میں تبادلہ ہو گیا +

مولوی چراغ علی کا میلان طبع شروع سے مذہب کی طرف تھا انہوں نے ہمیشہ یا تو عیسائی معترضین کے جواب لکھے یا مذہب اسلام کی حقانیت ظاہر کی۔ چونکہ اس عالم کا یہ قانون ہے کہ قوی تر شے اپنے سے کم قوی کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے اس لئے مولوی چراغ علی بھی خود بخود امام وقت کی طرف جھکے۔ اور وحدت ذوق سر سید رح سے اُن کے تعارف کا باعث ہوئی۔ اگرچہ اب تک ملاقات کی نوبت نہیں آئی تھی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ خط و کتابت شروع ہو گئی تھی۔ اور تہذیب الاخلاق میں بھی اُن کے بعض مضامین شائع ہوئے تھے۔ چنانچہ جب سر سید رح لکھنؤ تشریف لائے تو مولوی صاحب مرحوم اُن سے ملنے کے لئے سیتاپور سے لکھنؤ گئے۔ کچھ عرصہ بعد جب ریاست حیدر آباد سے کچھ کام ترجمہ وغیرہ کا سر سید رح کے پاس آیا تو اُنھوں نے مولوی چراغ علی کو اُس کام کے سرانجام دینے کے لئے منتخب کیا۔ اس بناء پر ۱۸۷۶ء میں مولوی چراغ علی رخصت لیکر علی گڑھ گئے اور کئی مہینے سر سید رح کے پاس رہ کر اس کام کو بکمال خوبی انجام دیا۔ جس کا معاوضہ بھی ریاست سے اُن کو ملا۔ اس کے ایک سال بعد (۱۸۷۷ء) میں نواب سر سالار جنگ اعظم نے بتوسط مولوی مہدی علی (نواب محسن الملک) مرحوم سر سید رح سے ایک لائق شخص طلب کیا۔ سر سید رح نے مولوی چراغ علی کو منتخب کیا اور وہ حیدر آباد چلے آئے۔ جہاں وہ عہدۂ اسسٹنٹ ریونیو سکرٹری (مددگار معتمد مالگزاری) پر بمشاہرہ چار سَو روپیہ مامور ہوئے۔ معتمد مالگزاری اس وقت نواب محسن الملک مولوی مہدی علی مرحوم

اس وقت سے مولوی چراغ علی کی زندگی کا نیا دور شروع ہوا +

کسی ملک یا کسی قوم میں طبعی طور سے اعلےٰ قابلیت کا ہونا بالکل ممکن ہے لیکن اگر وہ تعصب یا کسی اور وجہ سے اپنے آپ کو بیرونی اثر سے الگ اور محفوظ رکھنا چاہے گی اور صرف اپنے اندرونی وسائل اور ذرائع سے بڑھنے کی کوشش کرے گی تو اُس کی ترقی شاہراہِ تمدن پر بہت سست ہوگی۔ دنیا میں کسی قوم کی ایسی مثال نہیں ملتی کہ اس نے بیرونی وسائل سے فائدہ اُٹھائے بغیر دنیا میں اعلےٰ ترقی کی ہو۔ ابتدا ابتدا میں مسلمانوں کی فتوحات اپنی ذاتی قوت سے دنیا میں آناً فاناً میں پھیل گئی لیکن ان فتوحات کو قائم رکھنے یا وسیع کرنے کے لئے یہی کافی نہ تھا۔ پھر جب اُنہوں نے عجم میں قدم رکھا اور امن و جنگ۔ تجارت وسفارت کے ذریعہ سے انہیں روزانہ دوسری اقوام سے سابقہ پڑا تو اُس وقت سے اُن کی ترقی کی بنیاد مستحکم ہونے لگی۔ آخر انہی لوگوں نے یونان کی علم و حکمت کو زندہ کیا اور تمدن میں ایسی ترقی کی کہ جس سے ایک عالم میں اُجالا ہوگیا۔ یہی حال یونان وروما اور یورپ و دیگر اقوام کی ترقی کا ہے۔ تازہ مثال جاپان کی ہے۔ وہی جاپان جو اپنے آپ کو غیر ملک والوں کی ہوا تک نہیں لگنے دیتا تھا اور غیر صورت کو دیکھ کر چونک اُٹھتا تھا آج انہیں سے اُن کے گُر سیکھ کر اُن کا اُستاد بنا چاہتا ہے۔ اہل جاپان کی ترقی کا ایک راز یہ بھی ہے کہ جو کام وہ خود نہیں کر سکتے تھے وہ اُنہوں نے غیر ملک والوں سے ملازم رکھ کر لیا اور پھر خود سیکھ کر اُن کی معلمی سے مستغنی ہوگئے۔ چنانچہ ابتدا میں انہوں نے ریلوے۔ ٹیلیگراف۔ لائٹ ہوس اور بحری فوج کا انتظام انگریزوں کے سپرد کیا۔ قانونی اصلاح اور فوجی تربیت اہل فرانس کے ہاتھوں ہوئی تعلیمی معاملات۔ ڈاکخانہ کے انتظام اور زراعت میں اہل امریکہ سے سبق لیا۔ طبی تعلیم۔ تجارتی قواعد۔ لوکل گورنمنٹ کا دستور اور فوجی افسروں کی تعلیم جرمن والوں کے حوالہ کی اور سنگ تراشی (مصوری) میں اٹلی والوں کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیا۔ غرض ابتدا میں ان سب سے کام لیا اور پھر خود سیکھ کر

ان میں ایسا کمال پیدا کیا کہ آج دنیا کی اعلےٰ دول میں ان کا شمار ہے۔ یہ زمانہ تجربات کا زمانہ ہے اور جاپان نے جو تمدن کی مختلف اور بے شمار شاخوں میں اس قدر جلد اور قابل تعریف ترقی کی ہے اسے اگر اُنیسویں صدی کا اعجاز کہا جائے تو کچھ بیجا نہیں ہے۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ سرسالار جنگ اول کی تدبیر اور بیدارہ سازی اور جاپان کی بیداری کا بالکل ایک زمانہ تھا۔ جاپان نے اپنے ملک کو ہشیار کرنے اور اپنے تمدن کی اصلاح و ترقی کے لئے جو تدبیر اختیار کی تھی بعینہ وہی تدبیر اس دوربین اور عالی دماغ وزیر نے اس ملک میں اختیار کی اور باہر سے قابل۔ تجربہ کار اور شایستہ لوگوں کو بلاکر کام لیا۔ ان لوگوں نے ملک کے انتظامات کو درست کیا۔ پُرانی خرابیوں کی اصلاح کی، نئے نئے دفاتر قائم کئے اور اُن کو صحیح اصول پر چلایا۔ ملک کے ذرائع آمدنی پر غور کیا۔ اور آمدنی کو بڑھایا۔ تعلیم کو رونق دی، تہذیب وشایستگی پھیلائی، اور ملک اور گورنمنٹ کو خاصا مہذّب اور شایستہ بنادیا۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ جاپان اس عرصہ میں کہیں سے کہیں پہنچ گیا اور یہ ملک وہیں کا وہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بیرونی امداد بڑی کارآمد اور مفید چیز ہے بشرطیکہ دلوں میں شوق اور جوش اور ہمت ہو۔ لیکن اگر کوئی یہ چاہے کہ ہم کچھ نہ کریں اور ہمارے لئے سب کچھ ہوتا چلا جائے تو یہ محض خیال بلکہ جنون ہے۔ اہل جاپان میں حُبِ وطنی کوٹ کوٹ کے بھری تھی اور ہر جاپانی اس شدومد اور جوش سے کام کرتا تھا کہ گویا ساری سلطنت کا بار اسی کے سر پر پڑنے والا ہے، اور ہر شخص کی دلی آرزو یہ تھی اور اسی خیال سے محنت کرتا تھا کہ وہ سارے عالم میں جاپان کی دھاک بٹھادے اور طرفۃ العین میں اُسے عروس الممالک بنادے۔ برخلاف اس کے یہاں یہ باتیں ابھی خواب وخیال سے بھی کوسوں دور ہیں۔ دفاتر اور ہر قسم کے سررشتے جو ایک مہذب ملک میں ہونے چاہئیں یہاں بھی موجود ہیں۔ کونسلیں ہیں، کمیٹیاں ہیں، قابل سے قابل ڈگری یافتہ افسر بھی ہیں۔ کمیٹیاں ہوتی ہیں، تجویزیں پیش

ہوتی ہیں، رزولیوشن پاس ہوتے ہیں، نئی نئی اسکیمیں جاری ہوتی ہیں، روپیہ وصول ہوتا ہے، ذرائع آمدنی بھی سوچے جاتے ہیں، رپورٹیں بھی لکھی جاتی ہیں، یہ سب کچھ ہوتا ہے لیکن حیات کا نام نہیں۔

سرسالار جنگ نے اس تدبیر کے ساتھ بڑی دانشمندی یہ کی تھی کہ ابتداءیں انہوں نے قابل لوگوں کو سرسید رح سے طلب کیا۔ یہ دو عالی دماغ شخص سرزمین ہندوستان میں ایسے پیدا ہوئے ہیں کہ اُنیسویں صدی کے مسلمان اُن پر جس قدر فخر کریں وہ بجا ہے۔ اور ایسے وقت میں ہوئے جبکہ موقع بہت نازک ہو چلا تھا۔ سرسید رح کے انتخاب اور سر سالار جنگ مرحوم کی قدردانی اور کارفرمائی نے سونے میں سہاگے کا کام کیا۔ اس طرح جو لوگ انتخاب کئے گئے انھوں نے اپنے فرائض کمال وفاداری اور قابلیت سے ادا کئے۔ اور وہ ہمیشہ عزت و حرمت کے ساتھ یاد کئے جائیں گے۔ اُنہیں میں سے ایک مولوی چراغ علی مرحوم بھی تھے +

ابتدا میں مولوی چراغ علی کا تقرر مددگاری معتمدی مالگزاری پر بمشاہرہ چارسو روپیہ ماہانہ ہوا۔ مگر کچھ عرصے کے بعد سات سو روپیہ ہوگئے۔ بعد ازاں عہد وزارت نواب عماد السلطنۃ مرحوم میں جب نواب محسن الملک مرحوم معتمد پولٹیکل و فینانس مقرر ہوے تو مولوی چراغ علی کا تقرر معتمدی مالگزاری پر بمشاہرہ پندرہ سو روپیہ ہوا۔ عہد وزارت سر آسماں جاہ بہادر مرحوم میں جب کہ بمصالح وقت مولوی مشتاق حسین (نواب وقار الملک) معتمد مالگزاری مقرر ہوئے، تو مولوی چراغ علی صوبہ داری ورنگل پر مامور ہوئے اور پھر صوبہ داری گلبرگہ پر تبادلہ ہوگیا۔ دو سال بعد نواب محسن الملک مرحوم کے چلے جانے پر معتمد مال و فینانس مقرر ہوئے +

غالباً مولوی چراغ علی سے بڑھ کر کسی شخص نے سرکاری کام کو اس طرح بے لاگ، بے تعلق اور بے لوث رہ کر انجام نہ دیا ہوگا۔ وہ رعایت اور جانب داری جانتے ہی نہ

تھے۔ معاملات میں وہ یہ بالکل بھول جاتے تھے کہ اُن کا تعلق کسی انسان سے ہے۔ صرف واقعات اُن کے پیشِ نظر رہتے تھے اور انہیں پر سے وہ بلا رُو و رعایت فیصلہ کرتے تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اہلِ حیدرآباد جو ان باتوں کے عادی نہیں اُن سے کبھی خوش نہیں رہے۔ وہ روزانہ سوائے اہم امور کے بہت کم کام کرتے تھے۔ جب کام بہت سا جمع ہو جاتا تھا تو دو تین روز جم کر کام کرتے تھے اور سب کو ایک ہی دفعہ ختم کر دیتے تھے۔ وہ کبھی طول طویل فیصلہ نہیں کرتے تھے۔ بڑی بڑی ضخیم مسلوں اور مدتوں کے پیچیدہ معاملات کو چند سطروں میں سلجھا دیتے تھے اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا معاملے کی جان نکال کر رکھ دی ہے۔ اُن کی تحریر جامع و مانع اور حشو و زوائد سے پاک ہوتی تھی اور یہی حال اُن کا تمام تصانیف کا ہے۔ لفظ اشد ضروری سے انہیں سخت چڑ تھی، اور اس قسم کے جو مراسلات آتے وہ انہیں اُٹھا کے پھینک دیتے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ لوگ سمجھتے سمجھاتے خاک نہیں، خواہ مخواہ مراسلات پر اشد ضروری لکھ دیتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ مولوی صاحب مرحوم نے لکڑی کا ایک صندوق بنا رکھا تھا، جو اشد ضروری لفافہ آتا وہ اس میں بے پڑھے ڈال دیتے تھے۔ ایک بار مدار المہام بہادر کے ہاں کمیٹی تھی، اُس میں اُن کے بعض ہمعصر و ہم رُتبہ معزز عہدہ داروں نے مدار المہام بہادر کے سامنے مولوی صاحب سے شکایت کی کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ تالیف و تصنیف میں مصروف رہتے ہیں یا سوتے رہتے ہیں کہ ہمارے ضروری اور اشد ضروری مراسلات کا بھی جواب نہیں دیتے۔ مولوی صاحب نے کہا ذرا تامّل فرمائیے، میں اس کا جواب دیتا ہوں۔ آدمی سے کہا وہ صندوق لاؤ۔ صندوق آیا اور انہوں نے مدار المہام بہادر سے مخاطب ہو کر کہا کہ سرکار دیکھئے ان صاحبوں کے تمام اشد ضروری لفافے اس میں موجود ہیں۔ میں نے ان میں سے ایک لفافہ بھی نہیں کھولا، سب کے سب بند پڑے ہیں۔ اب میں ان میں سے کوئی سا ایک اُٹھا لیتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے ان میں سے

ایک لفافہ اُٹھالیا، اُسے کھولا تو اُس میں یہ لکھا تھا کہ فلاں تختہ بھیج دیا جائے۔ مراسلہ پڑھ کر سُنانے کے بعد مدار المہام سے عرض کی کہ اس کا اب آپ ہی انصاف فرمائیے کہ یہ کونسا اشد ضروری کام تھا۔ یہ لوگ اشد ضروری کے معنے نہیں سمجھتے اور خواہ مخواہ لفافوں پر اشد ضروری لکھ دیتے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ میں جواب نہیں دیتا۔ پھر فرمایا کہ شاید سال بھر میں دو تین ہی واقعہ اشد ضروری پیش آتے ہوں گے۔ ان حضرات نے ہر ایک بات کو اشد ضروری خیال کر لیا ہے +

مولوی طالب الحق صاحب مددگار صدر محاسب جو سرکار عالی کے ایک نہایت متدین، قابل اور تجربہ کار عہدہ دار ہیں اور سر سالار جنگ مرحوم کے زمانے سے اب تک مختلف عہدوں پر رہے ہیں اور خود بھی مولوی چراغ علی مرحوم کے تحت میں کام کر چکے ہیں، فرماتے ہیں کہ اگرچہ مجھے سرکار عالی میں ایسے ایسے عہدہ داروں کے ساتھ کام کرنے کا سابقہ ہوا ہے جو اپنے اپنے کمال اور خصوصیات کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ تھے، لیکن مرحوم میں بعض ایسی خصوصیات تھیں کہ پھر کسی میں نظر نہ آئیں۔ وہ نہایت مستقل مزاج تھے، بڑی غور و خوض کے بعد رائے قائم کرتے، اور رائے قائم کرنے کے بعد پھر اس سے کبھی نہ ٹلتے تھے، گویا وہ رائے پتھر کی لکیر ہوتی تھی۔ مولوی صاحب موصوف نے راقم سے ایک خاص معاملے کے متعلق ذکر کر کے فرمایا (اور اُس کی مسل کا بھی حوالہ دیا) کہ مرحوم کی زمانۂ مددگاری میں سر سالار جنگ مرحوم نے مولوی صاحب مرحوم کی رائے سے اس میں اختلاف کیا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان کا رجحان معتمد (نواب محسن الملک مرحوم) کی رائے کی طرف ہے۔ اور مولوی صاحب مرحوم کی رائے پر چند سوالات کئے۔ مرحوم نے نہایت مدلّل جواب دیا۔ اس پر کچھ سر سالار جنگ مرحوم نے اعتراض اور سوال کئے، ادھر سے پھر اس کا جواب ادا کیا گیا۔ کوئی چار پانچ مرتبے ایسے ہی سوال و جواب ہوئے، اور آخر نواب مدار المہام بہادر مرحوم قائل ہو گئے

اور یہ تحریر فرمایا کہ میں دیکھتا تھا کہ آپ اپنی رائے کے متعلق کیا دلائل رکھتے ہیں
بیشک آپ کی رائے صحیح اور درست ہے۔ اگرچہ بہت کم باتیں کرتے تھے مگر معا
میں خوب گفتگو کرتے تھے۔ لیکن اس میں بھی کوئی لفظ زائد اور فضول نہیں کہ
تھے اور اُن کا جملہ اکثر دو تین یا ایک دو لفظ سے زیادہ کا نہیں ہوتا تھا۔ صرف کا
ایک دو لفظ کہہ دیتے تھے جس سے ما فی الضمیر ادا ہو جائے۔ جب کسی مسودے
کچھ بنا دیتے تو گویا ساری تحریر میں جان ڈال دیتے تھے۔ نہایت تیز فہم اور
صائب الرائے تھے۔

جناب مولوی سید علی حسن خاں بہادر سابق معتمد فینانس و حال وزیر جاو
جو مولوی چراغ علی مرحوم کے بہترین جانشین ہوئے اور بوجہ اپنی اعلےٰ قابلیت
تدین، تجربہ کاری، عالی ظرفی اور راستی و راست بازی کے ہماری قوم کے بے مثل
افراد میں سے ہیں راقم سے فرماتے تھے کہ ایک بار نواب سر وقار الامرا بہادر مرحوم
فرمانے لگے کہ مولوی چراغ علی بھی عجیب و غریب آدمی تھے۔ اور اس کے بعد
اُنہوں نے ایک پارسی جنٹلمین کا واقعہ بیان کیا جسے وظیفہ رعایتی یا رقم دینے
کے متعلق نواب صاحب مرحوم نے حکم دیا تھا۔ مولوی چراغ علی مرحوم نے معاملہ
ڈال رکھا تھا۔ اُس نے آکر نواب صاحب سے شکایت کی کہ معتمد صاحب کچھ تصفیہ
نہیں کرتے اور معاملہ کو ڈال رکھا ہے۔ نواب صاحب نے پھر حکم لکھا۔ مولوی صاحب
مرحوم پھر چُپ سادھ گئے۔ اس نے کچھ عرصہ کے بعد پھر شکایت کی۔ نواب صاحب
نے پھر لکھا، مگر مولوی صاحب مرحوم ٹس سے مس نہ ہوئے۔ بیچارہ سائل کچھ دن
تک اپنے معاملہ میں تگ و دو کرتا رہا۔ لیکن جب دیکھا کہ یہاں دال گلتی نظر نہیں
آتی تو پریشان ہو کر پھر نواب صاحب مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوا اور رو یا دھو
نواب صاحب مرحوم جو مروّت کے پُتلے تھے فرمانے لگے کہ اچھا جب مولوی چراغ

یغفلت آئیں توہمیں یاد دلا دینا۔ غرض وہ تاک میں رہا جس روز مولوی صاحب بارگاہ وزارت میں حاضر ہوئے تو اس نے یاد دہانی کرائی۔ نواب صاحب نے مولوی صاحب سے دریافت کیا کہ میں نے فلاں معاملہ میں آپ کو تین بار حکم دیا، مگر آپ نے اب تک اُس میں کچھ نہ کیا۔ مولوی صاحب نے اُس کا کچھ جواب نہ دیا اور مسل صندوق میں سے نکال کر سامنے رکھ دی۔ نواب صاحب نے کسی قدر جھنجھلا کے کہا کہ میں مسل کو کیا کروں آپ کو کئی بار لکھا گیا ہے اور آپ نے اب تک ہمارے حکم کی تعمیل نہیں کی۔ مولوی صاحب نے اُس کے جواب میں فرمایا کہ "آپ اس لئے وزیر نہیں بنائے گئے کہ سرکار کا خزانہ لٹا دیں۔ آپ کا کام خزانہ کی حفاظت ہے"۔ یہ جواب سن کر نواب صاحب مرحوم بالکل ساکت رہے، اور پھر کبھی آپ نے مولوی صاحب سے اس معاملہ کے متعلق تحریک نہیں کی۔ یہ واقعہ خود نواب سروقار الامرا بہادر مرحوم کی زبانی ہے۔ اور حق یہ ہے کہ سوائے مولوی چراغ علی کے کوئی دوسرا شخص یہ جواب نہیں دے سکتا تھا۔ اس سے اُن کی اخلاقی جرات اور راست بازی کا پورا اندازہ ہو سکتا ہے۔

مولوی سید علی حسن صاحب یہ بھی فرماتے تھے کہ اضلاع پر سے جو تختے (گوشوارے) آتے تھے اور اُن پر جو مولوی صاحب مرحوم تنقیح کرتے تھے اس سے اُن کی دقت نظر اور اعلیٰ درجہ کی ذہانت معلوم ہوتی تھی۔ جو عہدہ دار کہ بڑے بڑے دورے کرتے ہر معاملہ کی چھان بین کرتے اور انتظامی معاملات میں باخبر رہتے تھے، اُن سے تعلقدار لوگ اتنا نہیں ڈرتے تھے، جتنا مولوی چراغ علی مرحوم کی گھر بیٹھے تختوں کی تنقیح سے۔

مطالعہ میں بے حد شغف تھا۔ گویا یہی اُن کا اوڑھنا بچھونا تھا یہاں تک کہ کھانا کھاتے وقت بھی کتاب سامنے رہتی تھی، اور وقتاً فوقتاً نشان کرتے جاتے تھے۔ اور انتہا ہے کہ بیت الخلا میں بھی کتابیں رہتی تھیں، اور وہاں بھی پڑھنے سے نہیں

پڑھ سکتے تھے۔ رات کو تین چار گھنٹے سے زیادہ نہیں سوتے تھے۔ آرام کرسی پر پڑھتے پڑھتے سو گئے، اس کے بعد پلنگ پر جا لیٹے اور پڑھنے لگے اتنے میں سو گئے۔ کچھ دیر کے بعد میز پر جا کر لکھنے لگے۔ مسٹر محبوب علی (سپرنٹنڈنٹ مدرسہ حرفت و صنعت اورنگ آباد فرزند مرحوم) اپنی والدہ کی زبانی یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ فرماتی تھیں کہ میری ایک ڈیوٹی یہ بھی تھی کہ رات کو اُن کے سینے پر سے کتاب اُٹھا کے رکھوں، ورنہ کتاب کے جلد پٹھے سب ٹوٹ کے رہ جاتے۔ تین چار گھنٹے سونے میں اور ایک آدھ گھنٹہ ہوا خوری میں تو البتہ جاتا تھا ورنہ باقی تمام وقت کام میں اور خاص کر مطالعہ کتب اور تالیف و تصنیف میں صرف ہوتا۔ کتابوں کا بہت شوق تھا اور بہت سی عمدہ عمدہ کتابیں جمع کی تھیں۔ اُن کا کتب خانہ قابل دید تھا، اور اُس میں بہت کم ایسی کتابیں تھیں جو اُن کی نظر سے نہ گزری ہوں، یا جن پر اُن کے نشان یا نوٹ نہ ہوں مطالعہ میں اُنہیں ایسی محویت رہتی تھی کہ کچھ ہو جائے اُنہیں خبر تک نہ ہوتی تھی۔ مولوی سید تصدق حسین صاحب مہتمم کتب خانہ آصفیہ کو جو بہت با وضع اور ہمدرد بزرگ ہیں، علاوہ قدیم تعلقات کے ایک مدت تک شب و روز مرحوم کی صحبت میں رہنے کا اتفاق ہوا ہے، مرحوم کے ملازم کلو کی زبانی فرماتے تھے کہ بلدہ میں مرحوم کا جو بنگلہ ہے اُس میں ڈرائنگ روم کے سامنے ایک شہ نشین ہے۔ اُس کے نیچے تہ خانہ بنا ہوا ہے جس میں کاٹھ کباڑ اور ڈیرے خیمے پڑے رہتے تھے۔ ایک روز مولوی صاحب مرحوم اس شہ نشین پر بیٹھے کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے کہ اتفاق سے تہ خانہ میں آگ لگ گئی اور دھواں نکلنا شروع ہوا۔ ملازموں نے بہتیرا شور و غل مچایا کہ آگ لگی۔ مگر حضرت کو کچھ خبر نہیں۔ غرض آگ لگی اور بجھ بھی گئی، مگر آپ جس طرح کتاب پڑھ رہے تھے پڑھتے رہے اور یہ بھی تو خبر نہ ہوئی کہ کیا تھا اور کیا ہوا۔ مولوی انوار الحق صاحب نے اپنی چشم دید واقعہ جو بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ مولوی صاحب مرحوم

ے تھے اور اس کے نیچے تہ خانہ میں آگ لگ گئی اور وہ اسی طرح بے
ہر اس کھانا کھاتے رہے۔ یا تو یہ دونو واقعے ایک ہیں یا کلّو کے بیان
غلطی ہوگئی ہے۔ مگر دونوں کی نوعیت ایک ہے۔ اور اس سے اُن کی
ق کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔ ایک دوسرا واقعہ اسی قسم کا ایک صاحب نے
بیان کیا ہے۔ کہ ایک مقام پر ٹانگہ میں سوار دورہ کر رہے تھے۔ رستے
ٹ گیا۔ آپ اُسی میں پڑے پڑے کتاب کا مطالعہ کرتے رہے۔ لوگ گئے
سری جگہ سے ٹانگہ کا انتظام کیا اور لے کر آئے تو آپ اُس میں سوار ہوکر
ے۔

، وہ تفتیش کی چیٹک تھی۔ وہ جس مضمون کا خیال کرتے اُس کی تہ تک پہنچتے
مالہ و ماعلیہ کے سراغ میں پیتے پیتے اور ڈالی ڈالی پھرتے، اور پتّا ل
تے۔ اپنی کتاب کے واسطے سامان جمع کرنے کے لئے کتابوں کے دفتر
لتے، اور لوگوں کو بھیج کر مصر و شام و دیگر مقامات سے نایاب کتابیں تلاش
چاتے، چنانچہ اسی غرض سے مولوی عبداللہ صاحب ٹونکی کو بغرض تلاش
روانہ کیا تھا مولوی عبداللہ صاحب مرحوم نے جو خط مرحوم کو مصر سے لکھا
، خود دیکھا ہے، اور بعض اوقات ایسے ایسے مقامات سے خوشہ چینی کرتے
روں کا خیال بھی نہ پہنچتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جس مضمون پر اُنھوں نے
دوسروں کے لئے بہت کم گنجایش چھوڑی ہے اُن کی تصانیف پڑھنے
ہوتا ہے کہ ان کا مطالعہ کس قدر وسیع تھا، اور مواد فراہم کرنے کے لئے
کس قدر محنت اور مشقت اُٹھائی ہے۔

ں مرزا مہدی خاں صاحب کوکب سابق اسسٹنٹ سکرٹری پولٹیکل
ظم مرحوم شماری (اسوشئٹ رائل اسکول آف مائنز، فیلو آف دی جیولا

جیکل سوسائٹی وغیرہ) راقم سے فرماتے تھے کہ جب برٹش گورنمنٹ کی طرف سے ریاست میں مسٹر کرالی کے کنٹرولر جنرل مقرر ہونے کی خبر آئی تو چونکہ مولوی صاحب مرحوم فنانشل سکرٹری تھے، انہیں فکر ہوئی۔ آخر انہوں نے فنانس پر انگریزی میں جس قدر مستند اور اعلیٰ درجہ کی کتابیں تھیں سب منگوا لیں، اور اُن کا خوب مطالعہ کیا اور دو مہینہ میں اس قدر عبور حاصل کیا کہ جب مسٹر کرالی سے ملاقات ہوئی، اور فنانشل معاملات پر گفتگو آئی تو وہ مولوی صاحب کے وسیع معلومات کو دیکھ کر دنگ رہ گیا +

اسی طرح جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ ہندی موسیقی پر یوربین لوگوں کو اعتراض ہے۔ تو انہوں نے اسے سیکھنا شروع کیا۔ اور پیانو پر گیتیں نکالنی شروع کیں۔ اُن کا ارادہ تھا کہ ہندی موسیقی کو سائنٹفک طور پر مدون کریں۔ چنانچہ لکھنا بھی شروع کیا تھا اور اس کا نا تمام سا مسودہ اب بھی موجود ہے۔ لیکن اس کام کے لئے بڑی فرصت درکار تھی لہذا اُسے انجام نہ دے سکے۔ علم ہیئت میں بھی اُنہیں خوب دخل تھا +

متعدد علوم اور کئی زبانوں کے عالم تھے۔ چنانچہ سرسید رح اُن کی وفات کے حال میں لکھتے ہیں "متعدد علوم میں نہایت دستگاہ رکھتے تھے؛ عربی زبان و عربی علوم کے عالم تھے؛ فارسی نہایت عمدہ جانتے تھے اور بولتے تھے؛ عبری و کالڈی زبان میں اچھی دستگاہ رکھتے تھے؛ لیٹن اور گریک بقدر کارروائی جانتے تھے؛ اعلےٰ درجہ کے مصنف تھے، انگریزی زبان میں بھی اُنہوں نے تصنیفیں کی ہیں،، زیادہ تر اُن کی تصانیف انگریزی زبان میں ہیں جن کا مفصل ذکر اُن کی مذہبی تصانیف میں آگے چل کر بیان کیا جائیگا۔ لیکن یہاں اس قدر بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ اُن کی ابتدائی تعلیم خاص کر انگریزی زبان میں بہت کم ہوئی تھی لیکن اُنہوں نے صرف اپنے مطالعہ کے زور سے انگریزی زبان میں بہت اچھی مہارت

اور دستگاہ حاصل کر لی تھی۔ یہ صرف ہم اُن کی مطبوعہ کتب کو ہی دیکھ کر نہیں کہتے بلکہ ہم نے اُن کے ہاتھ کے لکھے ہوئے مسودے بھی دیکھے ہیں۔ اُن کی انگریزی کتابوں پر ہندوستان اور انگلستان کے اخبارات نے جو زبردست ریویو کئے ہیں اُن میں اُنکی انگریزی تحریر کی بھی تعریف ہے۔ ہم بطور نمونہ یہاں ایک دو ریویوؤں سے صرف اُن کی انگریزی دانی کے متعلق چند فقرے نقل کرتے ہیں:۔

اتھی نیم نے جو انگلستان کا ایک مشہور پرچہ ہے اور جس کی ادبی تنقید کی دھوم ہے ان کی کتاب زیر دیباچہ پر ایک بڑا ریویو لکھا ہے اور لکھتا ہے کہ "مولوی صاحب کی انگریزی قابل قدر ہے"۔ (بابت ۵ جنوری ۱۸۸۴ء)۔

بمبئی گزٹ جو بمبئی پریسیڈنسی کا بہت قابل قدر اخبار ہے لکھتا ہے کہ "یہ کتاب نہایت عمدہ انگریزی میں لکھی گئی ہے (بمبئی گزٹ بابت ۲۱ جولائی ۱۸۸۳ء)۔

جنرل آف دی انجمن پنجاب نے دو نمبروں میں اس کتاب پر بہت بڑا ریویو لکھا ہے اور اُس میں لکھتا ہے کہ "مصنف کو انگریزی زبان پر بہت بڑی قدرت حاصل ہے اور وہ شرع و مذہب اسلام کا بڑا عالم ہے"۔

مولوی انوار الحق صاحب فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنی آنکھ سے سید محمود مرحوم کا خط مولوی چراغ علی کے نام دیکھا جس میں سید محمود مرحوم نے مولوی صاحب کے وسیع معلومات اور ان کی انگریزی دانی اور انگریزی تحریر کی بڑی تعریف کی تھی۔

علاوہ مذہبی تصانیف کے جن کا ذکر مفصل طور پر الگ کیا جائے گا یہاں اُنکی بعض اُن تالیفات کا ذکر کیا جاتا ہے جو انہوں نے سرکاری تعلق اور حیثیت سے لکھیں یہ سب انگریزی زبان میں ہیں۔

(۱)۔ بجٹ (موازنہ) سب سے اول مولوی چراغ علی مرحوم نے تیار کیا۔ اگرچہ موازنہ اب کچھ کا کچھ ہو گیا ہے اور خاصہ ایک دفتر ہے۔ لیکن بعض اہل الرائے کا یہ

قول ہے کہ جو اختصار اور صفائی اُس موازنہ میں پائی جاتی ہے وہ موجودہ موازنہ میں نہیں۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ آج کل موازنہ کی ترتیب میں بہت کچھ ترقی ہوئی ہے لیکن بمجوائے الفضل للمتقدم فضیلت کی دستار مولوی صاحب مرحوم ہی کے سر رہے گی۔

(۲) اڈمنسٹریشن رپورٹ (رپورٹ نظم و نسق) بابت سنہ ۱۸۸۴ و ۸۵ء لکھی جو چھ سو سینتیس (۶۳۷) بڑے بڑے صفحوں پر ہے۔ اس قسم کی پہلی رپورٹ ہے۔ اور بعد ازاں جتنی رپورٹیں لکھی گئیں وہ سب اسی کی پیروی میں لکھی گئیں۔

(۳) حیدرآباد (دکن) انڈر سر سالار جنگ۔ یہ کتاب چار ضخیم جلدوں میں ہے اور ریاست کی انتظامی حیثیت سے نہایت قابل قدر اور بے مثل کتاب ہے۔ مولوی صاحب مرحوم نے اس کے لکھنے میں بڑی محنت اور جان کاہی سے کام لیا ہے۔ اگرچہ زیادہ تر بحث اس میں اُن تمام انتظامات اور اصلاحات سے ہے جو سر سالار جنگ اعظم کے عہد میں عمل میں آئیں۔ لیکن جس انتظام اور صیغے پر اُنہوں نے قلم اُٹھایا ہے، اُسے ابتدا سے لیا ہے اور اُس کی اصل، تغیرات، وجہ تسمیہ اور تاریخی حیثیت وغیرہ کو محققانہ طور سے بیان کیا ہے اور اُس کے متعلق تمام مواد اور اعداد کو گوشواروں کی صورت میں مہیا کر دیا ہے۔ علاوہ اس تاریخی اور انتظامی حیثیت کے ساتھ ساتھ ممالک محروسہ سرکار عالی کا مقابلہ آس پاس کے صوبہ جات سے بھی کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کو پڑھے بغیر کوئی شخص حیدرآباد کی گزشتہ اور موجودہ حالت انتظامی سے پورا واقف نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً جن لوگوں کے ہاتھ میں انتظام کی باگ ہے، انہیں اس کتاب کا مطالعہ کرنا بہت ضروری بلکہ لازمی و لابدّ ہے۔ اس کتاب کو مولوی صاحب مرحوم نے نواب سر سالار جنگ کے نام سے معنون کیا ہے۔ اگرچہ کتاب نواب صاحب مرحوم کے زمانہ میں آپ کی اجازت سے لکھنی اور چھپنی شروع

ہوگئی تھی، لیکن افسوس ہے کہ وہ اس کے اختتام سے قبل راہی ملک بقا ہوگئے بعد میں فاضل مؤلف نے اپنی احسانمندی کے اظہار میں نواب مرحوم کے نام سے اُسے منسوب کیا۔ انگریزی اخبارات نے اس پر بہت عمدہ عمدہ ریویو کئے ہیں اور فاضل مؤلف کی محنت و تحقیق کی داد دی ہے۔ چنانچہ بمبئی گزٹ اپنے نمبر مورخہ ۴ اکتوبر ۱۸۸۴ء میں اس کتاب پر ریویو کرتے ہوئے لکھتا ہے :۔

" مولوی چراغ علی نے اپنی کتاب کے تاریخی اور اعدادی حصہ میں بڑی محنت اور احتیاط
" صرف کی ہے۔ لیکن سب سے دلچسپ وہ حصہ ہے جس میں موجودہ نظم و نسق کی کیفیت درج ہے اس
" میں متجسس ناظرین اُن مختلف محکموں اور سررشتوں کے طرز عمل اور حقیقت کو دیکھیں گے جو سر سالار
" جنگ کی بدولت ایسے وقت میں ظہور میں آئے جبکہ بے عنوانی اور بے ترتیبی پھیلی ہوئی تھی اور
" اُنھوں نے نظم و ترتیب کی صورت قائم کی "۔

اسی طرح اُس وقت کے رزیڈنٹ مسٹر کارڈری نے اپنے خط مورخہ ۷۔ اکتوبر ۱۸۸۴ء میں جو مولوی صاحب مرحوم کے نام ہے اس کتاب کی بہت تعریف لکھی ہے۔

اسی کا ایک ضمیمہ صرف خاص انڈر سر سالار جنگ ہے۔ جن میں اُن اصلاحات و ترقیات کا ذکر ہے جو سر سالار جنگ کی تدبیر و دانشمندی سے علاقہ صرف خاص میں عمل میں آئیں۔

(۴) جاگیرات و جاگیرداران۔ افسوس یہ کتاب ناتمام رہ گئی۔ مولوی صاحب کا ارادہ تھا کہ اس میں تمام جاگیرداران ممالک محروسہ سرکار عالی کی اصل اور تاریخ، اُن کا رقبہ اور آمدنی، پیداوار، حرفت و صنعت، اور دیگر تمام دلچسپ اور مفصل حالات درج کریں۔ لیکن اس کے لئے اُنھیں مواد بہم پہنچانے میں بہت دقت پیش آئی یہاں کے جاگیردار صاحبان مولوی صاحب کے اس کام کو غالباً شبہ کی نظر سے دیکھتے تھے، اور مُراسلوں کے جواب میں حوصلہ شکن تساہل سے کام لیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مرحوم کی زندگی میں یہ کتاب ختم نہ ہونے پائی۔ اور اُن کے بعد جو لوگ عُہدۂ

فنانشل سکرٹری پر اُن کے جانشین ہوئے۔ اُن میں سے نہ کسی کو اس سے دلچسپی تھی اور نہ اتنی فرصت کہ اس کام کو انجام تک پہنچاتا۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ اگر یہ کتاب لکھی جاتی تو نہ صرف دلچسپ ہوتی بلکہ بہت سی عمدہ معلومات کا خزانہ ہوتا جو گورنمنٹ اور ملک دونو کے لئے مفید ہوتا۔

غرض مولوی چراغ علی مرحوم نہ صرف بحیثیت ایک مصنف کے بلکہ بحیثیت ایک عام انسان کے بھی ایک عجیب وغریب شخص تھے، اور یہی وجہ ہے کہ ان کی نسبت رائے قائم کرنے میں اکثر لوگوں کو مغالطہ ہوا ہے۔ عموماً ہر شخص دوسرے سے اپنی طبیعت اور مزاج کے مطابق توقع رکھتا ہے، اور چونکہ وہ تقریباً ہر شخص سے جدا اور نرالی طبیعت رکھتے تھے اس لئے بہت کم لوگ ایسے تھے جو اُن کی صحیح طور پر قدر کر سکتے تھے۔ مثلاً مولوی صاحب مرحوم ایک تو طبعاً خاموش طبع تھے دوسرے اُنہیں اپنے وقت کی قدر بہت تھی۔ وہ ایسی بیش بہا شئے کو فضول باتوں میں ضائع کرنا نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ اسی وجہ سے وہ عام طور پر لوگوں سے ملنے سے بہت گھبراتے تھے اور جو لوگ ملنے آتے تھے ان سے صرف کام کی بات کے سوائے دوسری بات نہیں کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ بہت جلد ملاقات ختم ہو جائے۔ اور جو کوئی خواہ مخواہ دیر لگاتا تھا اور نہیں ٹلتا تھا تو وہ بہت جز بز ہوتے تھے، کبھی اخبار اٹھالاتے، کبھی کتاب پڑھنے لگتے۔ عام طور پر بہت کم سخن تھے، بہت اختصار کے ساتھ اپنا مطلب ادا کرتے تھے، اور سوائے بعض ہم مذاق احباب کے کسی سے زیادہ باتیں نہیں کرتے تھے لیکن چھوٹے بچّوں سے بے تکلف باتیں کرتے تھے اور اُن سے مزے مزے کے سوالات کرتے، اور اُن کے سوالوں کے جواب نہایت شرح وبسط اور خوبی کے ساتھ دیتے۔ مثلاً اگر کسی بچّے نے کسی پودے کی نسبت پوچھا تو آپ پورا حال اس پودے کا اور پودوں کی نشوونما اور آب وہوا اور زمین

کے اثر کا بیان کر دیتے اور اُن چھوٹی چھوٹی مگر مشکل باتوں کو نہایت صفائی کے ساتھ سمجھاتے تھے۔ لیکن جب لڑکا سیانا ہو جاتا اور اس میں ادب و تمیز پیدا ہو جاتی تو پھر اس سے باتیں کرنا چھوڑ دیتے تھے۔ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ چھوٹے بچوں میں جو بھولا پن، خیال کے ظاہر کرنے میں بے تکلفی اور سادگی، گفتگو میں بے ساختہ پن اور سب سے بڑھ کر جو مساوات ہوتی ہیں وہ بڑے ہو کر نہیں رہتی۔ بڑے ہو کر خیال کے ظاہر کرنے میں کچھ تو تصنع اور کچھ ادب اور لحاظ مانع ہوتا ہے، پھر وہ مساوات کا خیال بھی نہیں رہتا، خوردی و بزرگی کے خیالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ باتیں کرتے ہوئے چھوٹے بچے زیادہ پیارے ہوتے ہیں۔ اور اگر کوئی بتانے والا ہو تو اُس وقت انہیں بہت کچھ سکھا سکتا ہے۔ مولوی صاحب مرحوم اپنے دوستوں اور عزیز و اقربا سے بھی بہت سلوک کرتے تھے لیکن کبھی کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے۔ روپیہ پیسہ کی بالکل محبت نہیں تھی بہت سیر چشم اور عالی ظرف واقع ہوئے تھے، نوکروں پر کبھی سختی نہیں کرتے تھے، نہ کبھی کسی معاملہ میں اُن سے بازپرس کرتے، اور نہ کبھی کوئی سخت کلمہ کہتے۔ بعض اوقات ایسا ہوا کہ کسی نوکر نے اُن کی کوئی عزیز یا بیش قیمت چیز توڑ ڈالی، مگر خفا ہونا تو درکنار انہوں نے پوچھا تک نہیں کہ کیونکر ٹوٹی اور کس نے توڑی۔ مولوی صاحب مرحوم کے بھتیجے مولوی محمد علی صاحب جو نیک سیرتی اور سادگی میں اپنے والد مرحوم اور چچاؤں کی سچی یادگار ہیں، راقم سے فرماتے تھے کہ رات کا کوئی وقت ایسا نہیں تھا کہ جب ہم نے انہیں کام کرتے ہوئے نہ دیکھا ہو۔ تھوڑی دیر سوئے، پھر اُٹھ کر لکھنے یا پڑھنے بیٹھ گئے، اور پھر سو گئے، اور اس کے بعد کیا دیکھتے ہیں کہ کسی دوسرے کمرے میں بیٹھے لکھ رہے ہیں یا پڑھ رہے ہیں۔ چونکہ ذیابیطس کی شکایت تھی، پانی زیادہ پیتے تھے، اور یوں بھی رات کے وقت وہ اکثر کام کرتے رہتے تھے لیکن

کبھی کسی نوکر کو نہ بلاتے اور خود ہی سب کام کر لیتے تھے۔

غرض مولوی صاحب مرحوم ایک کم سخن، خاموش طبع، فلاسفر مزاج، کوہ وقار، عالی خیال شخص تھے کبھی اپنا وقت بیکار ضائع جانے نہیں دیتے تھے۔ ہر وقت مطالعہ یا غور و فکر یا لکھنے میں مصروف رہتے تھے۔ اور ایسے وقت میں کسی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ یہی نہیں کہ بات چیت کم کرتے ہوں بلکہ فضول اور زائد باتوں سے انہیں طبعی نفرت تھی۔ یہ حال غیروں ہی سے نہ تھا بلکہ بیوی بچوں سے بھی یہی کیفیت تھی۔ سب کی سُن لیتے تھے مگر اپنی کچھ نہیں کہتے تھے، کبھی کسی سے مناظرہ اور بحث نہیں کرتے تھے، کوئی کچھ کہا کرے، انہیں جو کچھ کرنا ہوتا تھا کر گزرتے تھے۔

سب کی سُن لیتے ہیں لیکن اپنی کچھ کہتے نہیں
ہے کوئی بھیدی اور ان کا رازداں سب سے الگ } حالی

وقار اور متانت اُن پر ختم تھی، استقلال میں پہاڑ تھے، آزاد خیال ایسے تھے کہ سچ بات کہنے یا لکھنے میں کہیں نہ چوکتے تھے، مطالعہ اور تحقیق میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے، اسلام کے سچے حامی تھے، اور اُن کی عمر اور محنت کا زیادہ حصہ اسی میں گزرا۔ اُن سے پہلے صرف دو شخصوں نے انگریزی زبان میں یوروپین مصنفین کے اعتراضات کی تردید اور اسلام کی حمایت میں کتابیں لکھی تھیں، ایک تو سرسید رح جن کی کتاب خطبات احمد کا ترجمہ انگریزی میں ہوا اور دوسرے رائٹ آنریبل مولوی سید امیر علی بالقابہ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس تحقیق و تدقیق کے ساتھ مولوی چراغ علی مرحوم نے اس مبحث پر کتابیں لکھی ہیں اُس کی اس وقت تک نظیر نہیں ہے۔ یہاں تک کہ خود اُن کے حریف ریورنڈ کینن میکال نے اُن کے علم و فضل اور تحقیق کو تسلیم کیا ہے۔ لیکن باوجود اس کے نہایت بے تعصب

تھے اور کسی مذہب و ملت سے انہیں خصومت یا پرخاش نہ تھی، یہاں تک کہ وہ اسلامی فرقوں میں سے بھی کسی سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ گزشتہ مردم شماری سے قبل جب مردم شماری ہوئی تو انہوں نے مذہب (فرقہ) کے خانہ میں اپنی بیوی کے نام کے سامنے تو لفظ شیعہ لکھ دیا، لیکن اپنے اور اپنے بیٹوں کے نام کے مقابل صفر صفر لکھ دئے۔ اس سے اُن کی کمال بے تعصبی ظاہر ہوتی ہے۔ وہ اُس اسلام کو جس کی تعلیم قرآن نے کی ہے حقیقی مذہب خیال کرتے تھے، اور باقی تمام تفریقوں کو فضول اور لچر سمجھتے تھے۔

اس موقع پر یہ واقعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ جس وقت ہم مولوی صاحب مرحوم کے حالات کی جستجو میں تھے تو ہمیں مولوی صاحب کے کاغذات میں سے چند خطوط مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مرحوم کے بھی ملے جو انہوں نے مولوی صاحب کو لکھے تھے اور اپنی مشہور اور پرُزور کتاب براہین احمدیہ کی تالیف میں مدد طلب کی تھی۔ چنانچہ مرزا صاحب اپنے ایک خط میں کہتے ہیں کہ "آپ کا افتخار نامہ محبت آمود۔ . . . عز ورود لایا۔ اگرچہ پہلے سے مجھ کو بہ نیت الزام خصم اجتماع براہین قطعیہ اثبات نبوت وحقیت قرآن شریف میں ایک عرصہ سے سرگرمی تھی مگر جناب کا ارشاد موجب گرم جوشی و باعث اشتعال شعلہ حمیت اسلام علے صاحبہ السلام ہوا اور موجب ازدیاد تقویت و توسیع حوصلہ خیال کیا گیا کہ جب آپ سا اولوالعزم صاحب فضیلت دینی و دنیوی تہ دل سے حامی ہو، اور تایید دین حق میں دل گرمی کا اظہار فرماوے تو بلا شائبۂ ریب اس کو تایید غیبی خیال کرنا چاہیئے جزاکم اللہ نعم الجزاء . . . . ماسوائے اس کے اگر اب تک کچھ دلائل یا مضامین آپ نے نتائج طبع عالی سے جمع فرمائے ہوں تو وہ بھی مرحمت ہوں"۔ ایک دوسرے خط میں تحریر فرماتے ہیں "آپ کے مضمون اثبات نبوت کی اب تک

میں نے انتظار کی، پر اب تک نہ کوئی عنایت نامہ نہ مضمون پہنچا، اس لئے آج مکرر تکلیف دیتا ہوں کہ براہ عنایت بزرگانہ بہت جلد مضمون اثبات حقانیت فرقان مجید طیار کرکے میرے پاس بھیج دیں، اور میں نے بھی ایک کتاب جو دس حصے پر مشتمل ہے تصنیف کی ہے اور نام اس کا براہین احمدیہ علے حقانیۃ کتاب اللہ القرآن والنبوۃ المحمدیہ رکھا ہے۔ اور صلاح یہ ہے کہ آپ کے فوائد جرائد بھی اُس میں درج کردوں اور اپنے محقر کلام سے اُن کو زیب وزینت بخشوں۔ سو اس امر میں آپ توقف نہ فرماویں اور جہاں تک جلد ہو سکے مجھ کو مضمون مبارک اپنے سے ممنون فرماویں" اس کے بعد پنجاب میں آریوں کے شور و شغب اور عداوت اسلام کا کسی قدر تفصیل سے ذکر کیا ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ" دوسری گذارش یہ ہے کہ اگرچہ میں نے ایک جگہ سے وید کا انگریزی ترجمہ بھی طلب کیا ہے، اور اُمید کہ عنقریب آجائے گا اور پنڈت دیانند کی وید بھاش کی کئی جلدیں بھی میرے پاس ہیں، اور ان کا ستیا ارتھ پرکاش بھی موجود ہے، لیکن تاہم آپ کو بھی تکلیف دیتا ہوں کہ آپ کو جو اپنی ذاتی تحقیقات سے اعتراض ہنود پر معلوم ہوئے ہوں یا جو وید پر اعتراض ہوتے ہوں، اُن اعتراضوں کو ضرور ہمراہ دوسرے مضمون اپنے کے بھیج دیں۔ لیکن یہ خیال رہے کہ کتب مسلّمہ آریہ سماج کی صرف وید اور منو اسمرت ہے، اور دوسری کتابوں کو مستند نہیں سمجھتے بلکہ پرانوں وغیرہ کو محض جھوٹی کتابیں سمجھتے ہیں۔ میں اس جستجو میں بھی ہوں کہ علاوہ اثبات نبوت حضرت پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے ہنود کے وید اور اُن کے دین پر بھی سخت سخت اعتراض کئے جائیں کیونکہ اکثر جاہل ایسے بھی ہیں کہ جب تک اپنی کتاب کا ناچیز اور باطل اور خلاف حق ہونا ان کے ذہن نشین نہ ہو تب تک گو کیسی ہی خوبیاں اور دلائل حقانیت قرآن مجید کے اُن پر ثابت کئے جائیں۔ اپنے دین کی طرفداری

سے باز نہیں آتے، اور یہی دل میں کہتے ہیں کہ ہم اسی میں گزارہ کریں گے۔ سو میرا ارادہ ہے کہ اس تحقیقات اور آپ کے مضمون کو بطور حاشیہ کے کتاب کے اندر درج کردوں گا۔" ایک اَور خط مورخہ ۱۹ فروری ۱۸۷۹ء میں تحریر فرماتے ہیں " فرقان مجید کے اعجاز اور کلام الٰہی ہونے کے ثبوت میں آپ کا مدد کرنا باعث ممنونی ہے نہ موجب ناگواری۔ میں نے بھی اسی بارے میں ایک چھوٹا سا رسالہ تالیف کرنا شروع کیا ہے۔ اور خدا کے فضل سے یقین کرتا ہوں کہ عنقریب چھپ کر شائع ہو جائے گا۔ آپ کی اگر مرضی ہو تو وجوہات صداقت قرآن جو آپ کے دل پر القا ہوں میرے پاس بھیج دیں، تا اُسے رسالہ میں حسب موقع اندراج پا جائے یا سفیر ہند میں ..... لیکن جو براہین (جیسے معجزات وغیرہ) زمانہ گزشتہ سے تعلق رکھتے ہوں اُن کا تحریر کرنا ضروری نہیں، کہ منقولات مخالف پر حجّت قویّہ نہیں آسکتیں۔ جو نفس الامر میں خوبی اور عمدگی کتاب اللہ میں پائی جائے یا جو عند العقل اُس کی ضرورت ہو وہ دکھلانی چاہیئے۔ بہر صورت میں اُس دن بہت خوش ہوں گا کہ جب میری نظر آپ کے مضمون پر پڑے گی۔ آپ بمقتضا اس کے کہ الکریم اذا وعد وفا مضمون تحریر فرماویں۔ لیکن یہ کوشش کریں کہ کیف ما اتفق مجھ کو اس سے اطلاع ہو جائے۔ اور آخر میں دُعا کرتا ہوں کہ خدا ہم کو اور آپ کو جلد تر توفیق بخشے کہ منکر کتاب الٰہی کو دنداں شکن جواب سے ملزم اور نادم کریں ولاحول ولا قوۃ الا باللہ۔" اس کے بعد ایک دوسرے خط مورخہ ۱۰ مئی ۱۸۷۹ء میں تحریر فرماتے ہیں " کتاب (براہین احمدیہ) ڈیڑھ سو جز ہے جس کی لاگت تخمیناً نو سَو چالیس روپیہ ہے، اور آپ کی تحریر محققانہ ملحق ہو کر اَور بھی زیادہ ضخامت ہو جائے گی۔"

ان تحریروں سے ایک بات تو یہ ثابت ہوتی ہے کہ مولوی صاحب مرحوم نے

مرزا صاحب مرحوم کو براہین احمدیہ کی تالیف میں بعض مضامین سے مدد دی ہے۔ دوسرے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب مرحوم کو حمایت و حفاظت اسلام کا کس قدر خیال تھا۔ یعنے خود تو وہ یہ کام کرتے ہی تھے مگر دوسروں کو بھی اس میں مدد دینے سے دریغ نہ کرتے تھے۔ چنانچہ جب مولوی احمد حسن صاحب امروہی نے اپنی کتاب تاویل القرآن شائع کی تو مولوی صاحب مرحوم نے بطور امداد کے سَو روپیہ مصنف کی خدمت میں بھیجے۔ اسی طرح جو لوگ حمایت اسلام میں کتابیں شائع کرتے تھے ان کی کسی نہ کسی طرح امداد کرتے تھے اور اکثر متعدد جلدیں ان کی کتابوں کی خرید فرماتے تھے، چنانچہ مولوی محمد علی صاحب کی کتاب پیغام محمدی کی کئی سَو جلدیں خرید کر دکن میں تقسیم کر دیں۔

وہ میانہ قد اور بھاری جسم کے آدمی تھے، چہرے سے اُن کے رعب داب اور متانت ٹپکتی تھی، چہرہ بھاری بھرکم، سر بڑا، اور آنکھیں بڑی بڑی تھیں اور دیکھنے سے رعب اور اثر پڑتا تھا۔ اُن کے اکثر ہم عصر اور ہم رُتبہ لوگ اُن کا بہت احترام اور بہت ادب کرتے تھے اور اس طرح ملتے تھے، جیسے چھوٹے بڑوں سے ملتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ علاوہ شکل وصورت کے لوگوں پر اُن کے علم وفضل اور قابلیت کا بھی رعب پڑتا تھا۔

حیدر آباد میں جہاں ہمیشہ کوئی نہ کوئی فتنہ بپا رہتا ہے، اور ایک بکھیڑے سے نجات نہیں ملتی کہ دوسرا جھگڑا اکھڑا ہو جاتا ہے، وہ اس طرح سے رہے، جیسے طوفان موج خیز میں لائٹ ہوس۔ حالانکہ وہ ہمیشہ بڑے بڑے عہدوں پر رہے لیکن کبھی کسی جھگڑے، کسی سازش، کسی پولٹیکل سوشل تحریک میں اُن کا نام نہیں آیا۔ وہ ہمیشہ دھڑے بندیوں سے الگ رہے، نہ اپنا کوئی جتھا بنایا اور نہ کسی کے جتھے میں شریک ہوئے۔ وہ اپنے تمام سرکاری نیز خانگی امور میں ہر قسم کے تعصبات

بری تھے، وہ ان سب جھگڑوں کو فضول اور ہیچ سمجھتے تھے، اُن کی توجہ اوُ
کا دل کہیں اَور تھا۔

پاک ہیں آلائیشوں میں بندشوں میں بے لگاؤ
رہتے ہیں دنیا میں سب کے درمیاں سب سے الگ } حالی

جو لوگ یہاں کامیابی اور عزّت کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں، اُنہیں مولوی
غ علی مرحوم کی مثال پیش نظر رکھنی چاہیئے۔ اور یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ زمین
یں قلبہ رانی کا نتیجہ سوائے ندامت کے کچھ نہیں۔ انہیں مولوی چراغ علی
کی طرح اُس زرخیز زمین میں تخم ریزی کی کوشش کرنی چاہیئے جس کے نتائج
ک بارآور رہیں، اور جس کی وجہ سے اُن کا نام ہمیشہ عزّت و حرمت کے ساتھ
یا جائے گا۔

بارے دنیا میں رہو، غمزدہ یا شاد رہو
ایسا کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو } میر

# وفات

اگر صد سال مانی ور یکے روز بباید رفت زیں کاخ دل افروز

مرحوم کو ذیابیطس کی شکایت تو پہلے ہی سے تھی۔ اب اسی کے اثر سے ایک
ی وہنی کنپٹی اور گردن کے درمیان دائرہ کے نیچے نمودار ہوئی، ڈاکٹر ہیر
کے فیملی ڈاکٹر تھے۔ اور ڈاکٹر لاری مشہور سرجن و سابق ناظم محکمۂ طبابت سرکار
کی یہ راے ہوئی کہ عمل جراحی کیا جائے۔ اس وقت تک مرحوم بالکل تندرست
صحیح معلوم ہوتے تھے اور سرکاری کام میں برابر مصروف تھے۔ چنانچہ حسب مشوؔ
ڈاکٹر لاری نے نشتر دیا۔ اس کے بعد صحت میں یکبارگی فرق آگیا اور ضعف

طاری ہو گیا۔ بعد ازاں دو تین بار پھر نشتر کیا گیا اور ہر بار حالت ردی ہوتی گئی اور زہر آلود خون پھیلتا گیا۔ حالانکہ یہ زخم بہت ہی نازک ہو گیا تھا اور پکے پھوڑے سے زیادہ اس میں تکلیف ہوتی تھی، لیکن جب ڈاکٹر زخم صاف کرتا اور اُسے اندر باہر سے صاف کر کے دھوتا تھا، تو مولوی صاحب خاموش اسی طرح بیٹھے رہتے تھے، کیا مجال جو زبان سے اُف نکل جائے، یا تیور سے کسی قسم کی درد یا تکلیف کا اظہار ہو، چونکہ حالت ناقابل اطمینان تھی لہذا مولوی صاحب اور اُن کے اعزہ و احباب کی یہ رائے قرار پائی کہ بمبئی جا کر علاج کیا جائے۔ چنانچہ روز سہ شنبہ بتاریخ ۱۱ جون ۱۹۱۸ء مرحوم مع اہل و عیال کے بمبئی تشریف لے گئے۔ وہاں بڑے بڑے حاذق ڈاکٹروں نے علاج کیا۔ مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا، حالت بہت ردی ہو چکی تھی، زہر آلود خون جسم میں پھیل گیا تھا۔ حکیموں اور ڈاکٹروں کی حذاقت اور چارہ سازی دھری رہ گئی، اور حکمت و تدبیر کچھ کارگر نہ ہوئی۔ وہ وقت جو ٹلنے والا نہیں ہے اور جس سے کوئی جاندار بچ نہیں سکتا آخر آ پہنچا۔ پندرھویں جون روز شنبہ صبح کے آٹھ بجے سے تنفس شروع ہو گیا اور گیارہ بجتے بجتے دار فنا کا مسافر زندگی کی پچاس منزلیں طے کر کے راہی ملک بقا ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ، وَّیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّکَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِکْرَام

مرحوم بمبئی کے قبرستان میں دفن ہوئے

انسان نہیں رہتا۔ لیکن اُس کے اعمال رہ جاتے ہیں، جو کسی کے مٹائے نہیں مٹ سکتے۔ یہی اس کی پونجی، یہی اُس کی آل اولاد اور یہی اُس کی کمائی ہے۔ اولاد مرحوم کی یہی ہے یعنے پانچ بیٹے اور دو بیٹیاں، اور بفضل خدا سب کے سب صحیح سلامت اور بقید حیات ہیں۔ اور اولاد کس کے نہیں ہوتی اور کون جاندار ہے جو اس پر قادر نہیں، بلکہ جتنے ادنےٰ اور ذلیل جانور ہیں اُتنی ہی اُنکے

زیادہ اولاد ہوتی ہے۔ چنانچہ بعض کیڑے ایسے ہیں کہ اُن کے چند گھنٹوں میں ہزاروں لاکھوں بچّے پیدا ہوتے اور مرجاتے ہیں۔ لیکن انسان کا نام اسکے کام سے ہے۔ آج جو ہم مرحوم کو یاد کر رہے ہیں تو کیا اُن کی اولاد اور مکانات اور جاہ و ثروت کی وجہ سے؟ ہرگز نہیں۔ یہ سب آنی جانی چیزیں ہیں۔ بلکہ اُن کے کیرکٹر اور کام کی وجہ سے۔ اور ہم کیا یاد کر رہے ہیں، بلکہ اُن کا کیرکٹر اور اُن کا کام خود ہمیں اُن کی یاد دلا رہا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ آج ہم اُنکی کتابیں شوق سے پڑھتے، اُن کا ترجمہ کرتے اور انہیں یاد کرتے ہیں اور اُن کے نیک نام اور کام کی یاد دوسروں کو دلاتے ہیں۔ بس یہی ایک چیز ہے جو مرحوم کو زندہ رکھے گی اور یہی ایک چیز ہے جو دُنیا میں اللہ کے نیک بندوں کو زندہ رکھتی ہے۔

مرحوم کی وفات پر تمام اردو انگریزی اخبارات میں اظہار افسوس و ملال کیا گیا تھا۔ لیکن یہاں ہم بخوف طوالت صرف دو تحریروں کی نقل کرتے ہیں۔ ایک نواب سروقار الامرا بہادر مرحوم (مدار المہام) وقت کا اظہار افسوس جو انہوں نے سرکار کی طرف سے کیا۔ اور جو جریدہ اعلامیہ سرکار عالی میں طبع اور شائع ہوا۔ دوسرا سرسید رح کا نامۂ الم جو اس دردناک خبر کے سُنتے ہی اُنہوں نے تہذیب الاخلاق میں لکھا تھا۔ حقیقت میں یہ دونو تحریریں سچّی اور دل سے لکھی گئی ہیں۔

"مولوی چراغ علی کی وفات سے ریاست کا ایسا بے لاگ، بے لوث، مستقل مزاج، تجربہ کار "عہدہ دار جاتا رہا کہ پھر اس کا بدل نہ ملا۔ اُدھر قوم میں سے ایک حامئ ملت اور فاضل "محقق گم ہوگیا۔ جن مضامین پر مولوی چراغ علی مرحوم نے قلم اُٹھایا ہے اُس پر اور بھی بہت "سے لکھنے والے پیدا ہوگئے ہیں اور زمانہ آیندہ اس سے بھی بہتر لوگ پیدا کرے گا لیکن "ایسے دُھن کے پکّے، دُنیا و مافیہا سے بے خبر اور اپنے کام میں ہمہ تن محو مشکل سے پیدا ہوں گے۔"

(از جریدہ اعلامیہ احکام سرکار نظام الملک آصف جاہ، جلد بست و ششم نمبر چہل و یکم مطبوعہ

ہفدہم امرداد ماہ الٰہی ۱۳۰۴ فصلی مطابق سی ام ذی الحجہ ۱۳۱۲ ہجری)

"نواب مدار المہام سرکار عالی نے نہایت درجہ افسوس کے ساتھ سُنا کہ مولوی چراغ علی صاحب اعظم یار جنگ بہادر معتمد مال و فینانس سرکار عالی نے بتاریخ ہشتم امرداد ۱۳۰۴ فصلی بروز شنبہ بمقام بمبئی جہاں وہ علیل ہو کر بغرض علاج و تبدیل آب و ہوا گئے تھے، انتقال کیا۔ مرحوم ایک نہایت لائق کارگزار، واقف کار، ذی علم، مستقل مزاج، اور سنجیدہ عہدہ دار تھے۔ نواب مدار المہام سرکار عالی مکرر اظہار افسوس کرتے ہیں کہ طبقۂ عہدہ داران میں سے مولوی چراغ علی صاحب مرحوم کے ایسے منتخب اور برگزیدہ شخص کے انتقال سے سرکار کو درحقیقت بہت نقصان پہنچا۔" (صفحہ ۳۹ نشان ۱۶۴)۔

(از تہذیب الاخلاق علی گڈھ) سلسلہ سوم جلد دوم۔ مطبوعہ یکم محرم الحرام ۱۳۱۳ ہجری)۔

"افسوس! ہزار افسوس! صد ہزار افسوس! کہ پندرھویں جون ۱۸۹۵ء کو نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی نے بمقام بمبئی چار ہفتہ کی بیماری میں انتقال کیا۔ اُن کا خط خود اُن کے ہاتھ کا لکھا ہوا مورخہ نہم جون مقام حیدر آباد سے ہمارے پاس آیا تھا، جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ تین ہفتہ سے بیمار ہوں، ڈاڑھ کے نیچے ایک گلٹی نکلی ہے، ڈاکٹروں نے اس اندیشہ سے کہ مغز میں ورم نہ ہو جائے کلوروفارم کا عمل کر کے کاٹا اور بعد میں پھر دوبارہ کلوروفارم کا عمل کیا۔ بہت ہی کمزور ہو گیا ہوں، کھاتا پیتا نہیں، چلنا پھرنا موقوف، مگر اب زخم بھرتا چلا آتا ہے، اور ارادہ ہے کہ تبدیل آب و ہوا کے لئے بمبئی جاؤں۔ اس کے بعد بارھویں جون کا بمبئی سے انہیں کا بھیجا ہوا تار ہمارے پاس آیا کہ میں بمبئی آ گیا ہوں۔ افسوس کہ پندرھویں تاریخ کو جب کہ ہم بعض کاغذات اُن کے نام روانہ کر رہے تھے اور خیر و عافیت چاہ رہے تھے، اُسی وقت اُنہوں نے بمبئی میں انتقال کیا۔

"مولوی چراغ علی مرحوم ایک بے مثل اور مرنج و مرنجان شخص تھے، ہمارے کالج کے ٹرسٹی اور بہت بڑے معاون تھے، حیدر آباد میں سالار جنگ اعظم نے اُن کو بُلایا تھا، اس زمانے سے اس وقت تک متعدد انقلابات حیدر آباد میں ہوئے اور پارٹیاں بھی قائم ہوئیں مگر اُن کو بجز اپنے کام کے کسی سے کچھ کام نہ تھا۔ اُن کو بجز اپنے کام یا علمی مشغلے کے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ حیدر آباد میں یا دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔

"متعدد علوم میں نہایت اعلیٰ درجہ کی دستگاہ تھی۔ عربی علوم کے عالم تھے۔ فارسی نہایت عمدہ جانتے تھے اور بولتے تھے، عبری و کالڈی میں نہایت اچھی دستگاہ رکھتے تھے۔ لیٹن اور گریک بقدر کارروائی جانتے تھے۔ اعلےٰ درجہ کے مصنّف تھے۔ انگریزی زبان میں بھی انہوں نے کتابیں تصنیف کی ہیں۔ مذہب اسلام کے ایک فلاسفر حامی تھے۔ ہمارے بڑے دوست تھے۔ ایسی خوبیوں کے شخص کا انتقال کرنا ایسے زمانہ میں، کہ اُن کی عمر کچھ زیادہ نہ تھی، نہایت افسوس اور رنج کے لائق ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ افسوس ہے کہ وہ مضمون اور لاحل سوال کا جواب جو اُنہوں نے تہذیب الاخلاق میں لکھنا چاہا تھا، ناتمام رہ گیا، اور اب اُمید نہیں کہ کوئی شخص اس لاحل سوال کو حل کرے گا۔"

مرحوم کے انتقال پر بہت سی تاریخیں لوگوں نے کہیں۔ اُن میں سے چند

ھی جاتی ہیں۔

سید محمود مرحوم (خلف سر سید رح) نے بھی جو فارسی صنائع میں تاریخ کی صنعت
ت پسند کرتے تھے یہ تاریخ نکالی۔

حیف چراغ علی از دنیا نہاں شُد

۱۸۹۵ء

ولانا حالی مدظلہ العالی نے اسے نظم میں اس طرح موزوں فرمایا ہے۔

خمے از مرگ چراغ علی آمد بر دل — کہ از و خاطرِ افگار بصد غم شدہ جفت
زخرد سال وفاتش چو بجستم 'محمود' — "شد نہاں حیف چراغ علی از دنیا" گفت

ولانا حالی نے خود بھی ایک قطعہ مرحوم کی وفات پہ لکھا ہے، جس میں گویا مرحوم
م اور کیریکٹر کی کامل تصویر کھینچ دی ہے۔ وہ یہ ہے۔

ہ آہ! از رحلت بے گاہِ اعظم یار جنگ — کز میانِ رہ ہمراہاں عنان پیچید و رفت
یف دنیا را بہ پنجاہ سالگی کردہ وداع — بزم ما را بزم ماتم باز گردانید و رفت
ستفیداں پُر نہ کردہ دامن معنی ہنوز — مشتے از گنجینۂ لعل و گہر پاشید و رفت
ز سحاب فیض کلکش نا شدہ سیراب خلق — ساعتے برق یمانی از افق تابید و رفت
قدہا نکشودہ ماند و نکتہ ہا نانوشتہ ماند — بہر جوئے شیر کوہ بے ستوں کندید و رفت
رد بے آزارِ خلق اعمالِ سلطانی ادا — نے ز کس رنجید و نے کس را برنجانید و رفت
اوران قوم را تا زیست یاور بود و یار — ہر چہ بتوانست در تاییدشاں کوشید و رفت
ز دل پُر درد او گاہے صدائے بر نخاست — مستے چوں بحر کاہل در نہاں جوشید و رفت
بعِ آزادش بہ ملت کہ بینی صُلح داشت — در دلِ خویش و دلِ بیگانہ در گنجید و رفت
رزید صد سال کس انجامِ او گر گشت بس — چوں شرر بر وضعِ دوراں میتواں خندید و رفت

وی محمد اعظم صاحب چریا کوٹی نے بھی جو ایک عالم شخص ہیں اور ایک زمانے

تک حیدر آباد میں ملازم تھے اور اب وظیفہ یاب حسن خدمت ہیں، ایک اچھا قطعہ تاریخی لکھا ہے، جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے :-

آں گرامی معتمد کز حسن رائیش بیدرنگ ۔۔۔ یافت آرے در دکن مال و خزانہ آب و رنگ
محکم اخلاص و لی با ملت اسلام داشت ۔۔۔ در معیشت بود رفتارش بر آداب فرنگ
علم را جوہر شناسے، قدر دان اہل علم ۔۔۔ طالب حکمت نگہدارندۂ آئین ہنگ
با علو فکرتش مرغ ہما بر کندہ بال ۔۔۔ عقل کل در مرغزار جود تش آہوئے لنگ
باسبک روحی تیبنی بود چوں کوہ گراں ۔۔۔ کلک او در دشت معنی برق رفتارے سرنگ
بہر معینہا دلش دریائے گوہر خیز بود ۔۔۔ وقت گویائی دہانش بود شکر بار تنگ
شد نمایاں ناگہاں از گوشۂ رخسار او ۔۔۔ دانۂ ریش قضا چیزے کم از قدر مشنگ
بارہا از بہر اصلاحش بروے نشتر زدند ۔۔۔ تا شد از نشتر زنیہا کار بر بیمار تنگ
رفتہ رفتہ شد بس ابتر حال او در چند روز ۔۔۔ بود گویا صورت تصویر بر پشت پلنگ
عاقبت بے وقت مرگ از گلشن گیتی ربود ۔۔۔ آنچنانش کز کمیں ساحل نشیناں را نہنگ
الغرض چوں رخت ہستی بست از دنیائے دوں ۔۔۔ ہاتفی گفت از جلالی، وائے اعظم یار جنگ
۱۲ ۔۔۔ ۱۳ھ

سید محمد واحد علی صاحب کاکوروی نے بھی مرحوم کی دو تاریخیں، ایک سنہ عیسوی میں دوسری ہجری نبوی میں کہی تھیں - جو یہ ہیں :-

۱ - ہاتفی گفت از سر افسوس ۔۔۔ گوہر شب چراغ بود نماند
۹۵ ۔۔۔ ۶۱۸
۲ - ہائے اعظم یار جنگ -
۱۲ ۔۔۔ ۱۳ھ

# مقدمہ

## اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام

(از مترجم)

## حصّہ دوم

## مشتمل بر تصانیف مذہبی

غدر ۱۸۵۷ء سے مسلمانان ہند کی حالت میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہوا - اگرچہ اقبال کبھی کا مُنہ موڑ چکا تھا، لیکن پھر بھی برائے نام باریک سا پردہ آنکھوں کے سامنے حائل تھا۔ اس پردہ کے اُٹھتے ہی ادبار کی بھیانک اور مہیب تصویر نظروں کے آگے پھر گئی۔ رسّی کے جلنے پر بھی بل ویسے ہی رہتے ہیں، نشہ اُتر جانے پر بھی خمار کا اثر باقی رہتا ہے، سب کچھ چھن جانے پر بھی غفلت وہی رہی۔ فرداً فرداً سب اپنی قسمت کے شاکی اور اپنے حال پر نالاں تھے، لیکن بدبخت قوم کے حال زار پر کسی کو نظر نہ تھی اور جو کسی کے دل میں درد اُٹھا بھی تو اتنی ہمّت اور سکت کہاں جو اس پُر آشوب اور تاریک زمانے میں جب کہ ہر طرف یار و اغیار مُنہ کھولے بیٹھے تھے، اور زمین و آسمان دُشمن ہو رہے تھے اپنے اور اپنے بھائیوں کے لئے ہاتھ پاؤں مارے۔ قومیت کا خیال سالہاسال سے مٹ چکا تھا، اخوت اور محبّت کے اثر دلوں سے محو ہو چکے تھے، البتّہ

مذہب سے محبت ضرور تھی، مگر وہ بھی نادان دوست کی محبت سے زیادہ نہ تھی۔ حکومت جا چکی تھی، اقبال مُنہ موڑ چکا تھا، دولت سے بہرہ نہ تھا، علم پاس نہ تھا، اغیار تو اغیار خود یار و مددگار جان کے لیوا تھے، آفات کا نزول تھا، ادبار کی چڑھائی تھی۔ ایسے اڑے وقت پر، ایسے نازک زمانے میں، ایسے ہنگامۂ رُست وخیز میں جب کہ نفسی نفسی کا عالم اور عزت وغیرت کا ماتم بپا تھا، اپنے بھائیوں کے کام آنا عین جواں مردی اور اصل انسانیت ہے۔

چیست انسانی؟ پنپیدن از تپ ہمسایگاں
وز سموم نجد در باغ عدن بریاں شدن

مسلمانوں کی حالت اس وقت اس بے سرساماں اور لُٹے قافلہ کی سی تھی جو ایک لق ودق صحرا میں جا نکلا ہے، جہاں راستہ کا نشان گُم ہے، زادِ راہ مفقود ہے، ہر طرف سے طوفان بپا ہے۔ مگر اس پر بھی ایک دوسرے سے لڑتے مرتے ہیں اور نفسانیت پر تلے ہُوئے ہیں، لیکن ان میں سب سے زیادہ غافل اور لاعقل اُن کے رہبر و رہنما ہیں۔ اس بُرے وقت میں اُنہیں میں سے ایک بندۂ خدا اُٹھتا ہے، جو انہیں راستہ دکھانے اور کھوئی دولت کا نشان بتانے پر آمادہ ہوتا ہے اہل قافلہ اُس پر ہنستے اور اُسے بیوقوف بناتے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر ان کے راہ گُم کردہ اور گمراہ کن رہنما اس کے دشمن ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ آپس کے لڑائی جھگڑے چھوڑ اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ اس پر طرح طرح کی بدگمانیاں کی جاتی ہیں۔ اس کی محبّت کو عداوت، اس کی ہمدردی کو بدخواہی، اس کی دلسوزی کو خود غرضی پر محمول کیا جاتا ہے، وہ جُوں جُوں اُن کی دل دہی کرتا ہے، وہ اس سے اور بدکتے ہیں، وہ جوں جوں اُن کی فلاح وبہبودی کی کوشش کرتا ہے وہ اور اس سے بدظن ہوتے ہیں۔ ایک عرصہ تک اس کی صدا صحرا بہ صحرا اور اُسکی بے ریا

کوشش سعی لاحاصل رہی۔ لیکن آخر اُس کی صداقت نے فتح پائی۔ اُس کے خلوص نے سب کو قائل کر دیا۔ اُس کی بے ریائی نے خود غرضیوں کے طلسم کو توڑ دیا اور زمانے نے خود کھوٹے کھرے کو پہچان لیا۔ جھوٹ کو زک ہوئی اور میدان سچ کے ہاتھ رہا۔ جَآءَ الْحَقُّ وَزَہَقَ الْبَاطِلُ۔

وہ کوئی انوکھا شخص نہ تھا۔ وہ ہمیں میں سے تھا۔ ہماری ہی سوسائٹی میں اس نے پرورش پائی تھی۔ وہ کوئی عالم و فاضل نہ تھا، مالدار اور دولت مند نہ تھا، صاحبِ جاہ و ذی اثر نہ تھا، وہ ہر لحاظ سے ایک معمولی آدمی تھا۔ لیکن ہاں اُسے ایک دل ملا تھا جس میں درد تھا اور واقعات سے متاثر ہونے کی صلاحیت تھی۔ لیکن کیا کسی اَور کے دل میں درد نہ تھا؟ ہوگا۔ اور ممکن ہے کہ اس سے زیادہ ہو۔ لیکن اگر نرا درد ہی درد ہوا تو پھر انسان اس کے جذبہ اور زور میں اپنے تئیں نہیں سنبھال سکتا۔ وہ آپے سے باہر ہو جاتا اور کپڑے پھاڑ کر دنیا سے نکل جاتا ہے یا ایسا محو اسرار ہو جاتا ہے کہ اس کی نوبت "خبرش باز نیامد" تک پہنچ جاتی ہے۔ مگر اس درد کے ساتھ اُسے دماغ بھی ویسا ہی عطا ہوا تھا۔ درد اس میں حرکت اور اشتعال پیدا کرتا تھا اور عقل اس کی تحریک پر اسے سیدھے راستہ سے بھٹکنے نہیں دیتی تھی۔ یہی ایک سچے مذہب اور خصوصاً اسلام کی تعلیم کا ماحصل ہے کہ انسان نہ تو جذبات ہی سے ایسا مغلوب ہو جائے کہ دُنیا کے کام کا نہ رہے اور نہ درد سے خالی عقل ہی کا بندہ ہو جائے کہ ایک بگولے کی طرح دُنیا میں مارا مارا پھرے۔ اس لئے ایسے نازک وقت میں قوم کو سنبھالنا ایک ایسے ہی شخص کا کام تھا جس کے سینے میں درد بھرا دل ہو اور اسکے ساتھ ہی روشن دماغ رکھتا ہو۔ ریفارمر اور مجتہد ہونے کا حق ایسے ہی شخص کو حاصل ہے۔

آج یہ اسی کا طفیل ہے کہ ہم مسلمانوں میں ایک حرکت سی دیکھتے ہیں۔ اسی نے ہمیں قومیت اور ہمدردی کا سبق پڑھایا، اسی نے ہمیں علم سیکھنے کا شوق دلایا، اسی نے

ہمیں اپنے مذہب کی حقیقت سے واقف کیا اور دین و دنیا کو ساتھ لے چلنے کی تعلیم دی +

باوجود ان تمام بیش بہا اور بے نظیر خدمات اور احسانات کے جو سر سیدؒ نے اپنی قوم پر کئے اس نے اپنی مثال سے دنیا میں پھر ایک بار یہ ثابت کر دیا کہ علم و فضل دستار فضیلت میں نہیں حکمت و دانش یونیورسٹی کی ڈگریوں میں نہیں، لیاقت و قابلیت امتحان سے حاصل نہیں ہوتی۔ اور اگر بالفرض یہ سب کچھ ہو بھی تو کیا؟ کیا کتابوں کے تودے اور عمامۂ فضیلت کے وزن سے انسان انسان بنتا ہے؟ نہیں۔ بلکہ

کچھ اُدھر کا بھی اشارہ چاہیئے

بعض "حاملانِ اسفار" اب تک اسی خام خیالی میں پڑے ہوئے ہیں کہ ایسے شخص کو جس نے کبھی باقاعدہ نصاب نظامیہ پڑھ کر فضیلت کی دستار حاصل نہیں کی کیا حق حاصل تھا کہ وہ تفسیر لکھے، یا جس نے کبھی علوم کی تحصیل کی نہیں اُس کو علوم کی اشاعت اور اس کے متعلق رائے دینے کا کیا منصب تھا۔ لیکن اُن کو کولھو کے چکر سے باہر نکل کر اور آنکھوں پر سے اندھیری اُٹھا کر ذرا دُنیا کو دیکھنا چاہیئے۔

لیکن بڑی مشکل یہ تھی کہ قوم میں ایک خرابی نہ تھی کہ جس کی اصلاح کی جائے کوئی ایک بیماری نہ تھی جس کا علاج ہو۔ اس کی کوئی کل بھی سیدھی نہ تھی۔ اور سر سے پاؤں تک روگوں بھری تھی۔ یہ اسی کا دل و دماغ تھا کہ ہمّت نہ ہارا اور ہر خرابی کے مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ وہ اس دھن میں ایسا لگا کہ اپنے آپ کو بھول گیا۔ یہ جہاد کا وقت تھا۔ اور اس نے جہاد کیا۔ اور جہاد بھی کیسا؟ جہادِ اکبر۔ یہاں اس کے بے مثال احسانات گنوانا ایک قصّہ طویل ہو جائے گا۔ مختصر یہ کہ اگرچہ اس نے ہر قسم کی اصلاحات پر کمر باندھی، لیکن اس کی دور بین نظر نے یہ بھی دیکھ لیا کہ جہاں مسلمان عزّت و حکومت، علم و دولت کھو چکے ہیں، وہاں وہ اپنے سچے مذہب کو فراموش کر چکے

ہیں - اور یہی تمام خرابیوں کی جڑ اور سارے فساد کی اصل ہے - چنانچہ اس نے جان توڑ کر اس خرابی کا مقابلہ کیا - اور اپنی ساری ہمت وقوت اس میں صرف کر دی -

دنیا کبھی ایک حالت پر نہیں رہتی، اس کی نیرنگیاں کبھی کم نہیں ہوتیں، اور ہمیشہ کسی نہ کسی نئے دور کا زور و شور رہتا ہے - اس زمانے میں بھی یورپ میں علم و حکمت کا وہ سیلاب آیا کہ اس نے پچھلے دوروں پر پانی پھیر دیا - اس میں شک نہیں کہ جب کسی خاص زمانے میں کسی خاص طرف میلان ہوتا ہے تو اس میں مبالغہ بھی بیحد ہو جاتا ہے - لیکن حقیقت بھی بہت کچھ ہوتی ہے - اور اس لئے انسان کی گزشتہ کوششوں کے مقابلہ میں اس خاص لحاظ سے بہت بڑی ترقی ہو جاتی ہے - اور اس کے اثر سے بڑے بڑے تغیر اور انقلاب ہوتے ہیں - فلسفہ اور مذہب کا بیر قدیم سے چلا آ رہا ہے - اب اس دور میں سائنس نے نیا چولا بدلا اور سارے عالم میں کھلبلی مچا دی تو اوّل اوّل اہل مذاہب کے ہاتھ پاؤں پھول گئے - اور اس کی عالمگیر اور حیرت انگیز ترقی دیکھ کر ششدر سے رہ گئے - مگر پھر وہ سنبھلے اور سنبھلکر اپنے بچاؤ کی فکر کرنے لگے مگر یہ ترقی یافتہ اقوام کی حالت تھی - لیکن وائے بر اس قوم جس پر جہالت اور تعصّب چھایا ہوا ہو، جس کے مجتہد اور مصلح اپنے مقتدیوں سے زیادہ ناواقف اور جاہل ہوں! ہمارے علما کی حالت اُس وقت اصحاب کہف کی سی تھی، وہ اپنے ساتھ ساری دنیا کو وہیں سمجھ رہے تھے جہاں وہ تھے زمانہ کا تغیر اور اس دور کی خصوصیت اُن کی سمجھ ہی میں نہیں آتی تھی اور آئے تو کیونکر، جو یہ سمجھے کہ رات کو سویا اور صبح ہوتے اُٹھ کھڑا ہوا اُسے کوئی کیونکر سمجھا سکتا ہے کہ اس اثنا میں کئی صدیوں کا پھیر پڑ گیا ہے اور زمانہ میں ایک نیا دور شروع ہو گیا ہے -

یہاں آلات حرب سرے سے بدل گئے ہیں اور ہم ہیں کہ اپنی بوسیدہ تلوار

ڈھال اور تیر و ترکش سنبھالے مقابلے کے لئے چلے جا رہے ہیں۔ اور چونکہ غنیم کی قوت کا اندازہ نہیں ہے اس لئے اُسے بے حقیقت سمجھتے ہیں اور اپنی قوت پر نازاں ہیں۔

سرسیدؒ نے دیکھا کہ اور تو ہم سب کچھ کھو چکے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ عزیز مذہب بھی ہاتھ سے جاتا رہے۔ اور ہم کہیں کے نہ رہیں۔ وہ مذہب کی قوت اور اثر سے خوب واقف تھا اور جانتا تھا کہ ہم مذہب ہی کے بل پر دُنیا میں اُٹھے تھے اور اب بھی اگر سنبھلے تو اسی کے سہارے سے سنبھلیں گے۔ اور اس لئے اپنی تمام اصلاحوں کی بنیاد مذہب پر رکھی۔ اور ساتھ ہی ان تمام توہمات باطلہ کے مٹانے کی کوشش کی جو مسلمانوں کی غلطی سے مذہب کا جزو بن گئے تھے اور ان تمام الزامات کو نہایت تحقیق اور رشد و مد کے ساتھ رفع کیا جو اُس نئے زمانے میں اسلام پر ہر طرف سے وارد ہو رہے تھے۔ اس نے ان الزامات کا جواب ملانوں کی طرح کج بحثی سے نہیں دیا بلکہ اس نے اس کے لئے ایک نئے علم کلام کی بنیاد ڈالی۔ کیونکہ پُرانے ہتھیار بیکار ہو چکے تھے۔ اور اس دم دعوے کے ساتھ اسلام کی حقانیت ثابت کی جس کی نظیر اسلام کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

اس کام میں بعض اَور بندگان خدا نے بھی جو اسلام سے محبت رکھتے تھے سرسیدؒ کا ہاتھ بٹایا۔ اور جس عظیم الشان کام کو سرسیدؒ نے انجام دیا تھا۔ اسی کی پیروی میں بھی ان لوگوں نے اپنی اپنی بساط کے موافق اسلام کی خدمت کی۔ ان سب میں زیادہ محقق، وسیع النظر اور زبردست مصنف، مولوی چراغ علی (نواب اعظم یار جنگ بہادر) مرحوم تھے۔ ان کی تقریباً تمام تصانیف اسلام کی حمایت میں ہیں ان کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کا مطالعہ کس قدر وسیع اس کی نظر کیسی غائر اور اس کی تحقیق کس پایہ کی تھی۔ وہ لفاظی اور عبارت آرائی کچھ نہیں

جانتے اور نہ اُن کو فصاحت و بلاغت سے کچھ سروکار ہے، جیسا کہ اکثر مذہبی تصانیف کے مصنفین کا قاعدہ ہے۔ مگر ان کی کتابیں معلوماتِ علمی سے لبریز ہیں۔ واقعات کی تنقید و تنقیح، صحیح نتائج کے استخراج میں انہیں کمال حاصل ہے۔ وہ کبھی اپنی بحث سے الگ نہیں ہوتے، کبھی کوئی غیر متعلق بات نہیں کہتے اور نہ کبھی الزامی جواب دیتے ہیں۔ بلکہ امر زیر بحث کو ہمیشہ مدِّنظر رکھتے اور اس کے مالہ و ماعلیہ پر ایک وسیع نظر ڈالتے ہیں۔ تمام واقعات متعلقہ کو جمع کر کے اُن کی تنقید کرتے اور حتے الامکان قرآن مجید سے استدلال کرتے اور نہایت صحیح اور عجیب نتائج استنباط کرتے ہیں اور اسی ضمن میں وہ بڑے بڑے مستند لوگوں کی رایوں کو پیش کرتے ہیں یا ان کی غلطیوں پر نظر ڈالتے جاتے ہیں۔ غرض یہ کہ جس بات کو وہ لیتے ہیں اُس پر اس خوبی اور جامعیت سے بحث کرتے ہیں کہ پھر اس میں کسی اَور اضافے کی گنجایش نہیں رہتی۔ البتہ ایک کسر اُن کی مذہبی تصانیف میں ضرور نظر آتی ہے اور وہ یہ کہ اُن کی تحریر میں گرمی نہیں، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ سرد مہر منطقی ایک ایسے مبحث پر جس سے اُسے دلچسپی ہے بحث کر رہا ہے۔ اور واقعات اور دلائل پیش کر کے بال کی کھال نکال رہا ہے۔ حالانکہ مذہب کو منطق و استدلال سے تعلق نہیں جتنا کہ انسان کے جذبات لطیفہ یا وجدان قلب سے ہے اور اس لئے مذہب پر بحث کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان رسمی قیود سے باہر نکل کر نظر ڈالے اور اس میں وہ جوش اور حرارت ہو جو ایک سرد مہر منطقی یا ایک کائیاں دنیادار میں نہیں ہو سکتی۔ لیکن معلوم یہ ہوتا ہے کہ مولوی صاحب مرحوم کو نہ تو مذہب کے اُس حصے سے بحث تھی اور نہ وہ غالباً اس بحث کے اہل تھے۔ بلکہ اُن کا مقصد مذہب کے صرف اُس حصے سے تھا جس کا تعلق امورِ دُنیا سے ہے اور وہ یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ مذہب اسلام کسی طرح انسان کی دُنیاوی ترقی کا حارج نہیں بلکہ اس کا ممدّ و

معاون ہے اور جو لوگ اس کے مخالف ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ اور کچھ شک نہیں کہ اس میں مولوی صاحب مرحوم کو پوری کامیابی ہوئی ہے۔

ان کی مذہبی تصانیف کی تفصیل یہ ہے :۔

۱۔ تعلیقات۔ یہ رسالہ پادری عماد الدین آنجہانی کی کتاب تاریخ محمدی کے جواب میں ہے۔ مرحوم نے اس رسالہ میں اس امر کو ثابت کرکے دکھایا ہے کہ پادری صاحب کے ماخذ سب کے سب غلط اور پوچ ہیں۔ اور ایسی کمزور بنیاد پر اعتراضات کی عمارت کرنا خلاف دانشمندی ہے۔ اسی ضمن میں احادیث کی تنقید اور صحت و غیر صحت پر بحث کی ہے۔ اور بعض منصف مزاج یورپین فاضلوں کی رایوں کا اقتباس بھی درج کیا ہے۔ نیز مسیح و اناجیل اربعہ پر تفصیلی ردّ و قدح کی ہے۔ اور یہ ثابت کیا ہے کہ مسیح کی سوانح عمری نہایت غیر معتبر ہے۔ اور چاروں انجیلیں تاریخی اعتبار سے گری ہوئی ہیں۔ (مطبوعہ لکھنؤ ۱۸۷۲ء)۔

۲۔ تحقیق الجہاد۔ یہ کتاب انگریزی زبان میں ہے اور بڑے معرکہ کی کتاب ہے۔ عیسائیوں کی طرف سے اسلام پر یہ بہت بڑا اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ مذہب جہاد کے ذریعہ یعنے بزور شمشیر دنیا میں پھیلایا گیا ہے۔ مرحوم نے نہایت خوبی اور بسط کے ساتھ جہاد کی حقیقت اور ماہیت پر بحث کی ہے۔ اور یہ ثابت کیا ہے کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں جو جو لڑائیاں ہوئیں، وہ تمام حالت مجبوری میں اور اپنے بچاؤ کے لئے تھیں۔ اُن سے ہرگز اسلام کا بہ جبر پھیلانا یا کفار کا قتل کرنا مقصود نہ تھا۔ اس ضخیم کتاب میں یہ بحث اس شرح و بسط اور تحقیق و تدقیق کے ساتھ کی گئی ہے کہ آج تک کسی نے اس مسئلہ پر خوبی کے ساتھ بحث نہیں کی تھی۔ تمام بڑے بڑے یوروپین مصنفین مثلاً سر ولیم میور، ڈاکٹر اسپرنگر، مارکس ڈاڈ، ہیو۔ سیل، ڈاکٹر سیمویل گرین، باسورتھ اسمتھ وغیرہم نے جو اس بحث پر تحریریں لکھی ہیں، اُن کے اقوال نقل کرکے اُن پر تنقید کی

ہے اور ان کی غلطیاں دکھائی ہیں۔ مرحوم کی یہ کتاب درحقیقت نہایت قابل قدر ہے۔ اور کہا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب دنیا میں اپنی نوعیت اور طرز کی ایک ہی کتاب ہے۔

۳۔ ریفارمز انڈر مسلم رول۔ اس کتاب کے متعلق ہم آخر میں مفصل بحث کریں گے۔

۴۔ محمد دی ٹرو پرافٹ۔ (محمد صلعم پیغمبر برحق ہیں)۔ یہ کتاب بھی انگریزی زبان میں ہے اور مرحوم کی تصانیف میں بڑے پایہ کی کتاب ہے۔ اس کتاب میں آنحضرتؐ کے لائف اور کیریکٹر کے متعلق تمام شکوک اور اعتراضات کو عالمانہ اور محققانہ تحقیق سے رفع کیا ہے۔ اور بڑے زور شور سے اس امر کو ثابت کیا ہے کہ محمد صلعم پیغمبر برحق ہیں۔

افسوس ہے کہ یہ کتاب اب تک کامل نہیں ملی، کچھ کچھ مطبوعہ حصے کہیں کہیں سے دستیاب ہوئے ہیں۔ نہ یہ معلوم ہوا کہ یہ کتاب طبع کہاں ہوئی تھی۔ خود مرحوم کے ہاتھ کے لکھے ہوئے مسودے بھی موجود ہیں۔ مگر وہ بھی کسی قدر ناقص ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ایک بار یہ کتاب کسی وجہ سے چھپتے چھپتے رہ گئی تھی اور مصنف نے دوبارہ بعد ترمیم و اضافہ کے چھپوائی، چنانچہ ہمارے پاس ہر دو مطبع کے پروف موجود ہیں۔ اگر کسی صاحب کے پاس یہ کتاب کامل موجود ہو تو اس قابل ہے کہ چھپوا دی جائے ورنہ کم سے کم اس کا ترجمہ ضرور طبع کرادیا جائے۔ آج کل کے زمانہ میں اور خاص کر تعلیم یافتہ نوجوان مسلمانوں کے لئے ایسی کتابوں کی بہت سخت ضرورت ہے۔

۵۔ اسلام کی دُنیوی برکتیں۔ اس رسالے میں مرحوم نے یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام دنیا میں کن کن برکات کے نزول کا باعث ہوا ہے۔ اور اہل عالم کو اس سے کیا کیا نعمتیں حاصل ہوئی ہیں۔ یہ کتاب پنجاب میں کئی بار طبع ہو چکی ہے۔ بہت دلچسپ اور مفید کتاب ہے۔

۶۔ قدیم قوموں کی مختصر تاریخ۔ ایام الناس ایک اُردو کا چھوٹا سا رسالہ ہے قرآن مجید پر ایک یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ اس میں بعض ایسی قوموں کا ذکر

ہے جن کا دنیا میں کبھی وجود ہی نہ تھا، اور یہ صرف بے بنیاد قصّے اور فسانے ہ
مرحوم نے عجیب وغریب تحقیق وتدقیق اور کاوش سے ان اقوام کا تاریخی ثبوت
پہنچایا ہے، اور قدیم یونانی اور عبرانی کتابوں سے مدد لی ہے، اور ثبوت میں
قدیم مؤرخوں کی تاریخوں کو پیش کیا ہے جن میں ثمود وعاد کا ذکر ہے اور وہ سب
قرآن پاک سے کئی صدیوں بیشتر کی تصنیف ہیں۔ یہ رسالہ صرف ایک دفعہ طبع ہ
اب نہیں ملتا۔

مرحوم نے کئی رسالے مثلاً بی بی ہاجرہ، ماریہ قبطیہ، تعلیق نیاز نامہ وغیرہ نا
چھوڑے لیکن ان سب سے زیادہ قابل قدر اور بے مثل کتاب العلوم الجدیدۃ والاس
ہے جسے وہ اپنی آخری عمر میں لکھ رہے تھے۔ اور جس کا ابتدائی حصہ تہذیب الا
سلسلہ جدید کی جلد دوم کے ابتدائی پرچوں میں چھپ چکا تھا۔ لیکن افسوس۔
کہ اُن کی بے وقت موت نے اس بے نظیر کتاب کو پورا نہ ہونے دیا۔ یہ کتاب د
مصنف نے سرسید مرحوم کے ایک سوال کے جواب میں لکھنی شروع کی تھی۔ اس
پوری حقیقت ظاہر کرنے کے لئے ہم یہاں سرسید مرحوم کا وہ خط نقل کرتے ہیں ج
میں اُنہوں نے اس تصنیف کے موضوع پر بحث کی ہے :۔

"نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی صاحب کو جو مضمون لکھنا ہے وہ نہایت ہی مش
"اور نہایت دلچسپ اور نہایت مفید و بکار آمد ہے۔ ابھی تک اُنہوں نے صرف تم
"ہی تمہید لکھی ہے۔ فلسفہ کے طرفداروں اور مخالفوں کا حال لکھا ہے۔ ان کے نام
"اُن کا زمانہ بتایا ہے۔ پھر علمائے اسلام میں جو بڑے بڑے فلسفی گزرے ہیں ایک ا
"گنایا ہے۔ اس کے بعد اب وہ اصل مضمون کی تحریر پر متوجہ ہوں گے۔ جس کو ہمارے نا
"اخبار پڑھ کر اُمید ہے کہ تعجب کریں گے۔ نواب اعظم یار جنگ درحقیقت ایک لاحل س
"حل کرنے پر مستعد ہوئے ہیں۔ معلوم نہیں کہ ہمارے ناظرین پرچہ کو اس کا کہ وہ کیا س
"ہے خیال ہے یا نہیں اس لئے ہم سوال کو بطور یادداشت کے اس مقام پر چھاپتے
"تاکہ ان کو معلوم ہو کہ کیسا مشکل لاحل سوال ہے۔ اور اس کا جواب جو ہو وہ کیسا قا
"توجہ اور ہماری قوم کے لئے فائدہ مند ہوگا۔ مدت سے یہ سوال کیا گیا ہے اور آج تک

"کسی نے اس کا جواب نہیں دیا۔ خدا کرے کہ نواب صاحب ممدوح پورا اور قابل تشفی جواب دیں"
سوال مذکور یہ ہے :۔
"اکثر لوگوں کی راے میں یہ مسلم ہے کہ یوروپین علوم و فنون کی تعلیم عقائد اسلام سے برگشتگی
"پیدا کرتی ہے۔ اور ان کی رائے میں اس کا علاج اُن علوم کے ساتھ دینی علوم کی اعلیٰ درجہ
"کی تعلیم دینا ہے۔ اگر یہ راے صحیح ہے تو یوروپین علوم و فنون کے اُن مسائل اور اُنکے
"دلائل کو جو اس برگشتگی کا باعث ہیں بیان کرنا چاہیئے۔ اور اُن کتب دینیہ اور اُن مقامات
"کا نشان دینا ضرور ہے جن کے تعلیم میں داخل کرنے سے اس برگشتگی کی روک ہوسکے مع
"اس بیان کے کہ کس وجہ سے وہ کتابیں اور مقامات روک ہوسکیں گی۔ اگر یہ راے
"صحیح نہیں تو جہاں تک مفصل اور دلیل سے اس کی عدم صحت کا بیان ممکن ہو بیان کیا جاوے"
(تہذیب الاخلاق جلد دوم نمبر ۲ مطبوعہ یکم ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ)
اس کے بعد سر سید مرحوم نے اس کتاب کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ :۔
"جس سوال کا جواب نواب اعظم یار جنگ بہادر کو لکھنا ہے۔ اس جواب کے قبل اُنہوں نے
"بہت سی تمہیدات قائم کی ہیں۔ ہم سے لوگ دریافت کرتے ہیں کہ اصل سوال کا جواب کب
"آئے گا۔ واضح ہو کہ نواب صاحب ممدوح کا ایک خط ہمارے پاس آیا ہے۔ اس میں انھوں نے
"لکھا ہے کہ ان کے جواب کے مضامین کی ترتیب کیونکر ہے۔ ہم اس خط کو جہاں تک ترتیب
"مضامین سے متعلق ہے ذیل میں چھاپتے ہیں :۔

## انتخاب خط

"لکھتے ہیں کہ " چھٹی صدی تک کے حکماے اسلام کی فہرست بھیج دی گئی ہے (جو چھپ بھی
"گئی ہے) اس کے بعد تھوڑا سا ذکر اس انقلاب عظیم کا ہے جو ایشیائی اسلامی دنیا میں چنگیز خاں
"کی طرف سے ہوا اور اس کی وجہ سے تصنیف و تعلیم علوم حکمیہ بند ہو گئی۔ اس کے بعد حال
"کے زمانہ تک کے اہل حکمت و منطق کی فہرست مختصر سی ہے۔ اس کے بعد تصنیفات یعنے کتب
"مصنفہ علوم حکمیہ و معقولات کا بیان ہے۔ اس کے بعد اسلام میں مختلف فرقے پیدا ہونے کا
"ذکر ہے۔ اور معتزلہ اور دیگر متکلمین کے اسماء مذکور ہوئے ہیں۔ اس کے بعد کتب علم کلام و عقائد
"کی تفصیل ہے۔ ان سب کے بعد اب اصل بحث آتی ہے کہ علم کلام و عقائد کے رو سے کون کون سا
"مسئلہ حکما و فلاسفہ کے خلاف ہے اور انہیں مسائل کے متعلق علوم جدیدہ میں ان کی تائید ہوتی
"ہے یا مخالفت۔ اور بتایا گیا ہے کہ علوم جدیدہ ان مسائل اختلافیہ میں علم کلام کی تائید میں ہیں
"اور علم کلام کے ذکر کے قبل یہ میں لکھنا بھول گیا ہوں کہ علوم دینیہ کیا کیا ہیں۔ اور وہ کہاں تک
"فلسفہ و حکمت کے اعتراضات کی تردید کرسکتے ہیں۔ فقہ و تفسیر و حدیث حکما کے مقابلہ میں کچھ

کارآمد نہیں ہیں۔ اور اس غرض سے علم کلام ایجاد کیا گیا تھا مگر اب وہ بھی مفید و کارآمد نہیں
" رہا۔ اخیر پر اس سوال کا جواب ہے جو اس مضمون کی ابتدا میں تھا۔ اس کے بعد میں کچھ
" اس کا ذکر ہوگا کہ اب تک اس قسم کی کتابیں جن میں تطبیق بین الحکمۃ والاسلام ہوتی ہے
" کیا کیا تصنیف ہوئیں اور آیندہ کس قسم کی کتابیں تصنیف ہونی چاہئیں۔ غرض کہ یہ ایک
" مختصر سی کیفیت اور فہرست مضامین رسالہ ہے جو آپ کی اطلاع کے لئے عرض کی گئی۔ والسلام"
(تہذیب الاخلاق جلد دوم نمبر ۳ مطبوعہ یکم ذی الحج ۱۳۱۲ھ)

افسوس ہے کہ اسی زمانہ میں مولوی چراغ علی مرحوم کا انتقال ہو گیا۔ جب سید کو نواب صاحب مرحوم کے انتقال کی خبر پہنچی تو اُنہوں نے تہذیب الاخلاق میں جو آرٹیکل اس حادثہ جاں گزا پر لکھا ہے اس میں اس مضمون کے متعلق یہ تحریر فرمایا ہے۔

" افسوس ہے کہ وہ مضمون اور لاحل سوال کا جواب جو انہوں نے تہذیب الاخلاق میں لکھنا
" چاہا تھا ناتمام رہ گیا۔ اور اب اُمید نہیں ہے کہ کوئی شخص اس لاحل سوال کو حل کرے گا"
(تہذیب الاخلاق جلد دوم نمبر ۴ مطبوعہ یکم محرم ۱۳۱۳ھ)۔

اس ناتمام رسالہ کے متعلق ہم نے کسی قدر تفصیل سے اس لئے بحث کی ہے کہ ناظرین کو اس مضمون کی اہمیت معلوم ہو جائے اور نیز یہ بھی ظاہر ہو جائے کہ مرحوم اس پایہ کے شخص تھے کہ اُن کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں میں کسی کی یہ ہمت نہ ہوئی کہ اس سوال کے جواب پر قلم اُٹھائے۔ اس کتاب کے ناتمام رہنے میں مرحوم کا کچھ قصور نہ تھا۔ یہ اللہ کی مرضی تھی کہ اُنہیں ایسے وقت میں اُٹھا لیا۔ جبکہ انہیں ابھی بڑے بڑے کام کرنے تھے۔ اور افسوس کہ جن لوگوں کی نظریں اس اہم سوال کے جواب پر لگی ہوئی تھیں۔ انہیں مایوس ہونا پڑا۔

علاوہ مذکورہ بالا تصانیف کے مرحوم کے متعدد رسالے مثلاً غلامی، تسری، تعددِ ازدواج، ناسخ و منسوخ، رد شہادت قرآنی بر کتب ربانی مصنفہ سر ولیم میور وغیرہ دستیاب ہوئے ہیں، جو بڑی محنت اور تحقیق سے لکھے گئے ہیں۔ چونکہ اس مقدمے کے لکھنے کے بعد ملے، لہذا انشاء اللہ پھر کسی وقت اس پر بحث کی جائے گی۔

اب ہم کتاب زیر دیباچہ یعنی "اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام" بمع اصلاحات

سیاسی و تمدنی وفقہی زیر حکومت اسلام" پر کسی قدر تفصیلی نظر ڈالتے ہیں۔

اس کتاب کا باعث تصنیف یہ واقعہ ہوا کہ انگلستان کے ایک پادری کینن ملکم میکال نے کنٹم پورے ری ریویو بابت ماہ اگست ۱۸۸۱ء میں ایک مضمون اس عنوان سے لکھا تھا کہ "کیا زیر حکومت اسلام اصلاحات کا ہونا ممکن ہے"۔ اس مضمون میں پادری صاحب نے اس بات پر زور دیا ہے کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو زمانۂ حال کے بالکل نامناسب ہے اسلامی سلطنت میں کسی اصلاح کی توقع رکھنی فضول ہے کیونکہ اسلامی سلطنت درحقیقت الٰہی سلطنت ہے۔ جس کے تمام قواعد خواہ مذہبی ہوں یا تمدنی دیوانی یا فوجداری سب خدا کے مقرر کئے ہوئے ہیں اور اس لئے اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل ممکن نہیں۔ لہٰذا جب تک مسلمان مذہب اسلام کو ترک نہ کردیں گے اس وقت تک وہ ترقی نہیں کرسکتے۔ پادری صاحب نے اس مضمون میں (نیز اپنے دیگر مضامین میں بھی) سخت تعصب، بے تمیزی، زبان درازی اور ناانصافی سے کام لیا ہے۔ ایسے روشن زمانے میں جب کہ یورپ میں سردمہر سائنس نے تعصب کے جنون کو بہت کچھ دھیما کردیا ہے ایک ایسے عالم شخص کے قلم سے ایسے مضامین کا نکلنا ایک تعجب خیز امر ہے۔ خاص کر دولت عثمانیہ کے خلاف پادری صاحب نے بہت کچھ زہر اُگلا ہے۔ اور وہ ہرگز یہ نہیں چاہتے کہ اس کا وجود یورپ میں باقی رہے۔ اس بارے میں وہ مسٹر گلیڈسٹون آنجہانی اور مسٹر اسٹیڈ اڈیٹر ریویو آف ریویوز کے ہم خیال ہیں۔ ریورنڈ موصوف کے اسی مضمون کے جواب میں مولوی چراغ علی مرحوم نے یہ کتاب لکھی۔ اور درحقیقت نہایت پُرزور مدلل اور جامع کتاب لکھی ہے۔ جس میں ان تمام بڑے بڑے اعتراضات کا جواب آگیا ہے جو عموماً اور اکثر اسلام پر ہوتے آئے ہیں اور اب بھی ہوتے ہیں۔ اب تک کسی شخص نے ان اعتراضات کا جواب اس طرز سے اور اس جامعیت کے ساتھ نہیں دیا تھا

اس کتاب کو مصنف مرحوم نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصہ میں پولٹیکل (سیاسی) اصلاحات کا ذکر ہے اور دوسرے حصہ میں سوشل (تمدنی) اصلاحات کا۔ اور کتاب کے شروع میں مصنف نے ۴۰ صفحات کا ایک مقدمہ لکھا ہے۔ جو ایک محققانہ اور عالمانہ تحریر ہے۔

اس سے قبل کہ ہم اس کتاب کے مضامین پر نظر ڈالیں ہم اس دھوکے کو اٹھا دینا ضروری سمجھتے ہیں جو ناظرین کو "اصلاحات" کے لفظ سے پیدا ہوگا۔ مولوی صاحب مرحوم کا مقصد صرف اس قدر ہے کہ اسلام ترقی اور اصلاح کا مانع نہیں ہے، اور خلیفۂ وقت بلحاظ اقتضائے زمانہ پولٹیکل اور سوشل امور میں جدید اصلاحات کے جاری کرنے کا مجاز ہے، اور جو لوگ اس کے مخالف ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ فلاں فلاں احکام مذہب کے رو سے مسلمان اس زمانہ میں ترقی نہیں کر سکتے، اُن کی احکام الٰہی و رسول کے حوالے سے تردید کی ہے۔ ان کا مقصد صرف اس قدر ہے کہ خدا و رسول نے ہرگز اس قسم کی اصلاحات کی مخالفت نہیں کی اور اُن کا ہونا ہر زمانے میں ممکن ہے اور بس۔ اب رہی یہ بحث کہ موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کو کن اسباب سے انحطاط ہوا، اور وہ کون سے ذرائع ہیں جو اُن کی ترقی کا باعث ہو سکتے ہیں، اس کتاب کے موضوع اور مولوی صاحب کے مقصد سے خارج ہے۔ اس زمانے میں یہ سر سید احمد خاں، مولوی جمال الدین افغانی اور مصطفےٰ کامل پاشا کا حصہ تھا، اور جن لوگوں کو اس بحث سے دلچسپی ہو وہ ان تینوں بزرگوں کے حالات اور اعمال کو مطالعہ فرمائیں۔

کتاب کے مقدمہ میں مصنف نے فقہ کے مذاہب اربعہ و اصولِ فقہ پر بھی بحث کی ہے اور اس امر کو ثابت کیا ہے کہ علم فقہ محض ایک ظنی علم ہے۔ اور اس میں آب و ہوا، رسوم و عادات، انسانی خواہشات و ضروریات، سیاسی و تمدنی حالات

کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔ اور ایک حد تک انہیں امور کے اختلاف کی وجہ
ہب فقہ میں اختلاف پیدا ہوا۔ علاوہ اس کے بانیانِ مذاہب فقہ نے
عوےٰ نہیں کیا اور نہ کرسکتے تھے کہ ان کا اجتہاد قطعی ہے اور اس میں کوئی
ل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اُن کو کوئی حق نہ تھا کہ وہ آیندہ آنے والی نسلوں
اجتہادات کا ایسا ہی پابند کر دیں جیسا کہ اپنے زمانہ کے لوگوں کو۔ یہی
کہ مختلف زمانوں میں ایک ہی مسئلہ پر مختلف فتوے دئے گئے ہیں اور
ختلاف کی وجہ زیادہ تر اقتضاء و ضروریات زمانہ تھیں۔ مقلدین کا یہ کہنا کہ
فقہ کے بعد کسی کو حق اجتہاد کا نہیں ہے کسی طرح قابل قبول نہیں ہے اکثر
مصنفوں نے جو مقلدین کے اقوال کے مطابق ان چار ائمہ کے اجتہادات
ور ناقابل تبدیل خیال کرکے اسلام کے متعلق استدلال کیا ہے وہ صحیح نہیں
ولانا بحر العلوم نے بہت بڑی اور سچی بات کہی ہے کہ "مقلدین کا یہ خیال
حماقت ہے اور یہ لوگ ان میں ہیں جن کی نسبت حدیث پیغمبر صلعم میں یہ کہا
کہ وہ بغیر علم کے فتوے دیتے ہیں، خود گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو گمراہ
یں۔ اور وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ایسا کہنا گویا علم غیب کا دعوےٰ کرنا ہے جو
خدا کے کسی کو نہیں"۔

ب فقہ کی بنیاد صرف چار چیزوں پر ہے۔ قرآن۔ حدیث۔ اجماع اور قیاس
یہ دعوےٰ نہیں ہے کہ وہ کوئی پولٹیکل (سیاسی) اور سوشل (تمدنی) قانون
ہے، بلکہ اس کی اصل غایت قوم عرب میں نئی روح پھونکنی، قومیت کی
یدا کرنی اور دُنیا کو اخلاقی و مذہبی تعلیم دینی تھی۔ لیکن چونکہ اس وقت عرب
یں بعض ایسے قبیح اور مذموم رواج جاری تھے جن کا تعلق سیاست و تمدن
لہذا ان کا استیصال کرنا یا ان کی اصلاح کرنا اس کا فرض تھا۔ اور اس لئے

اس کے متعلق چند معقول، معتدل اور منصفانہ ہدایات کی گئی ہیں۔ آیات احکام کو جو کلم دو سو بیان کی جاتی ہیں یہ سمجھ لینا کہ وہ باضابطہ پولٹیکل اور سول قواعد ہیں صحیح نہیں ہے۔ اکثر یہ کیا گیا ہے کہ آیات کے واحد الفاظ ناقص جملوں اور الگ الگ فقروں کی تعبیر کر کے قانون بنا لیا گیا ہے اور قرآن کی اصل تعلیم اور منشاء کو نظرانداز کر دیا ہے۔

رہی حدیث سو ایک دریائے ناپید اکنار ہے اور رطب و یابس، جھوٹ سچ کا ایک ایسا طومار ہے کہ اس میں سے کھرے کھوٹے کا پرکھنا محال ہو گیا ہے۔ صحاح ستہ تیسری صدی ہجری میں لکھی گئیں۔ ان نیک نیت بزرگوں نے احادیث کی صحت کا معیار راوی کی صداقت اور اس کے اعلےٰ اخلاق اور اتقا اور سلسلہ روایت کو پیغمبر صلعم یا صحابہ تک پہنچنے کو قرار دیا ہے۔ مضمون حدیث سے بحث نہیں کی عقلی اصول سے پرکھنا دوسروں کا کام ہے۔ اور اس لئے تمام حدثیں ایسی نہیں ہیں جن کا ماننا لازم ہو۔ آنحضرت نے کبھی اپنے متبعین کو احادیث کے جمع کرنے کی ہدایت نہیں فرمائی اور نہ کبھی صحابہ نے ایسا کرنے کا خیال کیا۔ اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ اُن کا کبھی یہ منشاء نہ تھا کہ وہ ملک کے پولٹیکل و سوشل قوانین میں مداخلت کریں۔ ہاں البتہ اُن امور میں جو آپ کی روحانی اور اخلاقی تعلیم کے مخالف تھے آپ نے ضرور مداخلت کی اور اس کی اصلاح فرمائی۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ ایسا نظام جو غیر متیقن اور ناقص احادیث پر قائم ہے قطعی اور غیر متبدل نہیں ہو سکتا۔

اجماع کے متعلق بڑے بڑے فقہا کو اختلاف ہے یا بعض مجتہدین یا فقہا نے جو شرائط قائم کی ہیں اُنہیں دیکھا جائے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اجماع ایک ناقابل عمل اور ناممکن اصول ہے۔ اس پر مصنف نے اپنے مقدمہ میں مفصل بحث کی ہے جس کے

دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ فقہ کا یہ اصول کہاں تک کارآمد اور قابل عمل ہوسکتا ہے۔

قیاس۔ اُس استدلال کو کہتے ہیں جو قرآن یا حدیث یا اجماع سے کیا جائے۔ علت قیاس کے لئے اُن میں سے کسی ایک کا ہونا ضرور ہے۔ لیکن یہ تمام استدلال شبہ سے خالی نہیں۔ اور سند نہیں ہوسکتے ہیں۔ مگر باوجود اس کے قیاس کو فقہ میں بہت بڑا دخل ہے۔ فقہا کو اجماع سے زیادہ قیاس میں اختلاف ہے۔ اور بڑے بڑے جید فقہا اور علما نے اس کے ماننے سے انکار کیا ہے۔

غرض یہ کہ اگرچہ اسلامی فقہ کے بعض ضابطے اپنے اپنے زمانہ کے لحاظ سے بہت مناسب اور معقول تھے لیکن موجودہ ضروریات کے لئے کافی نہیں ہوسکتے کوئی شے سوائے قرآن پاک کے قطعی اور ناقابل تبدیل نہیں۔ لہٰذا اس زمانے بھی اجتہاد کا وہی حق حاصل ہے جو پہلے زمانہ میں تھا۔ بشرطیکہ وہ احکام قرآن سے مطابق ہوں اور مصنف کی رائے میں یہ حق اجتہاد سلطان روم کو بحیثیت خلیفہ کے حاصل ہے۔ بحیثیت خلیفہ کے سلطان روم کسی مذہب فقہ کے مقلد نہیں ہیں۔ خلفاے راشدین ان مذاہب فقہ سے پہلے گزرے ہیں اور بعد کے خلفا کے زمانہ میں مختلف ممالک اسلامیہ میں مختلف فقہی تغیر و تبدل ہوتے رہے ہیں۔ اور اس لئے سلطان روم بحیثیت خلیفہ کے موجودہ ضروریات و حالات کے مطابق ضروری تبدیلیاں کرسکتے ہیں۔ اور غالباً اسی خیال کی بنا پر مصنف نے اپنی کتاب کو سلطان عبدالحمید خاں کے نام سے معنون کیا تھا۔

مصنف نے اپنی کتاب میں تمام سیاسی، تمدنی اور فقہی اصلاحات کی بنائے قرآن پر رکھی ہے اور تمام اُن اعتراضات کو جو مخالفین کی طرف سے اسلام پر وارد کئے گئے ہیں اور نیز اُن غلطیوں کو جو مسلمانوں میں رائج ہوگئی ہیں قرآن سے رد کیا ہے۔ قرآن روحانی اور اخلاقی ترقی کے لئے ہے۔ وہ قانونی ضابطہ نہیں ہے

اور اس لئے آزادی رائے اور علمی و اخلاقی و قانونی تغیرات کا مانع نہیں ہے۔ مصنف نے دو واقعے ایسے بیان کئے ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلعم دنیاوی معاملات میں اپنی رائے کو کبھی قطعی اور ہر حالت میں قابل پابندی نہیں سمجھتے تھے۔ دوسرے آپ نے صاف طور سے آزادی رائے کی اجازت دی ہے۔

پہلا واقعہ امام مسلم سے مروی ہے کہ جب آنحضرت صلعم مدینہ کو آرہے تھے تو آپ نے دیکھا کہ بعض لوگ کھجوروں میں نر و مادہ کا جوڑ لگا رہے ہیں۔ آپ نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا۔ لوگ آپ کے ارشاد کے مطابق اس سے باز رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس سال کھجوروں کی فصل خراب رہی۔ جب اس کی خبر آپ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ "میں محض بشر ہوں۔ جب میں مذہبی معاملہ میں کچھ ہدایت کروں۔ تو اس پر عمل کرو لیکن جب میں دوسرے معاملات میں کچھ کہوں تو مجھے محض بشر سمجھو" (مقدمہ حصہ اول صفحہ ۳۴)۔

یہ واقعہ بین ثبوت اس بات کا ہے کہ آنحضرت ؐ نے سول اور پولٹیکل معاملات میں اپنی رائے کو کبھی ناقابل تبدیل اور قطعی قرار نہیں دیا۔ بلکہ اس میں کامل آزادی عطا فرمائی ہے۔ دوسرا واقعہ ترمذی۔ ابوداؤد اور دارمی سے مروی ہے کہ آنحضرت ؐ نے جب معاذ بن جبل کو یمن کا والی بنا کر بھیجا تو اس سے سوال کیا کہ تم لوگوں کے معاملات کو کیونکر چکاؤ گے۔ اس نے جواب دیا "کلام اللہ کے مطابق"۔ پھر فرمایا " اگر تمہیں کلام اللہ میں کوئی بات نہ ملے تو" جواب دیا کہ "میں پیغمبر کی نظیر سے کام لوں گا" کہا کہ "اگر کوئی ایسی نظیر نہ ملے تو" اس کے جواب میں معاذ نے کہا "میں اپنی رائے پر عمل کروں گا۔ (اجتہد راتی)" آنحضرت ؐ نے معاذ کے اس معقول جواب پر خدا کا شکر ادا کیا۔ (مقدمہ حصہ اول صفحہ ۳۵)

معاذ کے جواب پر خدا کا شکر ادا کرنا بتاتا ہے کہ آنحضرت صلعم دنیاوی معاملات
زادی رائے کو کس قدر دل سے پسند فرماتے تھے -
مصنف نے کتاب کے دو حصے کئے ہیں، ایک پولٹیکل یعنے سیاسی اصلاحات،
اِسوشل یعنے تمدنی حالات -

پہلے حصہ میں ان امور پر بحث کی گئی ہے :-

ا- پادری میکال صاحب کے خیال میں اسلامی سلطنتیں الٰہی سلطنتیں ہیں
لے قوانین وضوابط میں کسی قسم کی تبدیلی ممکن نہیں - مصنف نے اس قول
.دید کی ہے - اور اس امر کو ثابت کیا ہے کہ پہلے چار یا پانچ خلفاء اسلام
ومت جمہوری قسم کی تھی - اسی لئے پہلے چار یا پانچ خلفاء خلفائے راشدین
تے ہیں اور ان کے بعد کے "خلفائے جور" یا "مُلک عضوض" تھے - چونکہ ابتدائی
ہیں سیاست اور حکومت کے چلانے کے لئے کوئی قانون ضابطہ نہ تھا - بنو
کے زوال کے بعد خلفائے عباسیہ کے عہد میں کچھ تو جان و مال کی حفاظت
اروبار سلطنت کے چلانے کے لئے اور کچھ بادشاہوں اور خلیفوں کی خواہشا
رنے کے لئے قرآن پاک کی آیتوں کی طرح طرح کی تعبیریں اور تاویلیں کیں
پنے مطلب کے موافق استدلال کئے اور جھوٹی سچی حدیثیں پیش کر کے دنیا
ن فرماں رواؤں کے اعمال کو جائز قرار دیا -
شریعت اسلام نہ تو پیغمبر صلعم نے لکھی ہے نہ آپ نے لکھوائی ہے نہ آپ کے
ے میں لکھی گئی اور نہ پہلی صدی ہجری میں مرتب ہوئی - اور جس قدر اصول
اج اور کاروبار سلطنت اور جان و مال کی حفاظت کے لئے قواعد اس
رج ہیں وہ قرآن کے احکام پر مبنی نہیں ہیں - لوگوں نے عموماً اور یورپین
موصاً قرآن اور شریعت کو گڈمڈ کر دیا ہے - اور اس لئے ساری خرابی اس

عدم امتیاز سے پیدا ہوئی ہے۔ اگر اس فرق کو سمجھ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلام ایسا مذہب نہیں جو انسانی ترقی کے راہ میں حائل ہو بلکہ ٹھیٹ اسلام میں بذاتہ ایک ترقی ہے اور اس کے اصول ایسے جاندار ہیں کہ ان میں جدید حالات اور عقل و حکمت کی مطابقت کی کامل صلاحیت موجود ہے۔

۲۔ دوسرا اعتراض پادری صاحب کا یہ ہے کہ اسلام کا حکم غیر مسلموں کے حق میں یہ ہے کہ یا تو وہ اسلام قبول کریں یا غلامی یا موت۔ اور یہی سلطان روم کی حکومت میں ہوتا ہے۔

مصنف نے اس کی تردید بڑے زور شور سے کی کہ نہ آنحضرت صلعم کی ایسی تعلیم ہے اور نہ قرآن میں کوئی ایسا حکم ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اسلام میں غیر مسلموں سے کبھی رواداری یا مسالمت کا برتاؤ نہ کیا جاتا۔ اس کے بعد مصنف نے قرآن کی مدنی اور مکی سورتوں میں سے کوئی (۳۴) آیتیں پیش کی ہیں جن میں غیر مسلموں کو اپنے مذہب میں کامل آزادی عطا کی گئی ہے۔ علاوہ اس کے فقہ کو الٰہی کلام ہونے کا حق نہیں جو وہ ایسا حکم جاری کرے۔ یہاں تک کہ کتب فقہا کی کتب میں بھی ایسا چنگیزی حکم نہیں پایا جاتا۔ ہدایہ و دیگر کتب فقہ سے اپنے اس دعوے کو ثابت کیا ہے اور جہاں جہاں ان فقہا نے قرآن کی آیات سے تجاوز کیا ہے اور استدلال میں غلطی کی ہے اُسے صاف طور سے دکھایا ہے۔

۳۔ اس کے بعد اس امر پر بحث کی ہے کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں جس قدر جنگیں ہوئیں وہ سب اپنی حفاظت کے لئے تھیں۔ اس مبحث پر مصنف نے ایک الگ کتاب لکھی ہے جس کا ترجمہ عنقریب طبع ہونے والا ہے۔ لہذا اس کی بحث زیادہ تر تفصیل کے ساتھ اس کتاب میں آئے گی۔

۴۔ پادری میکال کا ایک اور بڑا اعتراض یہ ہے کہ "شرع اسلام نے

غیر مسلموں کے حق میں مساوی حقوق عطا کرنے کی ممانعت کردی ہے" علاوہ دیگر براہین کے مصنف نے اس کی تردید میں آنحضرت صلعم کے دو فرمان پیش کئے ہیں جو آنحضرت صلعم نے یہودیوں اور عیسائیوں کے بارے میں صادر فرمائے ہیں جن میں آنحضرت صلعم نے تمام مسلمانوں کو تاکید فرمائی ہے کہ وہ ان کی مدد کریں اور کسی قسم کی تکلیف نہ دیں۔ اگر کوئی دشمن ان پر حملہ کریں۔ تو انہیں بچائیں اور دونو اپنے اپنے مذہب پر رہیں۔ عیسائیوں کے گرجاؤں کی حفاظت کریں کسی زائر کو زیارت سے نہ روکیں۔ گرجا گرا کر مسجد یا مکان نہ بنائیں۔ اگر کوئی دشمن مسلمانوں پر حملہ کرے تو عیسائیوں کے لئے ضرور نہیں کہ وہ مسلمانوں کی حمایت میں لڑیں۔ اگر کوئی عیسائی عورت مسلمان سے شادی کرے تو اپنے مذہب پر قائم رہ سکتی ہے اور اس اختلاف مذہب کی وجہ سے اسے تکلیف اور ایذا نہ پہنچائی جائے۔ اور پھر یہ حکم دیا ہے کہ جو اس کی پابندی نہ کرے گا وہ پیغمبر اور خدا کی نظروں میں ناانصاف اور نافرمان ٹھیرے گا۔ ایسی بے نظیر رعایتوں پر بھی اگر مسلمان جابر اور متعصب کہلائیں تو صریح ناانصافی اور تاریخ کا خون کرنا ہے۔

اسی ضمن میں مصنف نے دار الحرب اور دار الاسلام۔ جزیہ، حقوق ذمیاں رقیق و ملوک، شہادت غیر مسلم، تعمیر گرجا پر بڑی لطیف اور دلچسپ بحثیں کیں اور نہایت مدلل طور پر ثابت کیا ہے کہ اسلام نے مسلم و غیر مسلم دونو کو قانونی حقوق مساوی طور پر دئے ہیں۔ چونکہ پادری میکال کا حملہ اسلام پر عموماً اور ترکی پر تخصیص کے ساتھ تھا۔ لہذا مصنف نے معاملات ترکی پر بحث کرکے فرمایا ہے کہ سلطنت عثمانیہ عیسائیوں کے حق میں نہایت نرمی اور رواداری کا برتاؤ کرتی ہے اور بعض حالتوں میں مسلمانوں سے زیادہ ان کے ساتھ رعایات مرعی

رکھی جاتی ہیں۔ اور اس بارے میں اُن بڑے بڑے یورپین مصنفین اور مدبرین
کی رائیں پیش کی ہیں جو معاملات سلطنت عثمانیہ سے خاص واقفیت رکھتے ہیں
یا جنہیں بحیثیت سفیر ہونے کے ایک مدت دراز تک وہاں رہنے کا اتفاق ہوا
ہے۔ اور اس کے ساتھ ایک فہرست ان بڑے بڑے عیسائیوں عہدہ داروں
کی دی ہے جو ترکی سلطنت میں مامور ہیں۔ خصوصاً اس ضمن میں مصنف نے جو
محاصرۂ وآرنا کا ایک واقعہ بیان کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترکوں سے
بڑھ کر کوئی قوم دنیا میں عیسائیوں سے ایسا شریفانہ برتاؤ نہیں کر سکتی۔ یہاں
تک کہ خود عیسائی بھی اپنے ہم قوموں سے ایسی رعایت کی توقع نہیں کر سکتے
لکھا ہے کہ ہنیاڈیس نے جو رومن کیتھلک مذہب پر تھا برین کو وچ سے جو گریک
چرچ کا متبع تھا دریافت کیا کہ اگر فتح تمہاری ہوئی تو کیا کروگے اُس نے
جواب دیا کہ میں ہر شخص کو مجبور کروں گا کہ وہ رومن کیتھلک ہو جائے اس کے
بعد اس نے سلطان سے یہی سوال کیا تو سلطان نے جواب دیا کہ میں ہر مسجد
کے قریب گرجا بنواؤں گا اور انہیں اجازت دوں گا کہ خواہ وہ مسجد میں عبادت
کریں یا صلیب کے سامنے سر جھکائیں۔ جب اہل سرویا نے یہ جواب سنا تو انہوں
نے بہ نسبت لیٹن چرچ کے ترکوں اطاعت کو بہت غنیمت سمجھا (حصہ اول صفحہ
۸۱)۔ اسی طرح سلطان سلیم نے اول بار ہا چاہا کہ عیسائیوں کے مذہبی رسوم کو
بند کر دے یا انہیں تہ تیغ کر ڈالے۔ لیکن مفتی نے ہمیشہ منع کیا کہ ایسا کرنا احکام
قرآن کے خلاف ہے۔ غرض مصنف نے مختلف تاریخی شہادتوں اور بڑے بڑے
اہل الرائے کی رایوں سے اس امر کو بخوبی ثابت کر دیا ہے کہ ترکی کا برتاؤ
عیسائیوں کے ساتھ ہمیشہ اچھا رہا ہے اور اب پہلے سے بھی اچھا ہے۔

اسی ضمن میں مصنف نے جزیہ کا ذکر کیا ہے جس پر پادری میکال نے بہت

کچھ زہر آ گلا ہے اور لکھا ہے کہ عیسائی جزیہ دے کر ایک سال کے لئے اپنی جان بچاتا ہے اور ایک سال اور اپنی گردن پر سر قائم رکھنے کا مجاز ہوتا ہے۔ ذمیوں کے حقوق کا مصنف نے بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے اور قرآن اور اقوال و اعمال آنحضرت صلعم سے بڑے شدومد کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام نے جو حقوق غیر مسلم رعایا کو عطا کئے ہیں وہ کسی قوم نے اپنی غیر قوم کی رعایا کو نہیں دئے اور یہ ٹکس جسے پادری صاحب " حق زندگی " سے تعبیر کرتے ہیں درحقیقت از روے شرع اسلام ان لوگوں کی حفاظت جان و مال کے لئے ہے جو مسلمانوں پر فرض ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے۔ شرع میں یہاں تک رعایت ہے کہ اگر دو سال کا ٹکس جمع ہو جاوے تو صرف ایک سال کا لیا جاوے اور گذشتہ سال کا معاف کیا جاوے۔ مسلمانوں کو ذمیوں سے زیادہ مصیبت بھگتنی پڑتی ہے۔ اس لئے کہ وہ ملک کی حفاظت کے لئے لڑائیاں لڑتے اور اپنا خون بہاتے ہیں۔ پادری صاحب نے یہ اعتراض خاص کر ترکی پر کیا ہے۔ حالانکہ وہاں کی حالت یہ ہے کہ ہر مسلمان جوان پر فرض ہے کہ وہ پانچ سال تک فوج میں کام کرے اور سات سال فوج بحری میں اور اس کے بعد سات سال ریزرو میں رہتا ہے۔ عیسائی ان تمام تکلیفوں سے بری ہے۔ ترک اگر ان مشقتوں سے بچنا چاہے تو اسے دس ہزار پیاسٹر یعنے ۹۵ پونڈ ادا کرنے ہونگے۔ حالانکہ عیسائی صرف ۲۵ پیاسٹر یعنے چار شلنگ ۶ پنس ادا کر کے تمام تکلیفوں سے محفوظ اور تمام رعایتوں کا مستحق ہو جاتا ہے۔ مصنف نے اس پر بڑی طول طویل اور عالمانہ بحث کی ہے۔

۵۔ پادری میکال نے ایک بڑا اعتراض یہ کیا ہے کہ شرع اسلام کا یہ قانون ہے اور بے شمار علما کا اس پر فتوے ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ وعدے یا

معاہدے کا توڑ دینا روا ہے۔ پادری صاحب کا یہ اعتراض جس قدر بے بنیاد اور لغو ہے وہ ظاہر ہے۔ قرآن میں معاہدے کی کامل پابندی کی سخت تاکید ہے۔ اور پیغمبر خدا صلعم نے اس کی ہدایت کی ہے۔ چنانچہ عیسائیوں کو آپ نے بذریعہ تحریر جو حقوق دئے اُس کا ذکر ہو چکا ہے۔ اور یہی حال خلفاے راشدین کا تھا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضہ نے فوج کو نصیحت فرمائی تو اس میں یہ بھی فرمایا کہ "جب تم کسی سے معاہدہ کرو تو اس پر قائم رہو اور اسے پورا کرو" اسی طرح حضرت عمر رضہ نے جو ایک ذمی کے ہاتھ سے شہید ہوئے تھے وفات کے وقت یہ وصیت کی کہ ذمیوں کے ساتھ اپنے معاہدوں اور اقراروں کی پابندی کرو۔ ان کی حمایت میں ان کے دشمنوں سے لڑو اور ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ اُن پر نہ ڈالو" اس کے علاوہ اسلامی تاریخ موجود ہے اُسے اٹھا کر دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں نے غیر قوموں سے کیسے کیسے سلوک کئے کہ آج تک اس کی نظیر نہیں ملتی۔

۶۔ ایک بڑا اعتراض پادری میکال کا یہ ہے کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے مصنف نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اول تو یہ قرآن کا حکم نہیں ہے۔ دوسرے خود فقہا میں اس مسئلہ کے متعلق اختلاف ہے۔ بلکہ بخلاف اس کے قرآن میں معافی کا حکم ہے۔ البتہ ایسے مرتد کو جو بغاوت کرتا ہے اور جنگ پر آمادہ ہے، قتل کر دینے کا حکم ہے۔ یہ امر ارتداد کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ بغاوت کی وجہ سے ہے۔ جن فقہا نے قتل کا فتوے دیا ہے مصنف نے ان کے وجوہ پر بحث کی ہے، اور ان کے استدلال کو ضعیف اور خلاف حکم خدا ثابت کیا ہے۔ اور اس کے بعد عیسائیوں کے قانون کو جو مرتد اور کافر کے متعلق ہے دکھا کر بتایا ہے کہ اسلام میں بمقابلہ مذہب عیسائی کے کس قدر نرمی اور رعایت کا برتاؤ روا رکھا گیا ہے۔

اسی ضمن میں مصنف نے پادری میکال اور دیگر معترضین کے اعتراضات در بارہ غیر مساوات غیر مسلمین کو بیان کر کے سب کے جواب کمال خوبی سے ادا کئے ہیں اور کامل طور پر یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام نے نہایت منصفانہ برتاؤ کی اجازت دی ہے اور عموماً مسلم اور غیر مسلم کو یکساں حقوق دئے ہیں اور یہ بات کسی دوسرے مذہب میں نہیں پائی جاتی۔ اور اسی کے ساتھ سلطنت ترکی پر جو متعصبانہ حملے کئے گئے ہیں ان سب کی اصل حقیقت کو دکھا کر اور بڑے بڑے مدبرین یورپ کے آراء پیش کر کے معترضین کی غلط بیانیاں ثابت کی ہیں۔ ہم نے عمداً اس مقدمے میں سلطنت ترکی سے بحث نہیں کی۔ اس لئے کہ اب ایک نئے دَور کا آغاز ہوا ہے اور ہمیں دیکھنا ہے کہ یورپین دول اب ینگ ٹرکس کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتی ہیں، اور ایک اسلامی دولت کی ترقی میں حائل ہوتی ہیں جیسا کہ اب تک ہوا یا اس میں سہولتیں پیدا کرتی ہیں۔ یورپ میں ترکی سلطنت مسیحی دول کی نظروں میں کانٹے کی طرح کھٹکتی ہے اور اگر آپس کی رقابت ان کی سد راہ نہ ہوتی تو کبھی کی اُن کا شکار ہو چکی تھی۔ اس نئے دَور کا خیر مقدم اگرچہ بڑی خوشی سے کیا گیا ہے لیکن اُن کا دل جانتا ہے کہ اب اُن کا وہ زور نہیں چل سکتا جو سلطان عبد الحمید خاں کے زمانے میں انہیں حاصل تھا کہ جو چاہا دباؤ ڈال کر لکھوا لیا اور جس طرح چاہا سلطنت کو نقصان پہنچا کر اپنے لئے رعایتیں حاصل کر لیں۔

دوسرا حصہ اس کتاب کا [redacted] یعنی تمدنی اصلاحات کے متعلق ہے اس حصہ میں مفصلہ ذیل اہم مسائل پر بحث کی گئی ہے:۔

(۱) اسلام میں عورتوں کی حالت۔

(۲) تعدد زوجات۔

(۳) طلاق۔

(۴) غلامی۔

(۵) قسٹری۔

اگرچہ یہ مسائل اس قسم کے ہیں کہ ان پر سالہا سال سے بحث ہوتی چلی آرہی ہے اور مخالفین کو بار بار معقول اور مدلل جواب دئے جا چکے ہیں، لیکن فاضل مصنف سے پہلے کسی عالم نے ان مسائل پر عالمانہ اور محققانہ بحث نہیں کی تھی مصنف کا استدلال صرف قرآن پاک سے ہوتا ہے۔ اس چھوٹی سی کتاب کے پڑھ لینے کے بعد پھر کسی بڑی سے بڑی کتاب کے پڑھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ پڑھنے والے کو اسلام کی اصل حقیقت اور اس کی خوبیوں اور نکتوں پر اس قدر عبور ہو جاتا ہے کہ سیکڑوں کتابوں کے پڑھنے سے بھی نہیں ہو سکتا۔ ساری کتاب علمی معلومات سے لبریز ہے اور ایک سطر بیکار نہیں اس کتاب پر ریویو کرنا نہ صرف ناممکن ہے بلکہ مصنف کے حق میں ظلم کرنا ہے۔ غلامی پر اس سے پیشتر سرسید احمد خاں مرحوم ایک بیش بہا اور بے مثل کتاب لکھ چکے تھے، لیکن جس انداز سے مصنف نے اس مضمون پر بحث کی ہے ناظرین اُسے دیکھ کر بے اختیار مصنّف کی قابلیت اور محنت کی داد دیں گے۔ غرض کہ فاضل مصنف نے ایسا بڑا کام کیا ہے کہ اس کا جس قدر شکریہ کیا جائے کم ہے۔ اس کتاب کے متعلق (جو انگریزی میں ۱۸۳ صفحہ پر ہے) یہ کہنا ہرگز مبالغہ نہیں کہ دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔

لیکن میکال نے جو اعتراضات مختلف مضامین کے ذریعہ سے اسلام اور ترکی سلطنت پر کئے ہیں اُن سے بہت کچھ بُوئے تعصب آتی ہے۔ اور اس کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ رائٹ آنریبل مسٹر جسٹس امیر علی کے ایک جوابی آرٹیکل کے جواب میں جو مضمون میکال نے انگلستان کے مشہور رسالہ "نائن ٹینتھ سنچری" میں بھیجا تو اڈیٹر نے صرف اس وجہ سے اُسے نہیں چھاپا کہ

پادری صاحب موصوف اپنے مضامین میں اس قدر بدزبانی اور بدلگامی سے کام لیتے ہیں کہ جس سے مسلمانوں کے دلوں کو صدمہ پہنچتا ہے۔ اور پادری صاحب کے جواب طلب کرنے پر اڈیٹر رسالہ مذکور نے ان کی تحریرات سے اس کا کافی ثبوت بہم پہنچایا ہے[1]۔ جس سے غالباً انہیں کچھ ندامت نہ ہوئی ہوگی۔

لیکن میکال اور اُن کے بعض ہم نوا یورپین مصنفین کا یہ کہنا کہ اسلام اپنے پیروؤں کو چھٹی صدی کے بدوؤں سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دیتا اور مسلمان کبھی ترقی نہیں کر سکتے جب تک وہ مذہب اسلام کو ترک نہ کر دیں، ایک حیرت انگیز اور سخت حیرت انگیز امر ہے۔ یہ کس قدر جُرأت اور دلیری کی بات ہے، گویا دنیا کی آنکھوں میں خاک جھونکنا' اور تاریخی واقعات کا خون کرنا ہے۔

کیا مسٹر میکال اور اُن کے دوست بھُول گئے ہیں کہ موجودہ ترقی اور تمدن کی بنیاد اہل اسلام ہی کی ڈالی ہوئی ہے۔ مذہب عیسوی ہمیشہ عقل و آزادی کا دشمن رہا ہے۔ حالانکہ برخلاف اس کے اسلام نے مردہ علوم و فنون کو جگایا، آزادی کو بڑھایا، غلامی کو مٹایا، نئی تحقیقات کی بنیاد ڈالی، جدید اکتشافات سے خزانہ علم کو معمور کیا، اوہام باطلہ اور بطلان پرستی کی بیخ کنی کی، مذہب و سائنس میں تطبیق دی اور یورپ کے گھُپ اندھیرے میں مشعل علم سے نور پھیلایا، علم و حکمت و آزادی کا عَلَم دنیا میں بلند کیا۔ اسی کے طفیل سے رفتہ رفتہ وہ ترقی ہوئی کہ جس کے چکاچوند میں مسٹر میکال اور اُن کے دوستوں کی آنکھیں اس قدر خیرہ ہوگئیں کہ اب وہ اپنے محسنوں کو بھی نہیں دیکھ سکتے مذہب عیسوی نے علوم و فنون اور آزادی اور علما پر جیسے جیسے ہولناک ظلم و ستم کئے ہیں اُسی قدر اور اس سے زیادہ اہل اسلام نے ان پر احسان کئے ہیں۔ اور اس پر بھی اس روشنی کے زمانے میں وہ مورد الزام ہے۔

---

[1] دیکھو رسالہ "نائن ٹینتھ سنچری" بابت ماہ ـــــ ء مطبوعہ لندن۔

کیا ریورنڈ میکال اور اُن کے دوستوں کو یاد نہیں کہ عیسائی علما ہر فلسفی اور طبیعی کو "کافر" "دہریہ" اور "مرتد" کا خطاب دیتے تھے۔ اور اس کے بعد ایک اور نہایت نفرت انگیز اور سخت لفظ ان لوگوں کے لئے ایجاد کیا گیا تھا۔ وہ لفظ "محمدن" تھا۔ چنانچہ راجر بیکن پر جس کے احسانات سے انگلستان اور یورپ کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتا محض طبیعی اور فلسفی ہونے کی وجہ سے "مسلمان" ہونے کا اتہام لگایا گیا تھا اور مسیحی علماء نے اسے مسلمان ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔ اور وہ تحریریں اب تک موجود ہیں۔ گویا لفظ "مسلمان" طبیعی اور فلسفی کے مترادف سمجھا جاتا تھا۔ اور آج انہیں کے سپوت ہیں جو علی الاعلان یہ دعوے کرتے ہیں کہ مسلمان اسلام پر قائم رکھ دنیا میں ترقی نہیں کر سکتا۔ اور یہ کہ اسلام دشمن علم و آزادی ہے۔

ببیں تفاوت رہ از کجا ست تا بکجا

**نوٹ**:۔ اس کتاب کے ترجمہ کرنے کے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ مصنف نے خود بھی اس کتاب کا اردو ترجمہ کرنا شروع کیا تھا۔ لیکن انجام کو نہ پہنچا سکے صرف ابتدائی چند اوراق کا ترجمہ کر کے رہ گئے۔ اتفاق سے وہ اوراق ترجمہ ہمارے ہاتھ آ گئے۔ لہذا ہم نے تبرکاً اُس قدر حصہ اپنے ترجمہ کا خارج کر کے مصنف کا اصل ترجمہ داخل کر دیا ہے۔ چنانچہ صفحہ ۱ سے صفحہ ۴ تک خود مصنف کا ترجمہ ہے مصنّف مرحوم کا ترجمہ پنجاب ریویو کے ضمیمہ میں چھپا تھا (ملاحظہ ہو پادری رجب علی کا مشہور رسالہ پنجاب ریویو کا ضمیمہ جلد نہم نمبر ۴ بابت ماہ اپریل ۱۸۸۶ء) اس اردو ترجمہ میں علامہ مصنّف نے چند حاشیہ بھی اضافہ کئے ہیں جو اصل انگریزی کتاب میں نہیں ہیں چنانچہ مقدمہ حصہ اول فقرہ (۱۴) صفحہ ۸ میں جو تفصیلی نوٹ فقہ حنفیہ پر لکھا گیا ہے وہ اصل انگریزی کتاب میں موجود نہیں ہے اس لئے ہم نے اُردو سے نقل کر دیا ہے۔ (مترجم)۔

مقدمۂ کتاب حصہ اول صفحہ ۲ پر مصنّف نے ہندوستان کی موجودہ حالت کے متعلق میجر آسبارن کی کتاب سے ایک عبارت نقل تھی - چونکہ اس حصے کا ترجمہ اُس زمانہ میں کیا گیا تھا جبکہ سڈیشن ایکٹ پاس نہیں ہوا تھا' اس لئے بیخبری میں بعینہٖ ترجمہ چھپ گیا۔ چھپنے کے بعد جب ہم کو اس امر پر اطلاع ہوئی تو اس خیال سے کہ وہ عبارت سڈیشن ایکٹ کے حدود میں آ سکتی ہے، خارج کر دی گئی -

# مقدمہ

## اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام

## حصہ سوم

## مشتمل بر آرائے مشاہیر علمائے معاصرین یورپ و ہندوستان

"۱۸۸۳ء میں اس کتاب کے شائع ہونے پر حلقۂ علم و فضل میں اس کو بہت شہرت اور مقبولیت
"حاصل ہوتی تھی اس کتاب کے متعلق جس قدر خطا اہل علم اور نامور اشخاص نے مولوی صاحب
"مرحوم کو لکھے تھے وہ سب ہمیں مقدمہ کتاب ہذا لکھنے کے بعد دستیاب ہوئے چونکہ یہ خطوط نہایت
"دلچسپ ہیں اور اُن سے پبلک کی قدردانی کا اظہار ہوتا ہے لہذا اس مقام پر بنظر اختصار
"صرف (۵) خط نقل کئے جاتے ہیں :-

### (۱) خط سر سیدؒ

"سر سید کے مندرجہ ذیل خط سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی چراغ علی مرحوم کا ارادہ اس کتاب کو
"اُردو زبان میں بھی شائع کرنے کا تھا لیکن چونکہ سر سید زمانہ کی حالت اور خصوصاً دیسی ریاستیں
"کے نازک تعلقات کو خوب سمجھتے تھے اُنہوں نے کتاب کے مطالب پر واقفیت حاصل کرنے کے
"بعد اس سے اختلاف کیا۔ شکر ہے کہ اب اتنی مدت کے بعد مرحوم کا دیرینہ ارادہ مولوی عبداللہ
"خاں صاحب کی ہمت سے پُورا ہوا۔ خدا وند تعالےٰ مصنف کو مغفرت اور پبلشر کو جزائے
"خیر عطا فرماوے۔

"جناب مولانا و مخدومنا۔ میں نے آپ کی کتاب اعظم الکلام کو بخوبی دیکھا، اور آپ کی تار برقی پہنچنے کے بعد کل فہرست کا اردو میں ترجمہ بھی کر لیا، اور اس کو کسی قدر

زیادہ وضاحت سے لکھنا شروع کیا۔ مگر میری راے میں اُس کا اُردو میں چھپنا مناسب نہیں ہے۔ لوگ اس کا مطلب اور مقصد سمجھنے کے نہیں، اور اُلٹے اور مخالف معنے لگا دیں گے، اور اس کے چھپنے اور مشتہر ہونے سے شاید حیدر آباد میں ایک مخالف اور عداوتی فیلنگ آپ کے ساتھ پیدا ہوگی، جس کا پیدا ہونا میری راے میں مناسب وقت نہیں ہے۔ اِس لئے میں نے فہرست کا چھاپنا اور درست کرنا موقوف کر دیا ہے اور مجھے اُمید ہے کہ آپ میری اس رائے سے اتفاق کریں گے۔ علی گڑھ میں بھی بڑی فیلنگ آپ کی نسبت پھیلی ہے منشی اکبر حسین منصف کے پاس وہ کتاب کہیں سے آئی ہے۔ اس کے بعض مضامین کا اُنہوں نے لوگوں سے ذکر کیا، اور لوگ نہایت ناراض ہوئے۔ حیدر آباد میں یہاں سے زیادہ جہالت ہے اور بہت ناراضی پھیلنے کا اندیشہ ہے۔ والسّلام"

## (۲) ترجمہ خط مسٹر اے بلنٹ مشہور مصنف فیوچر اسلام وغیرہ

میں آپ کا نہایت ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے اپنی کتاب اعظم الکلام کی ایک جِلد عنایت فرمائی۔ جس خیال کو میں اپنی کتاب فیوچر اسلام میں سمجھانا چاہتا تھا، اس کی بحث مَیں اس کتاب میں دیکھتا ہوں، مجھے یقین ہے کہ قاہرہ اور دیگر مقامات کے لوگ اسے ہاتھوں ہاتھ لیں گے اور اس سے ہمدردی ظاہر کریں گے۔ جس وقت مجھے ایسے سنجیدہ معاملات پر غور کرنے کی فرصت ملے جن کی بحث آپ نے اپنی کتاب میں کی ہے تو مَیں ایک آرٹیکل لکھوں گا، اور آپ کی کتاب اُس کا متن ہوگی۔ ان اصلاحات کے عمل میں لانے کے متعلق جس[1] اُمید کا

[1] کاش اگر مولوی چراغ علی صاحب مرحوم اس وقت زندہ ہوتے اور نوجوان ترکوں کے جوش اور حُبِ وطن کو دیکھتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ جو اُمید انہوں نے ٹرکی کے متعلق ظاہر کی تھی وہ کچھ بے جا نہ تھی۔ (مترجم)

آپ نے قسطنطنیہ سے اظہار کیا ہے، کاش اسی قدر اُمید مجھے بھی ہوتی! لیکن فی الحال میرا خیال ہے کہ وہاں آزادی سے کام کرنے کی کوئی توقع نہیں۔ میں اپنی اور لیڈی بلنٹ کی طرف سے آپ کا پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔

آپ کا مخلص

اے۔ بلنٹ

## (۳) ترجمہ خط منجانب ڈبلیو ڈبلیو ڈاکٹر ہنٹر

مکرمی۔ میں آپ کی دلچسپ اور بیش بہا کتاب اصلاحات ممالک اسلامیہ کے بھیجنے کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میرا ہمیشہ سے یہ خیال ہے کہ قرآن یا اسلامی شرع میں جس کی بنا قرآن پر ہے، اس قدر گنجائش اور لچک ہے کہ جوں جوں سوسائٹی ترقی کرتی جائے اور لوگوں میں زیادہ انسانیت پیدا ہو تو اس میں بھی ضرور ارتقا ہوتا جائے۔ میں دل سے چاہتا ہوں کہ آپ کے ہمدردانہ خیالات آپ کے اہل ملک میں شائع ہوں اور نیز وہ میرے ملک والوں میں اسلام کے جدید امکانی ارتقا کے متعلق صحیح خیال پیدا کریں۔

## (۴) ترجمہ خط منجانب وائسرائے و گورنر جنرل ہند

گورنمنٹ ہوس مورخہ ۱۱ جولائی ۱۸۸۵ء۔

مکرمی۔ میں نے آپ کی کتاب جو آپ نے ہز ایکسلنسی وائسرائے کے لئے بھیجی تھی، وائسرائے بہادر کی خدمت میں پیش کردی۔ اور مجھے ہدایت ہوئی ہے کہ میں اُن کی طرف سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔

ہز ایکسلنسی ہمیشہ اُن مسلمانوں کی مساعی سے ہمدردی رکھتے ہیں جو مثل آپ کے

اپنے ہم مذہبوں کو اس امر کے یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلام کے اصلی قدیم اصول موجودہ زمانہ کی تہذیب و تمدن کے مخالف نہیں ہیں۔

شروع دستخط — میں ہوں آپ کا وفادار

ڈی میکنزی والس

پرائیویٹ سکرٹری ہز ایکسلنسی وائسرائے

## (۵) ترجمہ مراسلہ ڈاکٹر اسپرنگر

جو

## ڈاکٹر صاحب موصوف نے کتاب زیر مقدمہ کے شکریہ میں مولوی چراغ علی مرحوم کو لکھا تھا

اور جس میں

## مسلمانوں کے اسباب تنزل اور ترقّی

پر

## ایک نہایت عالمانہ بحث کی ہے

"دو یہ خط کیا ہے خاصہ ایک رسالہ ہے۔ اس خط سے معلوم ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب موصوف کو جو "ایک مشہور و معروف عالم اور نامور مستشرق تھے اسلامی تاریخ و مذہب میں اس قدر تبحر اور "موجودہ اسلامی ممالک اور مسلمانوں کے حالات سے اس قدر کامل واقفیت تھی کہ شاید ہی کسی "دوسرے یورپین یا مسلمان کو حاصل ہو۔ اس خط نے اس کمی کو بڑی خوبی سے پورا کیا ہے جو اس

(نوٹ) ہم مسٹر محمود علی صاحب فرزند سوم مولوی چراغ علی مرحوم کے نہایت شکر گزار ہیں کہ اُنہوں نے یہ خط مولوی صاحب مرحوم کے کاغذات میں سے تلاش کر کے عنایت فرمایا اور خدا سے دُعا کرتے ہیں کہ اس سعادت مند نوجوان کو جزائے خیر اور علوّ مراتب کرامت فرمائے۔

"کتاب میں بظاہر نظر آتی ہے۔ یعنے ڈاکٹر صاحب موصوف نے علاوہ دیگر امور کے مسلمانوں
"کے موجودہ انحطاط کے اسباب اور آیندہ کی اصلاح پر ایک مبقرانہ اور نقادانہ نظر ڈالی
"ہے جو تمام اسلامی ممالک اور خاص کر افغانستان کے لئے جہاں جدید تعلیم کا سلسلہ ابھی
"ابھی جاری ہوا ہے اور جو غالباً زیادہ صحیح اصول پر نہیں ہے نہایت درجہ قابل غور اور
"لائق توجہ ہے۔

"ہندوستان میں سرسید رحہ نے عجیب وغریب اور بے مثل کوشش مسلمانوں کی اصلاح
"کے لئے کی، اُسے اب مسلمان خوب سمجھ گئے ہیں اور اس کے احسان کو مانتے ہیں لیکن
"حقیقت یہ ہے کہ ابھی تک گوہر مقصود ہمارے ہاتھ میں نہیں آیا ہے، اور نہ ابھی سرسید رحہ
"کا اصل مقصد حاصل ہوا ہے۔ اس کا دارو مدار صرف ایک بات پر یعنے اسلامی یونیورسٹی
"کے قائم ہونے پر ہے اور صرف اسلامی یونیورسٹی کا قائم ہونا ہی کافی نہیں، بلکہ جب
"تک ایسے لوگ (خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم) جو علوم مغربی ومشرقی کے جامع، اسلامی تاریخ
"و مذہب کے عالم، موجودہ زمانہ کی ضروریات وحالات سے واقف اور ہمدرد نہ ہوں، صحیح
"طور پر یہ طریقہ تعلیم اور نصاب تعلیم قائم نہ کردیں، اس وقت تک اصلی غرض حاصل نہیں
"ہوسکتی۔ جب یہ ہو جاوے تو سمجھنا چاہیئے کہ ہماری اصلاح کی مستحکم بنیاد قائم ہوگئی۔

"لہذا ہم توقع رکھتے ہیں کہ تمام پُرجوش مسلمان اور مسلمانوں کے بہی خواہ اسے بغور
"پڑھیں گے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے۔ (مترجم)

---

مقام ہیڈل برگ (۴۱) آلاج

مورخہ ۸ - مئی ۱۸۸۴ء

بخدمت مولوی چراغ علی محکمہ عالیہ سول سرویس سرکار عالی

مکرمی ومعظمی

آپ کی کتاب " اصلاحات زیر حکومت اسلام " (اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام) وصول ہوئی، جس کے لئے میرا دلی شکریہ قبول فرمائیے۔ یہ ایک نہایت عمدہ کتاب ہے، اور اس سے آپ کے علم وفضل اور حذاقت عقل کا ثبوت ملتا ہے، اور یقین ہے کہ اس سے ہندوستان و انگلستان میں بڑی حرکت اور قیل وقال پیدا ہوگی۔

میں اپنی نسبت تو یہ کہتا ہوں کہ انا حنیف[1] فما اکون مسلما و لانصرانیا، لیکن اگر میں مسلمان ہوتا تو میں اُن عیسائی مشنریوں کے حملوں کا جو وہ اسلام پر کرتے ہیں کبھی جواب نہ دیتا بلکہ صرف اتنا کہہ کے چھوڑ دیتا کہ قاضی عیاض کی بے مثل کتاب الشفا ملاحظہ فرمائیں۔ جس قدر کتابیں کہ عیسائی مذہب کی حمایت میں لکھی گئی ہیں یہ کتاب اگر اُن سے افضل نہیں تو اُن کے برابر ضرور ہے، اور اُس کے ساتھ ہی آپ اپنے مخالفین سے یہ بھی کہہ سکتے ہیں۔

قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (یونس ۱۰۔ آیت ۳۹)۔

کہہ تم لے آؤ ایک سورۃ ایسی اور پکارو جس کو پکار سکو اللہ کے سوا۔ اگر تم سچے ہو۔ (یونس ۱۰۔ آیت ۳۹)

مجھے تعجب ہے کہ کیوں آپ کے کسی پُرجوش اسلامی بھائی نے اب تک اس کتاب کا انگریزی ترجمہ مرتب نہیں کیا۔ میرا یہ ریمارک اس مباحثہ کے متعلق ہے جبکہ جانبین اپنے اپنے مذہب کے قائل ہیں لیکن اگر مقابلہ میں کوئی زندیق ہے تو اس کی حالت دوسری ہے ایسی صورت میں شیخ سعدی کے قول پر عمل کرنا چاہیئے جو غالباً یہ ہے:۔

"علم من قرآن است وحدیث وگفتار مشائخ و او بدینہا معتقد نیست۔ مرا شنیدن "کفر او بچہ کار آید؟

"آن کس کہ بقرآن وخبر زو نرہی
"آنست جوابش کہ جوابش ندہی"[2]

غرض میری نصیحت یہ ہے کہ بحث مباحثہ میں پڑنے سے احتراز کیجئے۔

[1] آل عمران ۳۔ آیت ۶۰ کی طرف اشارہ ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:۔ ما کان ابراہیم یہودیا ولا نصرانیا۔ الی آخرہ۔

[2] گلستاں باب ۴ حکایت ۴ مطبوعہ موضع ہارتفرد مطبع آستیفن آستن صاحب ۱۸۶۳ء۔

دوسرا مسئلہ اکملیت اسلام کا ہے۔ آپ نے جو کچھ اس پر لکھا ہے وہ بہت قابل تعریف ہے، اور پُر زور بھی ہے اس لئے کہ اس کا لکھنے والا ایک مسلمان ہے۔ فروع میں مومنین کے ایمان میں خلل ڈالے بغیر ضروریات زمانہ کے لحاظ سے تغیر و تبدل ہوسکتا ہے۔ علاوہ اس کے مسلمانوں میں بعض ایسے رسوم اور رواج رائج ہوگئے ہیں جو احکام اسلام کے بالکل خلاف ہیں، مثلاً ہندوستان میں ذات پات کا امتیاز اور اولیاء اللہ کی قبروں کی زیارت اور عربستان میں عموماً خوف وخطرہ کے وقت پیغمبر صلعم کی دُہائی۔ ابوجہل اور اُس کے اعوان و انصار اس قدر بُت پرست نہیں تھے جیسے آج کل کے موحّد، قرآن مجید سورۂ لقمان ۳۱۔ آیت ۳۱ میں آیا ہے۔

| | |
|---|---|
| وَاِذَا غَشِیَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ۔ (لقمان ۳۱۔ آیت ۳۱) | اور جب (سمندر کی) موج اُن کے سروں پر مثل بدلی کے چھا جاتی ہے تو پکارنے لگتے ہیں اللہ کو اور سچے دل سے اسی کی عبادت کرتے ہیں۔ (لقمان ۳۱۔ آیت ۳۱)۔ |

اور ایک دوسری آیت میں ہے:۔

| | |
|---|---|
| وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِیّٖنَ اَرْبَابًا۔ (آل عمران ۳۔ آیت ۷۴)۔ | اور وہ یہ کبھی نہیں کہتا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو خدا قرار دے لو۔ (آل عمران ۳۔ آیت ۷۴)۔ |

اس قسم کے رسوم اصول اسلام کے بالکل مخالف ہیں لیکن وہ عملی طور سے ایسے اہم نہیں ہیں کہ اصلاح کی ابتدا ان پر حملہ کرنے سے کی جائے۔

اس سے زیادہ قابل اعتراض ترکی کی دینی اور الٰہی حکومت ہے جو فطرت اسلام کے بالکل مخالف ہے، لوگوں کو جہالت میں رکھنے اور اصلاح کی مخالفت کرنے میں شیخ الاسلام اور علماء کا اس قدر فائدہ ہے جتنا کہ یورپ

ہوا اور اُس کے مشیروں کا۔

جس زمانے میں کہ مسلمانوں کے تعلیمی مدارس میری نگرانی میں تھے، تو میں نے اپنا تمام وقت اور ہمت اس بات کے کھوج لگانے میں صرف کی کہ مسلمانوں کی قوم کو ترقی دینے کے لئے کون سے وسائل اختیار کئے جائیں۔ اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ میرے زمانہ میں ہندوستان کے مسلمان دولت و اثر میں ہندوؤں کے برابر نہ تھے تو مجھے اُمید ہے کہ آپ بُرا نہ مانیں گے، یہ فرق محض اُن کی (مسلمانوں) کی ہیکڑی اور ترقی کی مخالفت کی وجہ سے تھا۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ سلطنت اودھ کی آمدنی بوجہ بد انتظامی کے ہمارے زمانے میں بمقابلہ عہد آصف الدولہ دسواں حصہ یا اس سے بھی کم رہ گئی تھی۔ ترکی کی حالت اس سے بھی بدتر ہے، اور جس شخص نے اس ملک کو نہیں دیکھا تو وہ صرف قیاس سے کام لے سکتا ہے۔ کوفہ۔ مدائن اور سر من رائے جیسے عظیم الشان شہر جن کی آبادی کسی زمانہ میں لاکھوں تک پہنچ گئی تھی اب بالکل نیست و نابود ہو گئے ہیں؛ بصرہ جو کسی زمانہ میں ایسا ہی مرفہ الحال بندرگاہ تھا جیسا کہ آج کل بمبئی ہے یا اس سے بھی زیادہ، نصیبین نیز بغداد گھٹتے گھٹتے کم حیثیت شہر رہ گئے ہیں اب صرف وہی مقامات زیادہ آباد اور باوقعت ہوتے جاتے ہیں جہاں یورپین لوگوں کی آبادی زیادہ ہے، مثلاً بیروت۔ غرض یہ کہ سلطنت عثمانیہ کی بد انتظامی کی وجہ سے ملک غیر آباد ہو گیا ہے۔ میں مثال کے طور پر ایک واقعہ بیان کرتا ہوں جس سے اس بد انتظامی کی کیفیت آپ کو معلوم ہو گی کہ خدیو اسمٰعیل نے چھ کروڑ فرانک جو اڑھائی کروڑ کے برابر ہوتے ہیں، نہر سویز کی افتتاح کے موقعہ پر صرف رنگ رلیوں میں اُڑا دیا۔ مصر کے فلاحین بالکل غلام ہیں۔ اُس پیداوار میں سے جو وہ کھیتوں میں اپنی محنت سے پیدا کرتے ہیں اتنی بھی اُن کے پاس

نہیں چھوڑی جاتی کہ اُن کے خاندان اس پر بسر کرسکیں، میں نے اپنی آنکھوں دیکھا ہے کہ محافظین تازیانے کے زور سے ان فاقہ زدوں سے ریلوے سڑک کی تعمیر کا کام لیتے ہیں، ان سے جبراً نہر سویز کے کھودنے کا اور ریل کی سڑک بنانے کا کام لیا جاتا تھا اور ان میں سے ہزاروں تکان اور فاقوں کے مارے ہلاک ہوگئے۔ آپ یہ خیال نہ کیجئے کہ ترکی خاص کے مسلمان باشندے کچھ اچھی حالت میں ہوں گے۔ ۱۸۵۵ء میں جس روز میں دمشق پہنچا اُسی روز ایک نیا پاشا قسطنطنیہ سے آیا۔ چند ہی روز بعد میں نے پرُشیا کے کونسل سے سُنا کہ اس پاشا نے پولیس کے افسر اعلےٰ کو بُلا کر کہا کہ اگر تم مجھے روزانہ ایک ہزار پیاسٹر ادا کرنے پر راضی ہو تو تمہیں اختیار رہے کہ جو جی چاہے کرو۔ چند مہینے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ ایک نہایت دولتمند سوداگر، جو میرا دوست تھا، اور جس کا نام القدسی تھا بلاوجہ قید کردیا گیا، اور اُسے اس قدر مجبور کیا گیا کہ اس بیچارے کو اپنی جایداد کا ایک حصہ نذر کرکے اپنا پیچھا چھڑانا پڑا۔ میں آپ کو اس سے بھی زیادہ ظلم اور جبر کے واقعات سُنا سکتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ سلطان عبدالحمید مدرسے قائم کررہے ہیں اور تعلیم پھیلانے میں سعی بلیغ فرما رہے ہیں۔ لیکن عوام کی تعلیم کے لئے اس قسم کی کوششیں اس سے قبل کوئی پچاس مرتبے ہوچکی ہیں، لیکن وہ سب عارضی ہیں اور غلط اصول پر مبنی ہیں، اور اس لئے ہر بار وہ بے کار ثابت ہوتی ہیں۔

تعلیم یافتہ مسلمانوں کے خلوص اور تدیّن کے لئے صرف یہی کافی نہیں ہے کہ وہ ان خرابیوں کی طرف سے آنکھیں بند کرلیں اور کفار پر لَعْنَتُ اللّٰہِ عَلَے الْکَافِرِیْنَ بھیج کر چُپ ہورہیں۔ آپ یقین رکھئے کہ اگر اسلام کے بھی خواہ باہم متحد نہ ہونگے اور اصلاحات جاری نہ کریں گے، تو ایشیا اور افریقہ میں سوائے صحرائے

عرب کے کوئی ملک ایسا نہ رہے گا جسے مسلمان اپنا ملک کہہ سکیں۔ چپہ چپہ زمین پر فرنگی یعنے انگریز، روسی اور فرانسیسی قابض ہو جائیں گے اور مسلمانوں کی حیثیت مثل اہل الذمہ کے رہ جائے گی۔

مسلمانوں کا انحطاط مذہب اسلام سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ میجر آسبارن نے جو مقابلہ مذہب اسلام اور عیسائیت کا کیا ہے وہ بہت ہی عجیب وغریب ہے، لیکن اگر ہم ان دونو مذہبوں کی تاریخ کا مقابلہ کریں گے تو دوسرے ہی نتائج پر پہنچیں گے۔ پیغمبر اسلام کی اُمت نے ایک حیرت انگیز قلیل عرصہ میں قوت وثروت اور اعلےٰ تمدن کو حاصل کر لیا تھا، اور زمانۂ حروب صلیبیہ میں وہ ہر لحاظ سے عیسائیوں سے افضل تھے، بلاشبہ سلطان صلاح الدین اپنے زمانے کا سب سے زیادہ روشن خیال، نہایت شریف النسب اور اعلےٰ درجہ کا حریّت پسند شخص تھا اور اپنے ہمعصر فریڈریک ثانی سے بھی کہیں افضل تھا، حالانکہ وہ جرمن کا بہت بڑا بادشاہ ہوا ہے، اور علاوہ دیگر فضائل کے اس نے صقلیہ میں تربیت پائی تھی، اور عربی علم ادب میں بڑی دستگاہ رکھتا تھا۔ اس سے ایک صدی قبل صقلیہ کا بادشاہ راجر تھا، جس کا دربار یورپ میں سب سے زیادہ شاندار اور مہذب تھا۔ ابن جبیر جو اس زمانے میں صقلیہ پہنچا تھا اس بادشاہ کے متعلق یہ لکھتا ہے :-

ومن عجیب شانہ المتحدث بہ انہ یقرأ ویکتب بالعربیۃ وعلامتہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ حق حمدہ . . . . واما جواریہ وحظایاہ فی قصرہ فمسلمات کلّھنّ ومن الاعجب ان الافرنجیۃ النصرانیّات تقع فی قصرہ فتعود مسلمۃ تعیدھا الجواری المذکورات مسلمۃ

اور یہ عجیب بات ہے کہ وہ عربی زبان میں لکھتا پڑھتا ہے اور اس کی علامت سلطنت "الحمد للہ حق حمدہ" ہے (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سرکاری زبان عربی تھی) اور بادشاہ کی اہل خدمت اور محل کی سہیلیاں سب مسلمان ہیں اور اس سے عجیب تر یہ بات ہے کہ عیسائی عورتیں اسکے محل میں داخل ہوتی ہیں ان کو بھی یہ مسلمان

وهن علے تکتّم من ملکهن فی ذلک کلّه ۔

رحلہ ابن جبیر صفحہ ۳۲۵ مطبوعہ بریل ۱۹۰۷ء

عورتیں مسلمان کر لیتی ہیں اور ان امور کو وہ بادشاہ سے مخفی رکھتی ہیں۔

رحلہ ابن جبیر صفحہ ۳۲۵ مطبوعہ بریل ۱۹۰۷ء۔

نہ صرف دربار کی لیڈیاں بلکہ شہر کی عورتیں بھی عربی فیشن کا لباس پہنتی تھیں۔

وزی النصرانیّات فی ہذہ المدینۃ زیّ نساء المسلمین فصیحات الالسن ملتحفات منتقبات خرجن فی ہذہ العید المذکور وقد لبسن۔ ثیاب الحریر المذہبۃ والتحفن الرائقۃ وانتقبن بالنقب الملوّنۃ وانتعلن الاخفاف المذہبۃ وبرزن لکنائسهن اوکنسهن حاملات جمیع زینۃ نساء المومنین من التحلّی والتخضب والتعطر۔

رحلہ ابن جبیر صفحہ ۳۳۳ مطبوعہ بریل ۱۹۰۷ء

اس شہر کی عیسائی عورتوں کے لباس کا فیشن مثل مسلمان عورتوں کے ہے اور اُن کی زبان نہایت فصیح ہے اور ردا اور نقاب پوش ہیں اور کرسمس کے دن جب باہر نکلیں تو کار چوبی ریشمی کپڑے زیب تن کئے ہوئے تھیں اور نفیس چادریں اوڑھے ہوئے تھیں اور رنگین نقابیں اپنے چہروں پر ڈالے ہوئے تھیں اور کامدار موزے پہنے ہوئے تھیں غرض کہ ہر طرح کی آرایش لباس و مہندی عطر وغیرہ مثل مسلمان عورتوں کے کئے ہوئے تھیں اور اپنے اپنے گرجاؤں کو جا رہی تھیں۔

رحلہ ابن جبیر صفحہ ۳۳۳ مطبوعہ بریل ۱۹۰۷ء۔

مختصر یہ کہ صقلیہ کی عورتوں تک نے اسلامی تمدن کو اختیار کر لیا تھا۔ بارھویں صدی میں بہت سی کتابیں عربی زبان سے لاطینی زبان میں ترجمہ ہوئیں، اور ازمنہ وسطی میں جس قدر علم ہمارے بزرگوں کو فلسفہ، ہیئت، ریاضیات، طب وغیرہ میں تھا، وہ سب یا تو انہیں ترجموں سے حاصل کیا گیا تھا، یا اُن لوگوں سے جنہوں نے طلیطلہ (ٹلیڈو) میں عرب (یعنے مسلم یا یہودی) اساتذہ کی خدمت میں رہ کر تعلیم حاصل کی تھی۔ یہاں تک کہ ارسطاطالیس، جالینوس، بطلیموس اور اقلیدس کی تصانیف اول اول یورپ میں عربی نسخوں کے لاطینی تراجم کے ذریعہ سے پہنچیں۔ قانون

ابو علی ابن سینا سولھویں صدی کے وسط تک ہمارے مدارس میں طب کی سب سے بڑی کتاب سمجھی جاتی تھی۔ مسلمانوں نے بڑے انصاف سے کام لیا ہے جو ان علوم کا نام علوم القدما رکھا ہے، کیونکہ یہ علوم اُن کے ہمعصر رومی عیسائیوں کے نہ تھے، بلکہ یونان سے آئے تھے۔ رومی اس وقت انتہا درجہ کی ذلت و نکبت میں پڑے ہوئے تھے۔ اور اپنے باپ داداؤں کے علوم کی تحصیل اُنھوں نے ترک کردی تھی۔ ارسطاطالیس وغیرہ کی تصانیف کے عربی ترجموں کی بنیاد زیادہ تر اصل نسخوں پر نہ تھی، بلکہ شامی نسخوں پر تھی، جو خاص کر صابئین حران کے پاس محفوظ تھے۔

تیرھویں صدی میں عیسائی علم دین نے ایک نیا جامہ بدلا۔ طامس اقوی نو نے حسب احکام پوپ فلسفہ ارسطاطالیس کی تعلیم دینی شروع کی۔ تو وہ صرف ارسطاطالیس کا نام ہی نام جانتا تھا اور اُس کا بڑا ماخذ ایک یہودی میمون ابن موسیٰ نامی تھا جو ایک مدت تک مصر میں رہا تھا اور اسلامی فلسفہ کا ماہر تھا۔ طامس اقوی نو نے اکثر اوقات صفحے کے صفحے میمون سے نقل کر لئے ہیں۔ اور وہ عربی فلاسفہ کی نظریات سے خوب واقف تھا۔ اور یہ شخص جدید نظام دینیات کا بانی ہوا ہے، جو آپ کے علم الکلام سے اس قدر مشابہ ہے کہ گویا اس کی نقل ہے۔ یہ عجیب واقعہ ہے کہ طامس اقوی نو (سنہ ۱۲۷۴ء وفات) المحقق الطوسی (وفات سنہ ۱۲۷۳ء) کا ہمعصر تھا جس کی التجرید اس کے پیشرو ماہرین علم الکلام کی تصانیف کا خلاصہ ہے، اور وہ (التجرید) طامس اقوی نو کی کتاب سما تھیولوجی سے اسی قدر افضل و اعلےٰ ہے جس قدر کہ اُس زمانے میں مسلمان عیسائیوں سے افضل تھے۔ اگر ہیچ آمیزن ان دو کتابوں کا مقابلہ کریں، تو یقین ہو جائے گا کہ موجودہ تمدن اور جدید خیالات کی بنا عیسائی مذہب پر نہیں بلکہ ریفارمیشن پر ہے۔ یہ اصلاح شدہ مذہب عیسائی ہے

جس نے انسانی فہم کو اس کے حقوق دلوائے، اور انسان کے دل میں اس کی ذمہ واری کی تحریک پیدا کر کے اخلاق کاملہ کی بنیاد قائم کی۔ یہ ایک نہایت ہی اعلیٰ اصول ہے، جسے قرآن میں بار بار بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۂ النجم ۵۳ آیت ۴۰ کے الفاظ

لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى | انسان کو اپنی ہی کوشش سے فائدہ ہوگا۔

میں اسی اصول کو سمجھایا گیا ہے، لیکن اسے محمد صلعم نے بعد میں کسی قدر دبا دیا۔ وہ عیسائی اقوام جنہوں نے مذہب پروٹسنٹ کی مخالفت کی، اور جنہوں نے مثل ریاستہائے جنوبی امریکہ پروٹسنٹ لوگوں کی صحبت سے کچھ نہیں سیکھا، وہ ایشیائی اقوام کے مقابلہ میں بے انتہا وحشی اور اخلاق میں گری ہوئی ہیں۔ چونکہ میری پرورش اور تعلیم و تربیت رومن کیتھلک مذہب میں ہوئی ہے، لہذا میں کہہ سکتا ہوں کہ اس کلیسا کا صدر پوپ ہے جو زمانہ قدیم سے ہمیشہ اپنے زمانہ کا سب سے بڑا فاسق ہوتا آیا ہے۔ اہل آئرلینڈ کا افلاس اور اہل فینا میں شیطانی سیہ کاری محض اس وجہ سے ہے کہ وہ پوپ کے حکم بردار بندے ہیں۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ اب وہ اُن سے دست بردار ہو گیا ہے مگر یہ اس کی دست برداری ایسی ہی ہے جیسے ہاروت ماروت کہنے کو تو یہ کہتے ہیں کہ

اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ | ہم تو بجز فتنہ کے اور کچھ نہیں ہیں پس تم کافر مت بنو۔
(البقرہ ۲۔ آیت ۹۶) | (البقرہ ۲۔ آیت ۹۶)

لیکن ساتھ ہی ساتھ بہکاتے اور گمراہ کرتے بھی چلے جاتے ہیں۔

آپ نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۳۲ میں لکھا ہے کہ "دوسرا معاملہ جس کی طرف پیغمبرؐ نے توجہ مبذول کی وہ بہتان و افترا کا رفع کرنا تھا، چنانچہ آپ نے اُن لوگوں کے لئے جسمانی سزا کا حکم دیا جنہوں نے پارسا عورتوں پر بہتان باندھے تھے اور

آپ نے سورۂ النور ۲۴ کی آیات ۴-۶-۲۳ کا حوالہ دیا ہے۔ آپ کی کتاب میں یہ فقرات ایسے ہیں جن پر سب سے زیادہ آسانی سے حملہ ہو سکتا ہے۔ ایک وقت ایسا آئے گا جب کہ مسلمانوں میں بھی آزاد خیال لوگ اس کثرت سے پیدا ہو جائینگے جیسے کہ آج کل ہمارے ہاں جرمنی میں ہیں، جہاں مشکل سے کوئی تعلیم یافتہ شخص انجیل کو کتاب الٰہی سمجھتا ہے، اور جب ایسا وقت آئے گا تو اس بات کے کہنے میں کوئی مضایقہ نہ ہوگا کہ قرآن مجید محمد صلعم کی تصنیف ہے، لیکن فی الحال مومنین کے مذہبی خیالات کو صدمہ نہیں پہنچانا چاہیئے علاوہ اس کے غالباً قرآن میں کوئی دوسری آیت ایسی نہیں جس پر بحث کرنے سے کسی حامئے اسلام کو اس قدر گریز ہوگا، اور اگر مخالف اس کے متعلق بحث کرنا چاہے، تو اُسے صرف یہی کہنا چاہیئے کہ خدا کے الفاظ یہی ہیں وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ۔ اگر آپ اس واقعہ کو جو ان آیات کے شان نزول کا باعث ہوئیں۔ اور نیز آیۃ الرجم کے واقعات کو جاننا چاہتے ہیں، تو آپ کو علاوہ سیرت پیغمبرؐ اور کُتب تفاسیر اور کتاب اسباب النزول کے کتاب الاغانی کا مطالعہ بھی کرنا چاہیئے۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ قرآن میں ایسی آیات بھی موجود ہیں جن کا تعلق پیغمبرؐ کی خاندانی مشکلات سے ہے مثلاً سورہ التحریم ۶۶ کی ابتدائی آیات کو ملاحظہ فرمائیے۔ ان آیات سے حامی اسلام کو بڑی دقت کا سامنا ہوتا ہے۔ اگر میں مسلمان ہوتا تو میں کہتا کہ یہ آیات متشابہات میں داخل ہیں اور میں اپنے مخالفین کو اُن لوگوں میں شریک کرتا جن کی نسبت یہ کہا گیا ہے

اَلَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ۝

(آل عمران ۳ - آیت ۵)

جن لوگوں کے دل میں کجی ہے تو اس میں سے متشابہ آیتوں کے پیچھے پڑتے ہیں فتنہ چاہنے کے لئے اور اُس کی (غلط) مراد کی تلاش کرنے کے لئے۔

میرا اس پر کامل یقین ہے کہ اس قسم کی آیات ضرور متشابہات میں داخل ہیں کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ پیغمبرؐ یہ فرماتے کہ یہ آیات لوح محفوظ سے اُتری ہیں۔ اور اُم الکتاب کا جزو ہیں۔

کسی قدر سفسطہ کے ساتھ اس دلیل کا اطلاق اُن قوانین پر بھی ہو سکتا ہے جو زمانہ پیغمبرؐ کے لئے تو مناسب تھے لیکن اس زمانے کی ضروریات کے لئے مناسب نہیں۔ میں مثالاً ایک امر بیان کرتا ہوں کہ پیغمبر صلعم نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع (ملاحظہ ہو الروم ۳۰۔ آیت ۳۸) میں فرمایا کہ روپیہ پر ہر قسم کا سود ربٰوا ہے۔ احادیث اس کے متعلق اس قدر قوی ہیں کہ وہ متواتر خیال کی جاتی ہیں اور وہ موقع جب کہ اس کے قانون کا اعلان کیا گیا تھا (اور جو ہماری کتب قانون میں بھی درج ہے) ایسا اہم تھا کہ میری رائے میں اسے حدیث قدسی کا درجہ حاصل ہے۔ باوجود اس نیک نیت اور نیک خیال کے جو اس حکم سے ظاہر ہوتا ہے، یہ حکم خلفائے راشدین کے زمانے میں بھی مخل آسایش ثابت ہوا اور بعض پارسا لوگ مثل ابن عمرؓ کے جو اس حکم کی حقیقت اور اصلیت سے ناواقف تھے، کرایہ مکان کو بھی ناجائز خیال کرتے تھے۔ ہمارے زمانے کے لئے تو ایسا حکم بالکل ناموزون ہے۔ آپ خیال کیجیئے کہ آسایش و بہبودی عامہ کے لئے ریل کا بنانا مقصود ہے، یہ کیونکر ممکن ہے جب تک کہ سلطنت قرض نہ لے؟ اور کون ایسا ہے جو منافع میں حصّہ لئے بغیر اپنی رقم حوالہ کر دے گا؟

مثل دیگر احناف کے آپ نے بھی علم الحدیث کی قدر کو بہت گھٹا دیا ہے لیکن مجھ سے آپ پُوچھیں تو مَیں اس معاملہ میں شافعیوں کے ساتھ ہوں، اور میری رائے میں اصلاح کا صحیح راستہ یہ ہے کہ حدیث کا مطالعہ درایت کے ساتھ کیا جائے۔ آپ کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ پیغمبرؐ نے احادیث کے لکھنے کا کبھی حکم

نہیں دیا۔ یہ حکم قرآن کے متعلق ہے جو آنحضرت کی رائے میں فی صدور الناس ہونا چاہیئے۔ ابوبکرؓ اور عمرؓ نے اس حکم کی تعمیل کی اور اگرچہ الہامات ان کے حکم سے مصحف کی صورت میں جمع کئے گئے تھے، مگر انہوں نے اُن کی اشاعت سے ہمیشہ احتراز کیا۔ علم الحدیث صرف پہلی دو صدیوں میں پیدا ہوا، پیغمبر صلعم کو اس کا خیال خواب بھی کبھی نہیں آیا تھا؛ تاہم آپ نے تحصیل علم کی ہدایت کی خواہ وہ چین ہی میں کیوں نہ ہو اور نیز اپنی مثال اور ہدایات کی اتباع کے لئے ارشاد فرمایا۔ چونکہ میں نے مسلمانوں میں تاریخی واقعات (یعنے احادیث) کے لکھے جانے کے متعلق تمام مواد جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال جلد ۲۵ میں جمع کر دیا ہے۔ لہذا میں یہاں اس مضمون پر بالتفصیل بحث کرنا نہیں چاہتا۔

علم الحدیث کی صحیح طور پر قدر و منزلت کرنے کے لئے ہمیں پہلے اس بات کو صحیح طور پر سمجھنا چاہیئے کہ اخبار و آثار کی ابتدا کیونکر قائم ہوئی۔ شام، عراق اور مصر کی فتح کے بعد، تابعین کے زمانے میں، ملت اسلامی خوب پھلی پھولی اور قوت و ثروت حاصل ہوئی، اور چونکہ وہ ایک پُر جوش قوم تھی، لہذا اب اُس نے دینی فقہی اور تمدنی مسائل کو جو جدید حالات کے رو سے پیدا ہو گئے تھے حاصل کرنا شروع کیا۔ آپ نے اُس دانشمندانہ ہدایت کا بھی ذکر کیا ہے جو پیغمبر صلعم نے مُعاذ بن جبل (نہ کہ مَعاذ) کو فرمائی کہ "تم اپنی رائے کا اتباع کرو"۔ سوسائٹی کی ابتدائی حالت میں یہ بالکل روا اور موزون تھا۔ لیکن ایک عظیم الشان سلطنت کے صوبہ جات کے والیوں اور ججوں کے ہاتھ میں خود مختارانہ حکومت دے دینا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے ایک ضابطۂ قانون کی ضرورت تھی۔ ایک ایسی ریاست کے قوانین جسے ایک پیغمبر نے قائم کیا ہو اور جس میں لوگ آزاد ہوں، قوانین سُلطانیہ نہیں ہونے چاہئیں بلکہ وہ ایک ایسی شریعت

ہوں جس کی بنا سُنّت پر ہو۔ کم سے کم سُنیوں کے لئے تو یہ ضرور ہونا چاہیئے، (شیعوں کی حالت دوسری ہے، اور اسی وجہ سے وہ رافضی کہلاتے ہیں) جوں جوں مسلمان تیز رفتاری کے ساتھ ترقی کرتے جاتے تھے، نئے نئے مسائل بھی ہر روز پیدا ہوتے جاتے تھے، اور تابعین جو زمینوں پر قابض ہوتے جاتے تھے ان مسائل کے حل کرنے کے لئے صحابہ سے معلومات حاصل کرتے تھے۔ اس طور پر علم الحدیث پیدا ہوا، اور اسی کے ذریعہ سے مسلمانوں کی قوم نے ایک ضابطۂ قوانین تیار کیا جو اُس زمانے کے لئے موزون تھا۔ یہ سچ ہے کہ حدیث کے زمانے میں بڑی بڑی رزمیہ نظمیں اور ڈرامے نہیں لکھے گئے تھے اور نہ کیمسٹری میں انکشافات ہوئے تھے، تاہم اس وقت ایک ایسی علمی تحریک موجود تھی جس کی نظیر بلحاظ وسعت و مقدار کے تاریخ میں نظر نہیں آتی۔ صحابہ کی تعداد جن سے مشورہ کیا گیا دس ہزار سے زائد ہے۔ اور اُن کے بعد رجال کی تعداد بیحد وحساب ہے۔ ان اعداد پر خیال کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف صاحبان فطنت وذکا بلکہ قوم کی قوم اِن علمی مشاغل میں مصروف تھی۔ جن مسائل پر بحث کی گئی ہے وہ مختلف حیثیت اور مختلف نوع کے ہیں، بعض نظری ہیں جیسے القدر و معرفۃ، موخر الذکر کا بانی غفاری تھا، بعض ایسے ہیں جو ہمیں حقیر معلوم ہوتے ہیں مثلاً مسواک جس پر احادیث کی پوری دو جلدیں موجود ہیں۔ وہ مضمون جس پر ان کی خاص توجہ مبذول تھی فقہ تھا، اور مدینہ کے سات فقہا کے زمانے میں ہر بحث عام رائے سے تصفیہ پاتی تھی (اور حدیث کے متعلق بھی میرا یہی خیال ہے) اور یہ اکابر ایک نظام قائم کرسکتے تھے مسلمانوں کو اپنے ضابطۂ قوانین کے تیار کرنے میں جتنی دہائیاں لگیں اہل روما کو اسی کام کے لئے اُتنی صدیاں صرف کرنی پڑیں۔ ائمہ اربعہ نے اس ضابطہ کو اور کامل کیا، لیکن جہاں تک مجھے علم ہے، اُنہوں نے اپنی آراء کو ایسی قطعی

صورت میں نہیں لکھا جیسے کہ ہم المنہاج اور دوسری کُتب فقہ میں پاتے ہیں بلکہ مسندوں میں (جو احادیث کا مجموعہ ہیں) لکھا جیسا کہ موطا ہے۔ چونکہ بدقسمتی سے مجھے کسی مُسند کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا لہٰذا میں اس کے متعلق رائے دینے میں ہچکچاتا ہوں۔ تاہم ایک بات مَیں یقین کے ساتھ کہتا ہوں۔ وہ یہ کہ قاضی ابو یوسف نے اُن سوالات کے جواب میں جو ہارون الرشید نے اُن کے سامنے پیش کئے کبھی قطعی صورت اختیار نہیں کی۔ اور کبھی قیاس کو کام میں نہیں لائے۔ بلکہ اُن سوالات کے متعلقہ احادیث کو بیان کر دیا کرتے اور جہاں تک ممکن ہوتا وہ اپنے اور خلیفہ کے خیالات سے اُن کو مطابق کر دیتے۔ آپ نے یہ ٹھیک کہا ہے کہ حدیث کی پابندی لازم نہیں ہے۔ اور یہ پابندی کیونکر لازم ہو سکتی ہے جبکہ اس کی مخالف احادیث بھی پائی جاتی ہیں؟ مثلاً قدریہ اور غیر قدریہ دونو بحث میں حدیثوں کو پیش کرتے ہیں اور ہر ایک اپنے خیالات کی صحت پر اصرار کرتا ہے۔ لیکن اس سے بھی کم پابندی کُتب فقہ کی ہے، کیونکہ فقہ حدیث پر مبنی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہر حدیث کی پابندی لازم نہیں ہے۔ بلکہ سُنت کی پابندی لازم ہے، اور اگر تم سُنت کو ترک کر دیتے ہو تو تم پھر اُسی بدعنوانی اور بدنظمی میں پڑ جاؤ گے۔ جس میں قرامطہ اور وہابی پڑ گئے۔ مَیں حدیث کو اسلام کی پہلی دو صدیوں کی ایک عظیم الشان یادگار سمجھتا ہوں۔ اور یہ میرا یقین ہے کہ اصلاح کے لئے جب سعی کی جائے تو اس کی ابتدا احیاءِ علم الحدیث سے ہونی چاہیئے۔

آپ کو قرآن کے الفاظ یاد ہوں گے۔

| | |
|---|---|
| ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ تُؤْتِيْٓ أُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۭ بِإِذْنِ رَبِّهَا۔ (ابراہیم ۱۴۔ آیت ۲۹۔۳۰) | (اے پیغمبر) کیا تم نے (اس پر) خیال نہیں کیا کہ اللہ نے کلمہ طیبہ (اچھی بات) کی کیسی مثال بیان کی ہے کہ جیسے ایک پاکیزہ درخت جس کی جڑیں مضبوط اور شاخیں آسمان (اوپر کی طرف) پر اور اپنے رب کے حکم سے ہر وقت پھلتا رہتا ہے۔ (ابراہیم ۱۴۔ آیت ۲۹۔۳۰) |

آپ لوگوں کے لئے جڑ قرآن شریف ہے جیسا کہ عیسائیوں کے لئے انجیل؟ اور شاخیں اخبار و آثار ہیں اور اکل جو باذن ربہا کل حین پیدا ہوتا ہے وہ قانون او رنظام ہے جو ائمہ اربعہ نے الشجرۃ الطیبۃ سے اپنے زمانہ کے لئے اخذ کیا ہے نہ کہ آیندہ نسلوں کے لئے بھی۔ کیونکہ آپ کو یاد رکھنا چاہیئے کہ خدا نے فرمایا ہے کہ توئتی اکلہا کل حین۔ اسے یقین جانئے کہ اگر اہل ایمان اس درخت کی مع اس کی شاخوں کے پرورش کریں گے، تو اس زمانے میں بھی ہمیں ثمرہ ملے گا جیسے پہلے زمانہ میں قدما کو ملا۔ تیسری صدی ہجری کے بعد سے مسلمان علما تقلید میں دھستے چلے گئے، اور انہوں نے کتب الفقہ کو عروۃ الوثقی سمجھ لیا، وہ اپنی تمام عمریں فقہی مسائل کی موشگافیوں میں بسر کر دیتے ہیں، اور کبھی اپنی عقل سے کام نہیں لیتے۔ میں کسی ایسے مسلمان کو نہیں جانتا جس کی نسبت میں یہ کہہ سکوں۔

| | |
|---|---|
| یَجْعَلْ صَدْرَہٗ ضَیِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ | تو کر دیتا ہے اللہ اس کا سینہ تنگ اور بیحد تنگ گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے۔ |
| (الانعام ۶۔ آیت ۱۲۵) | (الانعام ۶۔ آیت ۱۲۵) |

اسلام کو کسی اصلاح کی ضرورت نہیں البتہ مسلمانوں کو تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے۔ اسلام کوئی علمائے اہل کلام کا دقیق مسئلہ نہیں ہے۔

| | |
|---|---|
| کانوا المسلمین عن دراستہ اہل الکتاب غافلین | مسلمان دانشمندئے اہل کتاب سے غافل ہیں۔ (الانعام ۶ آیت ۱۶) کی طرف اشارہ ہے۔ (اڈیٹر) |

بلکہ وہ ایک شاندار خیال ہے جس نے قرن اولی کے مسلمانوں میں ایک نئی روح پھونک دی

| | |
|---|---|
| (الاسلام نور من ربنا) فمن یرد اللہ ان یہدیہ یشرح صدرہ للاسلام | (اسلام خدا کی طرف سے ایک نور (روشنی) ہے) تو اللہ جس کو اسلام قبول کرنیکے لئے راہ پر لگاتا ہے اُس کا سینہ کھول دیتا ہے۔ |

جب یہ شان تدھم پڑگئی، اور اصل خیال میں ضعف آگیا، تو توحید بالکل دوسرے رنگ سے مدرسہ اور خانقاہ میں معرض بحث میں آئی۔ مَیں نے یہ شیخ سعدی کے الفاظ اس لئے استعمال کئے ہیں تاکہ آپ کو یاد دلاؤں کہ اس نے ان دو مذاہب کو جن میں سے ایک کو ہم تھیوسوفی یا تصوف (یعنے وحدت الوجود) کہتے ہیں اور دوسرے کو علم الکلام۔ آخری مذہب کے لفظی معنی مدرسہ کئے ہیں۔ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ مسلمان علم الکلام میں عیسائیوں سے کہیں بڑھے ہوئے ہیں۔ اور یہی حال تھیوسوفی یعنے معرفۃ میں ہے۔ اس فن کو اسپی نوزا نے سترھویں صدی میں یورپ میں زندہ کیا۔ تاہم ہمارے فلاسفہ کے خیالات کو القشیری، ابن العربی اور دیگر اہل المعرفۃ کے خیالات سے کچھ مناسبت نہیں۔ اور نہ صرف مدرسۂ دینیات (یعنے علم الکلام) میں بلکہ مدرسۂ فلسفہ میں بھی آپ لوگ ہم فرنگیوں سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اور میں نہیں جانتا کہ کوئی لاطینی کتاب اس مضمون پر حکمۃ العین کی برابری کرسکتی ہے۔ استدلالی منطق، علم المعانی وعلم البیان وغیرہ میں، اہل یونیورسٹی آکسفورڈ جہاں اب تک ان علوم کی تعلیم ہوتی ہے (جرمنی میں یہ تو حقارت سے دیکھے جاتے ہیں) آپ کے ملّاؤں سے صرف اس بات میں بڑھے ہوئے ہیں کہ اُن کی رسائی ارسطو کے اصل نسخوں تک ہے۔ آپ کے ہاں اب تک عربی صرف ونحو پڑھانے میں منطقی طریقہ استعمال کیا جاتا ہے۔ اور جہاں تک مجھے معلوم ہے، یوروپ میں لاطینی کی تعلیم میں کبھی اس حد تک استعمال نہیں کیا جاتا۔

اب مدرسۂ فلسفہ اور تمام منطقی علوم اسلام کا جزو بن گئے ہیں۔ اور بجائے اکل الشجرۃ کے نظر آتے ہیں۔ مسلمان علماء کی تین نسلیں برابر شوق سے اس اکل کو کھاتی رہیں اور اسی کی تحصیل اور قوت سے انہوں نے اثر و وقعت پیدا کی۔

ایک زمانہ ایسا تھا جب کہ یہ بہت مفید تھے، مگر اب یہ ترقی کے سدِّ راہ ہیں۔ تاکہ آپ مدرسۂ فلسفہ اور منطقی علوم کی قدر پوری طرح معلوم کر سکیں، میں آپ سے مثلاً یہ بیان کرتا ہوں کہ لوتھر اپنے ابتدائی زمانے میں اُن کا بڑا حامی تھا، لیکن بعد میں جب وہ ریفارمر (مصلح) کی حیثیت سے کھڑا ہوا تو وہ اِن علوم کو بہت بُرا بھلا کہتا تھا، اور موجودہ دجّال لیو سیزدہم[1] اپنے پادریوں کو طامس[2] اقوی نو کی مطالعہ کی ہدایت کرتا ہے۔ لیکن ہماری یونیورسٹیوں کا نصاب تعلیم پر لعنت بھیجتا ہے۔ وہ ریفارمیشن (اصلاح) جس کی بدولت ہمیں موجودہ تہذیب و تمدّن حاصل ہوا، اُس کی تکمیل کونسلوں اور پوپوں کے اُن احکام کو جو تیرہ صدیوں میں جاری ہوئے تھے بالائے طاق رکھنے اور ابتدائی کلیسا کی سادگی کی طرف واپس جانے سے ہوئی اور پھر یہ سلسلۂ تاریخ، اعلےٰ علم ادب اور علوم استقرائی کے مطالعہ سے برابر جاری رہا۔ اگر آپ اسلام کو تباہی اور ذلت سے بچانا چاہتے ہیں۔ تو آپ کو یہی راستہ اختیار کرنا چاہیئے، آپ کو بھی حدیث کے زمانے کی طرف واپس جانا چاہیئے اور وہ لوگ جو اعلےٰ تعلیم کی

[1] پوپ لیو سیزدہم ۲۰ مارچ ۱۸۱۰ء کو بمقام کارپنیسو پیدا ہوا۔ اس کا باپ نپولین اعظم کی فوج میں ملازم تھا۔ اس نے ابتدائی تعلیم وٹرلو اور روم میں پائی۔ ۳۔ مارچ ۱۸۷۸ء کو پوپ تسلیم کئے جانے کے بعد اس نے اصلاحیں شروع کیں۔ سب سے زیادہ اس کی توجہ سینٹ طامس اقوی نو کی اس تجویز پر تھی کہ دنیا کے کل رومن کیتھلک پادریوں کو سخت صوفیانہ اصول پر تعلیم دی جائے اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے اس نے روم میں ایک مدرسہ قائم کیا جو طامس اقوی نو کے نام سے موسوم تھا۔ بارہ ہزار پونڈ کے صرفہ سے سینٹ مذکور کی تصنیفات ازسرِ نو اور اعلےٰ پیمانہ پر طبع کرائیں۔ ۱۹۰۲ء میں ایڈورڈ ہفتم نے ارل ڈنبیگہ کو لیو سیزدہم کے ۹۳ ویں سالگرہ کی مبارک باد دینے کے لئے روم بھیجا۔ سنہ سال کی عمر میں لیو سیزدہم نے انتقال کیا۔

[2] طامس اقوی نو ایک شریف خاندان سے تھا اور یورپ کے اکثر شاہی خاندان سے اُسکی قرابت قریبہ تھی۔ ۱۲۲۵ء یا ۱۲۲۷ء میں ملک سیلیپس میں پیدا ہوا اور ۷ مارچ ۱۲۷۴ء کو فوت ہوا۔ علم تصوّف اور فلسفہ میں اس کی تصنیفات بڑا پایہ رکھتی ہیں۔ ۱۸۸۷ء میں پوپ لیو سیزدہم کے حکم سے اُس کی تصانیف کی ۲۸ جلدیں وینس میں طبع ہوئی ہیں۔

تمنا رکھتے ہیں انہیں علم اللسان، علم ادب، تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہیئے اور پھر علوم نظری اور خاص کر نیچرل فلاسفی کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ عربی زبان میں تاریخ پر ایک نہایت عمدہ کتاب ہے (یعنے مقدمہ ابن خلدون اور اُس کی تاریخ) جو ہندوستان میں رائج کرنی چاہیئے۔ یہ کتاب قاہرہ میں طبع ہوئی تھی، اور مقدمہ پیرس میں ۱۸۵۸ء میں شائع ہوا۔ علم اللسان کے متعلق آپ کو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ شرح ملا جیسی کتابوں کے مطالعہ سے طالب علم کو عربی زبان میں کچھ زیادہ دستگاہ حاصل نہیں ہوتی، یہ صرف قال اقول کی مشق ہے۔ مولوی مملوک علی، جو شرح ملا کے بڑے مداح تھے، کہتے تھے کہ ہدایۃ النحو میں عربی نحو کے تمام قواعد موجود ہیں، اور شرح ملا اس لحاظ سے فضول ہے۔ یہی حال الضوء، الرضی اور ابن عقیل وغیرہ کا ہے۔

جب مجھے مدرسہ کی اصلاح کے لئے کلکتہ طلب کیا گیا تو میں نے مذکورہ بالا خیالات کے عمل میں لانے کی حتے الوسع کوشش کی۔ میں نے نیچرل فلاسفی کے رائج کرنے کی کوشش کی۔ کونسل آف ایجوکیشن سے تفسیر (میرا ارادہ بیضاوی کے داخل کرنے کا تھا) اور حدیث کو داخل نصاب کرنے اور فارسی تعلیم کے معیار کو اعلیٰ کرنے کی اجازت لی، کیونکہ فارسی کا شستہ علم ادب بھی ہندوستان کے مسلمانوں کا علم ادب ہے۔ صرف و نحو کے متعلق میرا یہ ارادہ تھا کہ ہدایۃ النحو کا ایک نیا اڈیشن تیار کروں جس میں قرآن و حدیث اور شعراء جاہلیت کے کلام سے بکثرت امثلہ ہوں اور نیز اس میں ایسا ضروری اضافہ کر دیا جائے کہ شرح ملا کی ضرورت باقی نہ رہے۔ بعض وجوہ سے جن کا بیان نہ صرف باعث طوالت ہوگا بلکہ مجھے بحث سے دور لے جائے گا، ہم فرنگیوں کی یہ رائے ہے کہ شستہ ذوقِ ادب پیدا کرنے کے لئے طلبہ کے واسطے قدیم علم ادب کا مطالعہ ضروری بلکہ لازمی ہے۔ آپ لوگوں کے لئے عربی زبان بجائے لاطینی اور یونانی کے ہے۔ میں نے بڑی احتیاط اور

کوشش سے دلی میں طلبہ کے لئے الحماسہ ابوتمام کا ایک نہایت عمدہ اڈیشن
طبع کرایا۔ اور اساتذہ کے لئے میں نے جرمنی سے اس کی شرح منگوائی جو وہاں
۱۸۲۸ء میں بمقام بن طبع ہوئی تھی۔ جب میں نے نیچرل فلاسفی پر لکچر شروع کئے
تو آپ کے بھائیوں نے میری بڑی مخالفت کی۔ اور بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ اُنہوں
نے مسٹر ہیڈن کو بھی اپنی طرف کر لیا تھا۔ مدرسہ عالیہ کلکتہ کے پروفیسروں نے
بھی ایک فتوے لکھا جس میں یہ درج تھا کہ ہمارے فلسفہ پر حملہ کرنا ہمارے مذہب
پر حملہ کرنا ہے۔ میں نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا اور اُن کی درسی کتاب
المیبذی کے باب فی الملائکۃ وھی العقول المجردۃ کا حوالہ دے کر
پوچھا کہ آیا یہ نظریہ کہ افلاک اور فرشتے ایک ہیں قرآن کے مطابق ہے۔ میں نے
یہ بھی کہا کہ تمام الحکمۃ الطبیعۃ نیز فلکیات، اُن مشاہدات کے رو سے
جن پر ہمارے جہازرانی اور علوم وفنون کی ترقی کا دارومدار ہے، غلط ثابت
ہوگئی ہیں۔ اُن کا جواب یہ تھا کہ ہم جانتے ہیں کہ ہم اپنے فلسفہ کی تعلیم سے کوئی
مادی فائدہ حاصل نہیں کرتے، بلکہ اس سے طالب علم کے دماغ کو دقائق
علم الفقہ کے لئے تیار اور قابل بنانا مقصود ہے۔ اب اگر آپ مدارس کے نصاب
درسیہ کو غور سے ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ طلبہ جو کچھ پڑھتے ہیں وہ صرف
اس غرض سے ہے کہ اُن کا دماغ دقیق اور قیاسی مسائل کے حل کرنے کے
قابل ہو جائے۔ اس سے ہرگز یہ مقصود نہیں کہ کوئی مادی علم حاصل ہو۔ آپ
خیال کیجئے کہ شرح ملا، القطبی، مختصر معانی، اور نیز جامع الرموز،
کنز الدقائق جن کے ناموں سے مصنفین کا مقصد ظاہر ہے صرف اس لئے
ہیں کہ طالب علموں کے سامنے معمے اور چیستانین پیش کی جائیں۔ اور یہ سب
کچھ اس مذہب کے نام سے کیا جاتا ہے جس کی تلقین النبی الامی نے کی تھی۔

اس امر کے معلوم کرنے کے لئے زیادہ غور کی ضرورت نہیں کہ عالم اسلامی میں جس قدر خرابیاں ہیں وہ سب اعلےٰ تعلیم کے بے ڈھنگے طریقہ کی وجہ سے ہیں مسلمان علما کو بہت سخت محنت کرنی چاہیئے، اور لازم ہے کہ وہ تقریباً ساری عمر اس میں صرف کردیں کہ وہ امتیاز و وقعت حاصل کریں کیونکہ دنیا میں بمقابلہ کسی اَور کے وہ زیادہ تر ملح الارض ہیں۔ عام لوگ انہیں کی ہدایت پر چلتے ہیں۔ آپ کی نظر سے غالباً یہ بات نہ چوکی ہوگی کہ مسلمان، خواہ عرب ہوں یا تُرک، کُرد ہوں یا ایرانی، خواہ شمال میں ہوں یا منطقہ حارّہ میں، سب کے دل ودماغ ایک ہی سے ہیں اور سب کا نقشہ ایک ہی سا ہے۔ یہ نقش اس سلسلہ تعلیم کا ہے جو انہیں دی جاتی ہے۔ میں اُن خرابیوں کے مزید ذکر سے جو مسلمانوں کی قوم سے مخصوص ہیں آپ کے دل کو صدمہ نہیں پہنچانا چاہتا۔ لیکن میں اس امر کے دُہرانے سے باز نہیں رہ سکتا کہ اگر ان خرابیوں کو رفع نہ کیا گیا تو ممکن ہے کہ وہ وقت آجائے جب اُن کی نسبت

| ضربت علیہم الذلۃ | اُن (یہود) پر ذلّت ڈالی گئی ہے۔ |
|---|---|
| آل عمران ۳۔ آیت ۱۰۸۔ | آل عمران ۳۔ آیت ۱۰۸۔ |

کہنا پڑے۔ برخلاف اُن لوگوں کے جنہوں نے اس مضمون پر غور کیا اور تحریریں شائع کیں۔ میری رائے یہ ہے کہ اس میں اسلام کا کچھ قصور نہیں ہے بلکہ صوفیا کی اصطلاح میں یہ کہنا چاہیئے کہ الرین الذی غلب علے الاسلام اور اس غین و رین کو رفع کرنا چاہیئے۔ اسلام میں ابھی اس قدر قوت ہے کہ وہ ایک صدی سے زیادہ اور زندہ رہے۔ آپ کے علما (اس سے مراد میری وہ لوگ ہیں جو پہلے فقہا کہلاتے تھے اور اب ٹرکی میں انہیں علما، اور ایران میں مُلّا، اور جو ہندوستان میں پہلے مولوی کہلاتے تھے)، بہت تنگ خیال

ہیں، اگرچہ منطق اور نظری قیاسات میں قوی ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ وہ بین وغیرہ اسکاچ فلاسفروں کی تصانیف کو جو ہندوستان کے گورنمنٹ کالجوں میں پڑھائی جاتی ہیں، حقارت سے دیکھتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر کانٹ کی کتاب "کرٹک در ریزن ور نونت" یعنے اس کی وہ تصنیف جس میں ہماری قوائے عقلیہ کے حدود کو ظاہر کیا گیا ہے، اور یہ بتایا گیا ہے کہ مافوق العادۃ اشیاء ہماری رسائی سے باہر ہیں، عربی زبان میں ترجمہ کی جاتی، تو اُسے آپ کے علماء بہت پسند کرتے اور اصلاح کی داغ بیل پڑ جاتی، بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ مدرسۂ فلسفہ کی تہافت کی راہ نکل آتی۔ ہندوؤں کو جو مسلمانوں پر یہ فضیلت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اُنہوں نے زیادہ مستعدی کے ساتھ فرنگیوں کے طریقۂ خیال کو اختیار کر لیا ہے انگریزی مدرسوں سے جو اُن کے بچوّں کی تعلیم کے لئے قائم کئے گئے فائدہ اُٹھایا ہے۔ وہ مذہب برہمنی کے قیود سے آزاد ہونے، ذاتی اور معاشرتی عادات ورسوم میں از سرِ نو تغیرّ پیدا کرنے، اپنا ایک نیا علم ادب بنانے، اور مختصر یہ ہے کہ حالات کی مناسبت سے اپنے قدیم تمدن پر ایک جدید تمدن کی بنیاد قائم کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اکثر اقوام یورپ، اور تیوتانک اقوام کا تمدن اسی طرح پیدا ہوا اس کے عناصر انہیں اہل روما سے ملے، پھر وہ عیسائی مذہب میں تبدیل ہوگئے، اور اس کے بعد اپنے طور پر بڑھے اور پھولے پھلے۔ گورنمنٹ ٹرکی اور مصر نے اس کا تجربہ کیا، نوجوان مسلمان تعلیم کے لئے یورپ میں بھیجے گئے، انجنیرنگ اور ڈاکٹری وغیرہ کے مدارس قاہرہ اور قسطنطنیہ میں قائم کئے گئے، اور ایک حد تک فرانسیسی عادات ورسوم کو بھی رواج دیا گیا لیکن ان سب کوششوں کا سوائے اس کے اَور کچھ نتیجہ نہ ہوا کہ اس سے اسلامی تمدن اور اسلامی قوت میں اور انحطاط و تنزل پیدا ہو گیا اسی طرح ہندوستان میں بھی اگرچہ چند مسلمان

انگریزی اور جدید علوم کی تعلیم پاتے ہیں، تو اس سے عام طور پر مسلمانوں کو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ وجہ ظاہر ہے۔ مذہب کا آپ لوگوں پر بہ نسبت ہندوؤں کے زیادہ قبضہ ہے، اور جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں، مسلمان کے خصائص و خصائل کو بھی اسلام ہی بناتا ہے۔ ایک تعلیم یافتہ ہندو طبعی طور سے متشکک ہوتا ہے۔ لیکن مسلمانوں میں متشککین عموماً ملحدین ہوتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ پہلے اپنے اصول کو ترک کرتے ہیں اور پھر مذہب سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ چیزیں ان کے الحاد یعنی شہوات نفسانی میں سدّ راہ ہوتی ہیں۔

آپ لوگ تنہا اپنی کوشش سے (میرا مطلب مسلمانان ہند سے ہے) ان اصلاحات کو کبھی جاری نہیں کر سکتے جو میں نے تجویز کی ہیں، اور جو میری رائے ہیں۔ اور میرے ایک دوست کی رائے میں جسے اسلام اور اسلامی تاریخ سے اس قدر واقفیت ہے کہ دنیا میں کسی زندہ شخص کو اس قدر واقفیت نہ ہو گی، دنیائے اسلام میں نئی رُوح پیدا کرنے کے لئے صرف یہی ایک ذریعہ ہیں۔ یہ برٹش گورنمنٹ کا فرض تھا اور اس میں اُس کا فائدہ بھی تھا کہ وہ ہندوستان کے مسلمانوں میں ایک صحیح اور مستقل تعلیمی پالیسی کا رواج دیتی (اور اب مصر میں)۔ مگر موجودہ پالیسی نہایت تنگ خیالی پر مبنی ہے اور اغلباً اس کا وہی نتیجہ ہو گا جو آئرلینڈ میں ہوا۔ آئرلینڈ کے رومن کیتھلک پادری ایسے ہی جاہل اور ایسے ہی متعصب ہیں جیسے آپ کے خواندہ کاران اور آپ کے اونچے درجے کے مولوی۔ عوام کے رہنما پادری ہوتے ہیں اور وہ انہیں جہالت اور تعصب میں مبتلا رکھتے ہیں۔ یہی حال عوام کا تمام اسلامی ممالک میں ہے۔ سرغناؤں نے حالات سے فائدہ اُٹھایا، اور اُنہیں حق کے خیالات اور قیاسات کے متعلق جو آج کل یورپ میں وبا کی طرح پھیلے ہوئے ہیں تلقین کی، اور اُن میں ایسا اشتعال اور جوش پیدا

کیا کہ وہ قتل و غارتگری اور اُن شیطانی افعال کے مرتکب ہوئے جن کا ذکر ہم روزانہ اخبارات میں پڑھتے ہیں۔ آپ یقین جانیں کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے سرغنہ دیر سویر انہیں مدارس سے نکلیں گے جو گورنمنٹ کی سرپرستی میں ہیں[1]۔ دوربین اور عالی دماغ سر رابرٹ پیل سمجھ گیا تھا کہ اس خرابی کا علاج کیونکر کرنا چاہیئے اور اسکی خواہش تھی کہ آئرلینڈ کے رومن کیتھلک پادریوں کی تعلیم کے لئے ایک کالج قائم کیا جائے۔ اُسے کامیابی نہ ہوئی اور کامیابی ہو بھی نہیں سکتی تھی کیونکہ ایسے کالج کے طالب علم کو پوپ کبھی اپنے حلقہ میں داخل نہ کرتا۔ اب کوئی اُمید نہیں ہے کہ کسی اسلامی ملک میں سر رابرٹ پیل سا کوئی شخص اُٹھے اور تعلیمی پالیسی کی اصلاح اور آنے والے فتنہ کا انسداد کرے[2]۔

[1] ڈاکٹر اسپرنگر کی یہ پیشین گوئی پوری تو ہوئی، لیکن مسلمانوں کے متعلق نہیں بلکہ اس قوم کے متعلق جس نے انگریزی مدارس سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا تھا۔ مسلمانوں کا اس فتنے میں شریک ہو جانا بالکل قرین قیاس تھا، اگر ایک ایسا دوربین اور عالی دماغ شخص اُن میں نہ ہوتا جس کی طرف سے ڈاکٹر صاحب ممدوح نے مایوسی ظاہر فرمائی ہے۔ سرسید نے خلاف امید ڈاکٹر صاحب مرحوم کے مسلمانوں کی تعلیمی پالیسی کی اصلاح اور آنے والے فتنے کے انسداد کے متعلق ایسی بےنظیر کوشش کی ہے کہ مسلمانانِ ہند ہمیشہ اُن کے مرہونِ احسان رہیں گے اور اب اس پالیسی کی تکمیل اُن لوگوں کے ذمہ ہے جو اُن کے جانشین اور قوم کے سردار ہیں۔ (مترجم)

[2] اسپرنگر آلاش ۳ ستمبر ۱۸۱۳ء کو ٹایرول میں پیدا ہوا۔ انسبرگ۔ وئینا اور پیرس (فرانس) میں طب اور السنہ مشرقیہ کی تعلیم پائی۔ ۱۸۴۰ء میں یونیورسٹی لیڈن سے۔ ایم۔ ڈی۔ یعنی "ڈاکٹر آف مڈیسن" کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۸۴۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت میں بحیثیت ڈاکٹر ہندوستان آیا۔ ۱۸۴۵ء میں محمڈن کالج دہلی کا پرنسپل ہوا۔ ۱۸۴۸ء سے ۱۸۵۰ء تک لکھنؤ میں اسسٹنٹ ریذیڈنٹ رہا۔ ۱۸۵۰ء سے ۱۸۵۴ء تک کلکتہ کے مدرسہ عالیہ کی پرنسپلی اور سرکاری خدمات ترجمہ فارسی کو انجام دیا اور ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کا سکریٹری رہا۔ ۱۸۵۶ء میں یورپ واپس گیا اور برن (سوئٹزرلینڈ) میں السنہ مشرقیہ کا پروفیسر رہا۔ ہیڈل برگ میں سکونت اختیار کی اور وہیں ۱۹ دسمبر ۱۸۹۳ء کو بعمر ۸۰ سال ۳ ماہ ۲۲ یوم انتقال کیا۔ اسپرنگر نے حسب ذیل کتب تصنیف کیں:

انگریزی ہندوستانی قواعد۔ انتخابات از مصنفین عرب۔ تاریخ محمود غزنوی۔ سوانح عمری آنحضرت صلعم (بزبان جرمنی) از اصل کتاب عربی۔ جغرافیہ عرب قدیم۔ کتب خانہ شاہ اودھ کے قلمی نسخہ جات کی ایک فہرست تیار کی۔ ایک بار گلستاں طبع کرائی۔ ۲۵۔ السنہ اور مشرقی علم ادب سے بخوبی واقف تھا۔ دہلی سے ہندوستانی زبان میں ایک ہفتہ واری اخبار نکالا جو ہندوستان میں سب سے پہلا پرچہ دیسی زبان میں تھا۔

ڈاکٹر صاحب موصوف کو مسلمانوں اور مسلمانوں کے علوم و فنون و کتب سے خاص طور پر دلچسپی تھی۔ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل میں سینکڑوں مضمون مسلمانوں کی تاریخ کے متعلق لکھے ہیں۔ عربی فارسی کے بہت سی کارآمد و مفید کتب طبع کرائی ہیں جن میں سے الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ تصنیف علامہ ابن حجر عسقلانی ۱۸۵۶ء اور کتاب کشاف اصطلاحات فنون تالیف محمد علی تھانہ بھونی خاص طور پر قابل ذکر ہے جو ۱۸۶۲ء میں طبع ہوئی اور بزمانہ قیام لکھنؤ جناب مولانا علامہ السید حامد حسین صاحب قبلہ مرحوم و مغفور سے نہایت محبت سے پیش آیا کرتے تھے اور اُن کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے اور بزمانہ قیام کلکتہ ہمیشہ علامۂ ممدوح سے خط و کتابت رہتی تھی اور طرفین سے کتب نایاب کے نقول آتے جاتے رہتے تھے اور اکثر اوقات ڈاکٹر صاحب موصوف اشعار عربی زمانۂ جاہلیت کے جناب مولانا ممدوح کے پاس بغرض حل و شرح بھیجا کرتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کا خط نسخ عربی بہت شیریں تھا۔ اگرچہ ڈاکٹر صاحب مرگئے ہیں مگر اُن کے اعلےٰ کارنامے اُن کے نام کو ہمیشہ زندہ رکھیں گے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# حصّہ دوم

## تمدّنی اصلاحیں

بقول میکال اسلام کے تین لاعلاج عیب

۹۱- یہ ظاہر کرنے کے بعد کہ ریورنڈ مسٹر میکال کے وہ دلائل جن پر اُس نے اپنے اس قول کی بنیاد رکھی ہے کہ اسلامی سلطنتوں میں جدید اصلاحوں کا رواج دینا ناممکن ہے بالکل بے بنیاد اور لغو ہیں۔ اب میں اُن کے ان دلائل کو پرکھنا چاہتا ہوں جن کی وجہ سے وہ موجودہ اہل اسلام میں کسی اصلاح یا ترقی کے رواج پانے سے بالکل مایوس ہیں۔ اور اس امر کے ثابت کرنے کی کوشش کروں گا کہ اگر وہ قرآن کی پاک تعلیم کی طرف توجہ فرماتے جس سے وہ بالکل ناواقف معلوم ہوتے ہیں تو مجھے اس تردید کی ضرورت نہ پڑتی +

پادری صاحب نے اندھا دھند یہ رائے ظاہر فرمائی ہے :-

"علاوہ اس برتاؤ کے جو اسلام میں غیر مسلم رعایا کے ساتھ روا رکھا گیا ہے۔ اسلام میں تین ایسے "لاعلاج عیب موجود ہیں جو اس مذہب کا جزو لا یتجزّیٰ ہو گئے ہیں۔ اور ہر قسم کی اصلاح و ترقی کے مانع ہیں۔ اور وہ یہ ہیں :-

"**اوّل**- عورتوں کی ذلت اور غلامی کا رواج +

"**دوم**- انسانی عقل کو چھٹی صدی کے ایک ناقابل و نا تربیت یافتہ بدّو کے علم کے تنگ دائرہ میں محدود کر دینا +

"**سوم**- اور مرتد کی سزائے موت[1] +

---

[1] کن ٹم پوریری ریویو بابت ماہ اگست ۱۸۸۱ء صفحہ ۲۷۸ +

**نوٹ**- مرتد کی سزائے موت پر حصّہ اوّل میں بحث ہو چکی ہے + عبد اللہ

اب میں (بقول ریورنڈ موصوف) مذہب اسلام کے ان تین لاعلاج عیوب پر نظر ڈالونگا

# عورتوں کی حالت

اسلام سے پہلے اہل عرب میں عورتوں کی بُری حالت

۹۲- آنحضرت صلعم کی تعلیم سے عورتوں کی حالت اس درجہ بہتر ہوگئی کہ آپ سے قبل کے تمام مصلحین اور انبیاء کی تعلیم سے یہ توقع نہیں ہوسکتی تھی۔ آنحضرتؐ کی تمدنی اصلاحوں سے پہلے تمام ملک عرب میں کثرت ازدواج کی کوئی حد نہ تھی۔ طلاق کا کوئی اصول نہ تھا۔ اور اس کے ساتھ لونڈیوں کے رکھنے کا نہایت مکروہ طریقہ الگ رائج تھا بعض قبائل میں یہ ناپاک ظالمانہ ووحشیانہ رسم جاری تھی کہ وہ اپنی شیرخوار لڑکیوں کو اس لئے قتل کرڈالتے تھے کہ اُنہیں سُسرے بننے کی ذلت نہ سہنی پڑے اور جو بدنصیب لڑکیاں ان کی خونخواری سے بچ جاتی تھیں وہ اپنے باپوں کے مرنے کے بعد وراثت سے محروم رہتی تھیں۔ بعض قبائل ایسے تھے جن میں یہ دستور تھا کہ باپ کے مرنے کے بعد بیٹا باپ کی بیوہ (سوتیلی ماں) سے شادی کرلیتا تھا۔ نیز دو بہنوں سے ایک ساتھ عقد کرسکتا تھا۔ متوفی باپ کی بیبیاں بیٹے کی نظروں میں ایسی ہی تھیں جیسی اَور بے جان اشیا ان کے دلوں میں عورتوں کی کچھ مطلق وقعت نہ تھی۔ بات چیت میں بھی کسی قسم کی تعظیم کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ اور بعض جو نہایت وحشی تھے وہ عفیف اور پاکدامن عورتوں کی نسبت فحش اور ناپاک کلمات استعمال کرتے تھے۔ خود عورتوں کے عادات واطوار اور اُن کا لباس قابل اصلاح تھا۔ جو یتیم لڑکیاں جوان ہوتی تھیں اُن کے ولی ان میں سے کئی کئی سے شادی کرلیتے تھے تاکہ اُن کا مال ہضم کرلیں۔ اور آخر میں اُن کو بے یارومددگار مصیبت کی حالت میں چھوڑ دیتے تھے۔ قرآن مجید کی تعلیم نے رفتہ رفتہ اُن کی ذلیل حالت کو سُدھارنا شروع کیا۔ سب سے اول تو کثرت ازدواج کو چار تک محدود کیا۔ یہ اجازت بھی اس شرط کے ساتھ ہے کہ شوہر کو پورا یقین ہو کہ ان سب کے

ساتھ عدل کا برتاؤ کرے گا- اور پھر اس امر کا اظہار کر دیا کہ ایک سے زیادہ بیبیوں کے ساتھ عدل کرنا ناممکن ہے- اگرچہ مرد ایسا کرنے پر آمادگی ظاہر کریں اور اس طرح درحقیقت کثرت ازدواج کو موقوف کر دیا +

آنحضرت صلعم نے عورتوں کی حالت کو ترقی دی

۹۲- جدید قانون متعلقہ زن وشو کی وجہ سے جس کی پیغمبر خدا نے اپنے پیرووں کو تلقین کی اور بعض دانشمندانہ- عادلانہ اور سخت قیود سے آپ نے طلاق کی سہولت کو بھی رفع کیا- یہ قیود بہت ہی معقول ہیں- اور ان میں طرفین کے فائدے کو مدنظر رکھا گیا ہے- قرآن میں اہل عرب کو نصیحت اور تاکید کی گئی ہے کہ وہ اپنی بیبیوں کے بارے میں خراب رسوم کو ترک کر دیں- آنحضرت صلعم نے غلامی[1] کو موقوف کر کے لونڈیوں کے رکھنے کے رواج کو بھی موقوف کیا اور اس وقت جو عورتیں غلامی کی حالت میں تھیں اُن سے عقد کر لینے کی تاکید کی ورنہ وہ لونڈیاں بنا کر رکھی جاتیں[2]- شیر خوار لڑکیوں کے ہلاک کرنے کے خلاف نہایت سخت اور شدید احکام ہیں- اور اس جُرم کے ارتکاب کرنے والوں کو ڈرایا گیا ہے کہ عقبےٰ میں اس کا بڑا عذاب[3] ہو گا- اس طرح عرب اور دیگر اسلامی ممالک سے دختر کشی کی رسم بالکل اُٹھ گئی- سب سے اول قرآن میں قانون وراثت ایسا قائم کیا گیا کہ اس میں عرب[4] کی عورتوں کے حقوق کا بھی لحاظ رکھا گیا- باپ کے مرنے کے بعد[5] سوتیلی ماؤں سے اور وقت واحد میں دو بہنوں سے عقد کرنے کی سختی کے ساتھ ممانعت کی گئی اور اُنہیں سنگین[6] جرائم میں شمار کیا گیا ہے اور یہ ہدایت کی گئی کہ بیواؤں کے ساتھ[8] مثل املاک وجایداد کے برتاؤ نہ کرو +

مردوں کو تاکید کی گئی ہے کہ عورتوں سے[9] عزت کے ساتھ پیش آئیں اور اُن سے بات چیت کرنے میں ادب ملحوظ رکھیں- پھر آنحضرت صلعم نے عورتوں پر بُہتان باندھنے کے

---

[1] محمد ۴۷ آیت ۵ [2] النساء آیت ۲۹- المعارج ۷۰ آیت ۲۹ و ۳۰- المومنون ۲۳ آیت ۵ و ۶ [3] الانعام ۶ آیت ۱۵۲- بنی اسرائیل ۱۷ آیت ۳۳- التکویر ۸۱ آیت ۸ و ۹ [4] النساء ۴ آیت ۸ [5] النساء ۴ آیت ۲۶ [6] النساء ۴ آیت ۲۷ [8] النساء ۴ آیت ۲۳ [9] النساء ۴ آیت ۲۲ +

مسئلہ کی طرف توجہ فرمائی اور جو لوگ پاکدامن اور نیک عورتوں کے خلاف اتہام لگاتے تھے اُن کے لئے جسمانی سزا مقرر کی[1]۔ نیز عورتوں کے اطوار[2] و عادات اور لباس میں بھی اصلاحیں فرمائیں۔ جو لوگ کم سن یتیم لڑکیوں کے ولی تھے اُنہیں ممانعت کردی گئی۔ کہ اُن[3] سے شادی نہ کریں[4]۔

عورتیں جو اُس وقت ذلّت و خواری کی حالت میں تھیں اُن کے لئے یہ مفید تدابیر بیشما فوائد سے ملو تھیں اور ان نئی اصلاحوں کی بدولت اُنہیں اس ذلّت و خواری اور مصیبت سے نجات ہوگئی جو اب تک مردوں کے ہاتھوں سے اُنہیں سہنی پڑتی تھیں۔

اس مسئلہ کے متعلق قرآن مجید کے مفید احکام

۹۴۔ اس مسئلہ کے متعلق قرآن مجید میں جو آیات وارد ہوئی ہیں وہ ذیل میں لکھی جاتی ہیں:-

| | |
|---|---|
| ۱۔ یا ایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالاً کثیرا ونساءً، واتقوا اللہ الذی[5] تساءلون بہ والارحام ان اللہ کان علیکم رقیبا ۵ (النسا ۴ آیت ۱) | ۱۔ لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو تن واحد (آدم) سے اور اس سے اُس کے جوڑے (حوّا) کو پیدا کیا اور اُن دو سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو پھیلایا اور آپس میں تم جس خدا کا واسطہ دیتے ہو اُس سے ڈرو اور ارحام کا اعزاز و لحاظ کرو۔ |
| ۲۔ وان خفتم الّا تقسطوا فی الیتٰمٰی فانکحوا ما طاب لکم | ۲۔ اور اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں کے حق میں تم انصاف نہ کروگے تو اپنی مرضی کے مطابق دو دو تین تین |

[1] النور ۲۴ آیت ۴ و ۶ و ۲۳ [2] الاحزاب ۳۳ آیت ۵۹۔ النور ۲۴ آیت ۳۱ [3] النسا ۴ آیت ۳ و ۱۲۶ [4] یتیم لڑکیوں کا مال ہضم کرنے کی نیت سے اولیا کو ان کے ساتھ نکاح کرنے کی ممانعت کی گئی۔ ملاحظہ ہو سورۂ نسا ۴ آیت ۳۔ مگر جو ولی محض نیک نیتی سے یتیم لڑکی کے ساتھ عقد کرے تو مضایقہ نہیں۔ النسا ۴ آیت ۱۱ [5] مصنف نے انگریزی ترجموں سے لفظ "ارحام" کا ترجمہ "عورتیں جنہوں نے تم کو اپنے پیٹ سے پیدا کیا" لکھا ہے ارحام کے لغوی معنی قریب رشتہ دار ہیں اور اصطلاح فقہ میں ان رشتہ دار مردوں اور عورتوں کو کہتے ہیں جو ماں کی طرف کے ہوں۔ مگر لغت میں لفظ ارحام و اولو الارحام ماں اور باپ کی طرف کے مرد و عورت رشتہ داروں کے لئے عام ہے۔

کتب تفاسیر میں اس آیت کا یہ مطلب لکھا ہے کہ قریبی رشتہ داروں کے حقوق کا لحاظ رکھو اور اُنکی عظمت کرو اور قطع رحم سے ڈرو۔ ملاحظہ ہو ترجمہ قرآن از وہیری میکسمر وغیرہ و البیان تفسیر القرآن و تفسیر کبیر امام رازی و قاضی بیضاوی۔ لغت لسان العرب و تاج العروس۔

من النساء مثنیٰ وثلٰث وربٰع فان خفتم الا تعدلوا فواحدة او ما ملکت ایمانکم ذٰلک ادنیٰ الا تعولوا وآتوا النساء صدقٰتهن نحلة فان طبن لکم عن شیء منه نفسا فکلوه هنیٓئا مریٓئا (النساء ۴ آیۃ ۳)

اور چار چار عورتوں سے نکاح کرو لیکن اگر تم ڈرو کہ (متعدد بیبیوں میں) برابری نہ رکھو گے تو بس ایک ہی یا جو لونڈیاں تمہارے قبضہ میں ہوں (انہی پر قناعت کرو) اس طرح ناانصافی سے بچنے کے قریب تر ہو گے۔ اور عورتوں کو اُن کے مہر خوشی سے دیدو۔ پھر اگر وہ اپنی خوشی سے تم کو کچھ چھوڑیں تو اُسے کھاؤ پیو۔ نوش جان (النساء ۴ آیت ۳)

۸۔ للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والاقربون مما قل منه او کثر نصیبا مفروضا (النساء ۴ آیت ۸)

۸۔ ماں باپ اور رشتہ داروں کے ترکے میں تھوڑا ہو یا بہت مردوں کا حصہ ہے اور ایسا ہی ماں باپ اور رشتہ داروں کے ترکے میں تھوڑا ہو یا بہت عورتوں کا بھی حصہ ہے اور یہ حصہ ہمارا ٹھیرایا ہوا ہے (النساء ۴ آیت ۸) +

۲۳۔ یا ایها الذین آمنوا لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرها ولا تعضلوهن لتذهبوا ببعض ما آتیتموهن الا ان یأتین بفاحشة مبینة وعاشروهن بالمعروف فان کرهتموهن فعسیٰ ان تکرهوا شیئا ویجعل الله فیه خیرا کثیرا ۝ (النساء ۴ آیت ۲۳)

۲۳۔ اے مسلمانو! تم کو روا نہیں کہ زبردستی عورتوں کے وارث بنو اور اُن کو اس لئے بند نہ رکھو کہ جو تم نے اُنکو دیا ہے اس میں سے کچھ چھین لو۔ ہاں اُن سے کوئی کھلی ہوئی بدکاری سرزد ہو (تو بند رکھنے کا مضایقہ نہیں)۔ اور بیبیوں کے ساتھ حُسن سلوک سے رہو سہو۔ اور اگر تم کو بی بی ناپسند ہو تو عجب نہیں کہ تم کو ایک چیز ناپسند ہو اور اللہ اُسی میں بہت سی خیر و برکت دے۔ (النساء ۴ آیت ۲۳)

۲۴۔ وان اردتم استبدال زوج مکان زوج وآتیتم احدٰهن

۲۴۔ اور اگر تمہارا ارادہ ایک بی بی کو بدلکر اُس کی جگہ دوسری بی بی کرنے کا ہو تو اگرچہ تم نے پہلی بی بی کو ڈھیر سارا

قنطارا فلا تأخذوا منه شيئاً
أتأخذونه بهتاناً و اثماً
مبيناً (النساء ۴ آیت ۲۴)

مال دیدیا ہو مگر اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو۔ کیا کسی
قسم کا بہتان لگا کر اور صریح گنہگار بن کر اپنا دیا ہوا اس سے
واپس لینا چاہتے ہو (النساء ۴ آیت ۲۴)

۲۵- وکیف تأخذونه و قد
افضی بعضکم الی بعض واخذن
منکم میثاقا غلیظاً ٥ (النساء ۴ آیت ۲۵)

۲۵- اور اس (اپنے دئے ہوئے) کو کیونکر واپس لے لوگے۔
حالانکہ تم ایک دوسرے تک پہنچ چکے ہو اور ان عورتوں
نے تم سے پکا قول لے لیا ہے (النساء ۴ آیت ۲۵)

۲۶- ولا تنکحوا ما نکح آباؤکم
من النساء الا ما قد سلف
انه کان فاحشة و مقتا و ساء
سبیلاً (النساء ۴ آیت ۲۶)

۲۶- اور جن عورتوں کے ساتھ تمہارے باپ نے نکاح
کیا ہو ان کے ساتھ نکاح نہ کرو مگر جو ہو چکا سو ہو چکا بیشک
یہ بڑی بے حیائی اور غضب کی بات تھی اور بہت برا
دستور تھا۔ (النساء ۴ آیت ۲۶)

۲۹- ومن لم یستطع منکم
طولاً ان ینکح المحصنات
المؤمنات فمن ما ملکت ایمانکم
من فتیاتکم المؤمنات والله اعلم
بایمانکم بعضکم من بعض فانکحوهن
باذن اهلهن و آتوهن
اجورهن بالمعروف محصنات
غیر مسافحات ولا متخذات
اخدان (النساء ۴ آیت ۲۹)

۲۹- اور تم میں سے جس کو آزاد مسلمان بیبیوں سے
نکاح کرنے کا مقدور نہ ہو تو مسلمان لونڈیاں جو تمہاری
ملکیت میں ہوں خیر ان ہی سے (نکاح کرلو) اور اللہ
تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے۔ تم سب ایک ہی
ہو پس لونڈیوں کے مالکوں کی اجازت سے ان کے
ساتھ نکاح کرلو اور دستور کے مطابق ان کے مہر
ان کے حوالے کرو مگر (شرط یہ ہے کہ) وہ لونڈیاں
پاک دامن ہوں نہ تو علانیہ بدکار ہوں اور نہ پوشیدہ
(النساء ۴ آیت ۲۹)

۳۸- الرجال قوامون علی
النساء بما فضل الله بعضهم علی

۳۸- مرد عورتوں کے سرپرست ہیں اس سبب سے کہ اللہ
نے بعض کو بعض پر برتری دی ہے اور اس سبب سے

بعض وبما انفقوا من اموالھم
فالصالحات قانتات حافظات
للغیب بما حفظ اللہ و اللاتی
تخافون نشوزھن فعظوھن
واھجروھن فی المضاجع و
اضربوھن فان اطعنکم فلا
تبغوا علیھن سبیلاً ان اللہ
کان علیاً کبیراً ٥ (النساء ۴ آیت ۳۸)

بھی کہ انھوں نے اپنا مال (ان عورتوں پر) خرچ کیا ہے۔ پس جو نیک بیبیاں ہیں مردوں کا کہا مانتی ہیں اور (خدا کی عنایت سے) اُن کی غیبت میں ہر چیز کی حفاظت رکھتی ہیں اور تم کو جن بیبیوں سے نافرمانی کا خوف ہو تو (پہلی مرتبہ) ان کو سمجھا دو۔ پھر ان کو بستر پر تنہا چھوڑ دو (پھر بھی نہ مانیں) تو اُن کو مارو پس اگر وہ اطاعت کر لیں تب اُن پر الزام کے پہلو نہ ڈھونڈو۔ بے شک اللہ برتر و بزرگ ہے۔
(النساء ۴ آیت ۳۸)

۳۹۔ وان خفتم شقاق
بینھما فابعثوا حکماً من اھلہ
وحکماً من اھلھا ان یریدا
اصلاحاً یوفق اللہ بینھما ان اللہ
کان علیماً خبیراً ٥ (النساء ۴ آیت ۳۹)

۳۹۔ اور اگر تم کو میاں بی بی میں ناچاقی کا اندیشہ ہو تو ایک ثالث مرد کے کنبے سے اور ایک ثالث عورت کے کنبے سے مقرر کرو اگر یہ دونو اُن میں میل کرا دینا چاہیں گے تو خدا دونو میاں بی بی میں موافقت کرا دے گا۔ اللہ واقف اور خبردار ہے۔ (النساء ۴ آیت ۲۹)

۱۲۶۔ ویستفتونک فی
النساء قل اللہ یفتیکم فیھن
وما یتلیٰ علیکم فی الکتاب
فی یتامی النساء اللاتی
لا تؤتونھن ما کتب لھن و
ترغبون ان تنکحوھن و
المستضعفین من الولدان
و ان تقوموا للیتامیٰ

۱۲۶۔ (اے پیغمبر) تم سے یتیم لڑکیوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہہ دو کہ اللہ تم کو اُن کے ساتھ (نکاح کے) بارے میں اجازت دیتا ہے اور خدا کی کتاب میں تم کو جو حکم (یتیموں کے ساتھ انصاف نہ کرنے کی بابت) سنایا گیا وہ ان یتیم لڑکیوں کے لئے ہے جن کو تم ان کا مقررہ حصہ نہیں دیتے اور چاہتے ہو کہ اُن سے نکاح کر لو اور بے بس (کم سن) لڑکیوں کے باب میں (اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ ان کی خبر گیری کرو) اور یہ کہ یتیموں کے بارے میں

بالقسط و ما تفعلوا من خير فان اللہ
كان به عليما ٥ (النساء ۴ آیت ۱۲۶)

انصاف پر قائم رہو۔ اور تم جو کچھ بھلائی کرو گے بیشک اللہ
اس کو جانتا ہے (النساء ۴ آیت ۱۲۶)

۱۲۷- و ان امرأة خافت
من بعلها نشوزا او اعراضاً
فلا جناح عليهما ان يصلحا
بينهما صلحاً و الصلح خير و
احضرت الانفس الشح و ان
تحسنوا و تتقوا فان الله كان بما
تعملون خبيرا ٥ (النساء ۴ آیت ۱۲۷)

۱۲۷- اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے
مخالفت یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو تو میاں بی بی دونوں میں
کسی پر کچھ گناہ نہیں کہ اصلاح کی کوئی بات ٹھیرا کر
آپس میں صلح کر لیں اور صلح (ہر حال میں) بہتر ہے اور
حرص تو جان سے لگی ہوئی ہے اور اگر تم اچھا سلوک اور
پرہیزگاری کرو تو خدا تمہارے ان نیک کاموں سے
باخبر ہے (النساء ۴ آیت ۱۲۷)

۱۲۸- و لن تستطيعوا ان تعدلوا
بين النساء و لو حرصتم فلا
تميلوا كل الميل فتذروها
كالمعلقة و ان تصلحوا و
تتقوا فان الله كان غفورا
رحيما ٥ (النساء ۴ آیت ۱۲۸)

۱۲۸- اور تم (اپنی طرف سے) بہتیرا چاہو لیکن یہ تم سے
ہرگز نہ ہو سکیگا کہ کئی کئی بیبیوں میں پوری پوری برابری
کر سکو (خیر) بالکل ایک ہی طرف نہ جھک پڑو اور دوسری
کو اس طرح نہ چھوڑ بیٹھو کہ گویا بیچ میں لٹک رہی ہے اور
اگر درستی سے چلو اور زیادتی کرنے سے بچے رہو تو اللہ
بخشنے والا اور مہربان ہے (النساء ۴ آیت ۱۲۸)

۱۲۹- و ان يتفرقا يغن الله
كلا من سعته و كان الله
واسعاً حكيماً ٥ (النساء ۴ آیت ۱۲۹)

۱۲۹- اور اگر (صلح نہ ہو سکے) میاں بی بی جدا ہو جائیں تو
اللہ اپنی وسعت (فضل) سے ہر ایک کو آسودہ رکھیگا اور
اللہ گنجایش والا حکمت والا ہے (النساء ۴ آیت ۱۲۹)

۱۵۲- قل تعالوا اتل ما حرم
ربكم عليكم الا تشركوا به شيئاً و
بالوالدين احسانا و لا تقتلوا اولادكم

۱۵۲- اے پیغمبر ان لوگوں سے کہو کہ ادھر آؤ میں تم کو وہ
چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کی
ہیں وہ یہ ہیں کسی کو خدا کا شریک نہ ٹھیراؤ اور ماں باپ کے ساتھ

مِّنْ إِمْلَاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ○

(الانعام ۶ آیت ۱۵۱)

بھلائی کرتے رہو اور مفلسی کے ڈر سے اپنے بچوں کو قتل نہ کرو ہم ہی تم کو بھی رزق دیتے ہیں اور اُن کو بھی اور بے حیائی کی باتیں جو ظاہر ہوں اور جو پوشیدہ ہوں اُنکے قریب نہ جاؤ اور جان جس کے مار ڈالنے کو اللہ نے حرام کردیا ہے اس کو مار نہ ڈالو مگر حق پر۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کا حکم خدا نے تم کو دیا ہے تاکہ تم سمجھو۔ (الانعام ۶۔ آیت ۱۵۱)

۳۳۔ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا ○

(الاسریٰ ۱۷۔ آیت ۳۱)

۳۳۔ اور اے لوگو! افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ اُن کو اور تم کو ہم ہی روزی دیتے ہیں اولاد کا مارنا بڑا بھاری گناہ ہے۔

(الاسریٰ ۱۷۔ آیت ۳۱)

۴۔ وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ○ (النور ۲۴۔ آیت ۴)

۴۔ اور جو لوگ پاکدامن عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور چار گواہ پیش نہ کریں تو اُن کو اسّی (۸۰) دُرّے مارو اور کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو۔ بیشک یہ لوگ بدکار ہیں۔

(النور ۲۴۔ آیت ۴)

۲۳۔ إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ○ (النور ۲۴۔ آیت ۲۳)

۲۳۔ پاکدامن "بھولی" اور ایمان والی عورتوں پر جو لوگ بدکاری کی تہمت لگاتے ہیں وہ دنیا اور آخرت دونوں میں ملعون ہیں اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

(النور ۲۴۔ آیت ۲۳)

۳۱۔ وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ

۳۱۔ اور اے پیغمبر مسلمان عورتوں سے کہو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور

وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ
مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ
جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ
إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ
بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ
بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي
إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ
نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ
التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ
مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ
لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ
وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا
يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ
جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

(النور ۲۴ - آیت ۳۱)

اپنی زینت کے مقامات کو ظاہر نہ ہونے دیں مگر جو اسمیں چار و ناچار کھلا رہتا ہے اور اپنے گریبانوں پر اوڑھنیاں ڈالے رہیں اور اپنی زینت کے مقامات کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ پر یا اپنے خاوند کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہر کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھتیجوں پر یا اپنے بھانجوں پر یا اپنی عورتوں پر یا اپنی لونڈیوں پر یا گھر کے ایسے مرد خدمتیوں پر جن کو عورتوں سے کچھ غرض و مطلب نہ ہو یا لڑکوں پر جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے آگاہ نہیں۔ اور چلنے میں اپنے پاؤں ایسے زور سے نہ رکھیں کہ لوگوں کو اُن کے اندرونی زیور کی خبر ہو اور مسلمانو تم سب اللہ کی جناب میں توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔

(النور ۲۴ - آیت ۳۱)

۵۹- يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ
لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ
الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ
جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ
فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا
رَحِيمًا (الاحزاب ۳۳ - آیت ۵۹)

۵۹- اے پیغمبر اپنی بیبیوں بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے چادروں کے گھونگٹ نکال لیا کریں اس سے غالباً یہ الگ پہچان پڑے گی پھر وہ ستائی نہ جائیں گی اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(الاحزاب ۳۳ - آیت ۵۹)

| | |
|---|---|
| ۸-۹- وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝ (التکویر ۸۱- آیت ۸-۹) | ۸-۹- اور جس وقت اس لڑکی سے جو زندہ دفن کر دی گئی تھی پوچھا جائے گا کہ کس قصور کے بدلے ماری گئی- (التکویر ۸۱- آیت ۸ و ۹) |

قرآن مجید میں عورت اور مرد کی مساوات۔

۹۵- قرآن مجید میں عام طور سے جسمانی قوت اور وراثت کے سوا باقی تمام قانونی تمدنی اور روحانی حیثیتوں سے مرد اور عورتیں کامل مساوات تسلیم کی گئی ہے۔

| | |
|---|---|
| ۲۲۷- وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝ (البقرہ ۲- آیت ۲۲۷) | ۲۲۷- اور جیسے مردوں کا حق عورتوں پر ویسے ہی دستور کے مطابق عورتوں کا حق مردوں پر ہاں مردوں کو عورتوں پر فوقیت ہے اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے (البقرہ ۲- آیت ۲۲۷) |
| ۳۲- لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ط وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ۝ (النساء ۴- آیت ۳۲) | ۳۲- مردوں نے جیسے عمل کئے ہوں اُن کے لئے اُن کا حصہ اور عورتوں نے جیسے عمل کئے ہوں اُن کے لئے اُن کا حصہ ہے اور ہر وقت اللہ سے اس کا فضل مانگتے رہو اللہ ہر چیز سے واقف ہے- (النساء ۴- آیت ۳۲) |
| ۳۴- اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَاۤ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ط (النساء ۴- آیت ۳۴) | ۳۴- مرد عورتوں کے سرپرست ہیں اس سبب سے کہ اللہ نے بعض کو بعض پر برتری دی ہے- اور اس سبب سے بھی کہ انہوں نے اپنا مال (ان عورتوں پر) خرچ کیا ہے (النساء ۴ آیۃ ۳۴) |
| ۳۵- اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ | ۳۵- بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں اور فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں اور راست گو مرد اور راست گو عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خاکساری کرنے والے مرد اور خاکساری کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور |

| | |
|---|---|
| وَالْحَافِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذَّاكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (الاحزاب ۳۳ - آیت ۳۵) | روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور کثرت سے خدا کو یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں ان سب کے لئے اللہ نے اُنکے گناہوں کی معافی تیار کر رکھی ہے اور بڑے بڑے اجر (الاحزاب ۳۳ آیۃ ۳۵) |

ان آیات میں جو کچھ مذکور ہے آنحضرت صلعم نے عورتوں کی بہتری کے لئے اس سے کہیں زیادہ کیا ہے۔ کیونکہ علاوہ کثرت ازدواج اور شرمناک کثرت طلاق کے خلاف سخت احکام اور قیود قائم کرنے کے آپ نے اپنے پیروؤں کے دلوں میں عورتوں کی طرف سے محبت و مودت کے پاکیزہ خیالات پیدا کئے۔ اور اپنے الہامی احکام میں عورتوں کی عزت اور زن و شو کے باہمی آرام و آسایش اور مسرت کی تعلیم دی +

| | |
|---|---|
| ۲۱- وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ (الروم ۳۰- آیت ۲۱) | ۲۱- اور اسی کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس کی بیبیاں پیدا کیں تاکہ تم کو اُن کی طرف رغبت کرنے سے راحت ملے۔ اور تم میاں بی بی میں محبت و مہربانی پیدا کی۔ بے شک جو لوگ سوچتے ہیں ان کے لئے ان باتوں میں قدرت خدا کی نشانیاں ہیں (الروم ۳۰ آیۃ ۲۱) |
| ۱۸۷- هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (البقرہ ۲- آیت ۱۸۷) | ۱۸۷- وہ عورتیں تمہاری پوشاک ہیں اور تم اُن کی پوشاک ہو۔ (البقرہ ۲- آیت ۱۸۷) |

معاملات معاشرت میں مرد اور عورت کی مساوات اس تشبیہ سے پورے طور پر ظاہر کر دی گئی ہے۔ کہ "مرد اپنی بیویوں کا لباس ہیں اور عورتیں اپنے شوہر کا لباس ہیں" اور لفظ زوجین یعنے جوڑے سے ایک ہی عورت سے شادی کرنے کا جواز پایا جاتا ہے اور یہ تاکید نکلتی ہے کہ یہ رشتۂ عقد ٹوٹ نہیں سکتا +

۹۶- بت پرستی۔ یہودیت اور عیسائیت کے مقابلہ میں اسلام نے عورتوں کے لئے

عیسائی ممالک میں عورتوں کی ذلیل حالت

بہت زیادہ آزادی اور تمدنی ترقی کو جائز رکھا ہے جو قبل اسلام نہیں پائی جاتی۔ حضرت موسےٰ کی شریعت یہودی عورتوں کی اخلاقی اور تمدنی بہبودی کو کوئی بڑا فائدہ نہ پہنچا سکی اور عہد جدید انجیل نے ان کی دنیاوی ترقی کے لئے اتنا نہ کیا جتنا کہ اسلام نے کیا۔ یورپین ممالک میں عورتوں کی حالت جو اچھی ہے اُس کی وجہ یہ ہے کہ روما کے قانون اور ٹیوٹانک[1] اقوام کا فطرۃً عورتوں کے ساتھ عزت کے برتاؤ اور صدہا سال کے تمدن نے یورپین ممالک میں عورت کو اس کی مناسب حیثیت پر ترقی دی ہے۔ ورنہ مشرقی ٹرکی۔ شام و فلسطین میں عیسائی عورتوں کی دماغی اور تمدنی حالت ویسی ہی ادنےٰ ہے جیسی اُن کی مسلمان اور نیم بُت پرست (یسی پیگن) بہنوں کی حالت مشرق یا ایشیائی ممالک میں ہے +

عورتوں کی ادنےٰ حالت کے متعلق لیکی کا اقتباس

۹۷۔ یہودی اور عیسائی پیشوا از روئے شریعت توریت و انجیل عورتوں کے ذلیل و حقیر اور کم رتبہ اور تابعدار ہونے پر عام طور سے یقین رکھتے تھے۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ دنیا میں گناہ عورتوں ہی کی بدولت آیا۔ اور انسانی گناہ کا سارا وبال انہیں کی گردن پر۔ لہذا ان کی یہ ذلیل حالت خود انہیں کے ہاتھوں سے ظہور میں آئی اور اس ذلت کی یہ نوبت پہنچی کہ وہ مردوں کی محکوم بن گئیں۔ کتاب پیدایش باب (۳) آیت ۱۶ میں شوہر کی نسبت عورت سے کہا گیا ہے کہ "وہ تجھ پر حکومت کرے گا" اس حکم کو اگر پیشین گوئی تصور کیا جائے تو یہ پیشین گوئی مشرقی ممالک میں حیرت انگیز طریقہ سے پوری ہو گئی ہے +

" سنہ مسیحی سے کچھ قبل مسئلہ ازدواج کے متعلق ایک بڑا تغیر پیدا ہوا اور اس سے انسانی فطرت
" کے روحانی اور دماغی حصہ پر خاص اثر پڑا۔ اس زمانہ میں جو عہد عتیق اور عہد جدید کے مابین گزرا۔
" رہبانیت کی ہوا پھیل چکی تھی۔ . فرقہ ایسی نس نے سب سے پہلے جواز نکاح کے متعلق شبہات ظاہر
" کئے۔ اس فرقہ کے بعض لوگ تو شادی سے بالکل محترز رہے اور بعض نے خاص قیود کے ساتھ شادی کو
" اختیار کیا۔ (جوزف فصل ۲ باب ۸ فقرہ ۲ و ۱۳)۔ تھیراپیوٹ کے اور بعد کے زمانہ میں فرقہ ناسٹک کے
" خیالات بھی اسی قسم کے تھے (بڈمنس لکچرز باب ۱ صفحہ ۲۱۴) بعد ازاں یہ خیالات وہاں سے مسیحی کلیسا
" میں پہنچے اور فرقہ این کریٹی کے خاص عقائد میں شریک ہو گئے۔ (برٹن باب ۲ صفحہ ۱۶۱) اور آخرکار

[1] جرمن کے قدیم باشندے۔

"ایسے ہی خیالات سے طریقہ رہبانیت کی صورت قائم ہوئی[1]- رہبانیت سے ایک مضر نتیجہ یہ پیدا ہوا- کہ
"عورتوں کی حیثیت اور فطرت کو حد سے زیادہ حقیر خیال کرنے کا میلان پیدا ہو گیا- اس رجحان میں کسی قدر
"قدیم یہودی تصانیف کے اثر کا بھی پتہ چلتا ہے- ایک غیر متعصب شخص ان تصانیف میں مشرقی عورتوں کو
"حقیر سمجھے جانے کی صریح شہادت پائے گا- یہ جائز رکھا گیا ہے کہ دلہن کے باپ کو دلہن کی قیمت[2] ادا کی جائے
"کثرت ازدواج کو جائز قرار دیا گیا ہے- اور ان کے بڑے بڑے عالم اور دانشمند لوگ نہایت
"فراخ حوصلگی کے ساتھ اس رسم کے پابند تھے- عورت تمام انسانی گناہوں کی اصل قرار دی گئی- بچے
"کی پیدائش کے بعد اس کے تزکیہ و تصفیہ کا ایک زمانہ معین کیا گیا- لیکن خاص کر لڑکیوں کے لئے دگنی
"مدت مقرر کی گئی- ایک یہودی مصنف بڑے زور سے لکھتا ہے کہ" مردوں کی برائی عورتوں کی نیکی سے
"بہتر ہے" قدیم یہودی تاریخ میں عورتوں کے جو اعلےٰ نمونے دکھائے ہیں وہ عموماً ادنےٰ درجے کے ہیں-
"اور بلاشبہ اُن عورتوں سے بہت کم درجے کے ہیں جو رومن تاریخ اور یونانی شاعری میں نظر آتے ہیں عہد عتیق
"(توریت و زبور میں) غالباً سب سے زیادہ جس عورت کی مدح و ثنا کی گئی ہے- یہ وہ ہے جس نے دغا بازی
"سے ایک ایسے سوتے ہوئے شخص کو قتل کر ڈالا جو اس کے گھر میں پناہ گزین تھا +

"یہودی تصانیف اور راہبانہ میلان کے، جس نے عورت کو مرد کے ہوا و ہوس کا اصلی سرچشمہ قرار دیا، مشترکہ
"اثر سے وہ سخت مذمتیں ظہور میں آئیں جو ان عالموں کی تصانیف کا ایک بڑا اور بے سر و پا حصہ ہیں اور
"یہ نہایت عجیب بات ہے کہ وہ ان تعریفوں کے بالکل برعکس ہیں جو بعض خاص عورتوں کی کی گئی ہیں-
"عورت کی نسبت یہ لکھا ہے کہ وہ دوزخ کا دروازہ اور تمام انسانی گناہوں کی ماں ہے- اُسے اس خیال سے
"شرم آنی چاہیئے کہ وہ عورت ہے- اُس لعنت اور آفت کی وجہ سے جو اس کی وجہ سے عالم پر نازل
"ہوتی ہے اُسے ہمیشہ نفس کشی کرنی چاہیئے- اسے اپنے لباس سے شرم کرنی چاہیئے اس لئے کہ یہ اُسکے
"جنت سے نکالے جانے کی یادگار ہے- خاص کر اسے اپنے حُسن سے شرمندہ ہونا چاہیئے کیونکہ یہ
"شیطان کا سب سے قوی آلہ ہے- جسمانی حُسن ایک ایسا مضمون ہے جس پر مذہبی لوگوں کی طرف سے ہمیشہ
"لعنت پڑتی رہی ہے- اگرچہ اس میں ایک عجیب استثنا کیا گیا ہے کیونکہ یہ معلوم ہوا ہے کہ ازمنۂ وسطےٰ
"میں بشپوں کے جسمانی حُسن کا ذکر خاص طور پر ان کی قبروں پر لکھ دیا جاتا تھا- چھٹی صدی میں کونسل
"صوبجات کے حکم سے عورتوں کو عشائے ربانی کو خالی ہاتھوں میں لینے کی ممانعت کر دی گئی تھی کیونکہ
"وہ فطرتاً ناپاک ہیں- ان کی یہ ذلیل حالت برابر قائم رہی +

"غالباً اسی تعلیم کا یہ نتیجہ ہوا کہ عورتوں کے متعلق قانونی اصول بھی اسی قسم کے قائم ہو گئے- عورتوں
"کی عدم مساوات اور ناواجب حالات کا قانون جو قدیم سے چلا آتا تھا اس میں رومن سلطنت کے بیگن
"دور میں متواتر ترمیم ہوتی رہی- اور یہ قانونی انصاف کی تحریک کانسٹن ٹائن کے زمانہ سے لے کر

---

[1] ڈکشنری آف بائبل مولفہ سمتھ جلد ۲ ملاحظہ ہو مضمون ازدواج صفحہ ۲۴۲-۲۴۳ مطبوعہ لندن سنہ ۱۸۶۳ء

[2] قرآن نے اس رسم کو اٹھا دیا- (چراغ علی)

"جسٹنین کے عہد تک برابر جاری رہی۔ اور باربیرین (جہالت) دور کے بعض ابتدائی قوانین میں
"بھی یہ تحریک پائی جاتی ہے لیکن تمام فیوڈل قانون جو عورتوں کے متعلق تھا بمقابلہ اس قانون کے جو
"پہلے غیر مسیحی اقوام میں جاری تھا ادنےٰ درجہ کا تھا۔ علاوہ ان ذاتی قیود کے جو رومن کیتھولک تعلیم کی وجہ سے طلاق
"اور عورتوں کے تابع رکھنے کے متعلق موجود تھیں ہم دیکھتے ہیں کہ اور بے شمار سخت سے سخت قانون ایسے موجود
"ہیں جن کی وجہ سے یہ ناممکن تھا کہ عورتیں معتد بہ املاک اپنے قبضہ میں رکھ سکیں۔ اور اس لئے وہ مجبور تھیں کہ
"یا تو وہ شادی کریں یا راہبہ ہو جائیں۔ یہ ذلیل حالت قانون کے زور سے قائم رکھی گئی تھی۔ اور رومامیں جو
"لوگ اکثر اس بے انصافی پر سابق میں مخالفت کرتے اور شور وغل مچاتے تھے کہ "لڑکیاں وراثت سے بلا
"وجہ کیوں محروم کی جاتی ہیں" رفتہ رفتہ وہ مخالفت بھی جاتی رہی۔ جہاں جہاں شریعت عیسوی کی بنیاد
"پر قوانین بنائے گئے وہاں ہم ایسے قوانین وراثت دیکھتے ہیں جنہوں نے لڑکیوں اور بیبیوں کے حق کو
"بالکل پامال کر دیا ہے۔ اور عام رائے بھی ان ہی قوانین کی تابع ہو گئی ہے۔ اور گزشتہ صدی کے آخر
"تک کبھی اس قانون کے منسوخ کرنے کی کوئی بڑی کوشش نہیں کی گئی۔ فرانس کے انقلاب پسندوں نے
"اگرچہ سی اسے ییے اور کان ڈورسی کی یہ تجویز رد کر دی کہ "عورتوں کو کامل پولٹیکل آزادی دی
"جائے" لیکن کم از کم انہوں نے بیٹوں اور بیٹیوں کے حقوق وراثت مساوی کر دیئے اور اس طرح انہوں
"نے قانون اور رائے دونوں کی بہت بڑی اصلاح کی بنیاد ڈالی جو کسی دن تمام دنیا میں ضرور پھیل جائیگی"[1]

۹۸۔ باسورتھ اسمتھ نے اس امر کی تعریف کی ہے کہ حضرت محمد (صلعم) نے غیر محدود ازدواج کے جواز کو محدود کیا اور بے سمجھے بوجھے طلاق کو جس کی مشرق میں کثرت ہے مذموم قرار دیا اور آپ کے قوانین کی بدولت اعلےٰ اخلاقی خیالات پیدا ہوئے۔ وہ ان امور کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے :۔ باسورتھ سمتھ کی رائے

"میں نے یہ امر فراموش نہیں کر دیا ہے کہ پیغمبر اسلام نے انتہائی اور ناگزیر حالات میں خاوند کو اجازت
"دی ہے کہ وہ اپنی بی بی کو جسمانی سزا دے بشرطیکہ وہ اُسے اعتدال کے ساتھ کام میں لائے۔ انہوں
"نے عورتوں کو پردہ میں رہنے کی اجازت دی اور تاکید کی ہے۔ انہوں نے کثرت ازدواج کے
"متعلق ان قیود کو جو اوروں پر لگائی تھیں اپنے حق میں کم کر دیا۔ انہوں نے ان عورتوں کو جو جنگ
"میں گرفتار ہوں لونڈیاں بنانے کی اجازت دی اور اسے میں تسلیم کرتا ہوں کہ آنحضرت صلعم کے
"پیروؤں نے بہ نسبت اس تعلیم کے جو اعلےٰ ہے آنحضرت کے اس تعلیم اور نمونے کی پیروی و
"اطاعت میں جو (معاذ اللہ) ناقص ہے زیادہ تر مستعدی ظاہر کی۔ لیکن میں نہایت اعتماد کے ساتھ
"یہ بھی کہتا ہوں کہ پیغمبر اسلام نے یہودیوں کے اور زمانہ جاہلیت کے مقابلہ میں عورتوں کی حالت کو بہت

[1] لیکی کی ہسٹری آف یوروپین مارلز فرام آگسٹس ٹو شارلمین جلد ۲ باب ۵ صفحہ ۳۳۷۔ ۳۴۰۔

تو زیادہ ترقی دی اور ان کے حق میں بہت قابل تعریف کام کیا۔[۱]

مجھے افسوس ہے کہ مسٹر باسورتھ سمتھ بھی اس غلطی میں پڑ گئے ہیں جو عام طور پر پھیلی ہوئی ہے اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے بعض امور کو نقائص سے تعبیر کیا ہے اور انہوں نے ان الزامات کی کامل تحقیق نہیں کی جیسی کہ انہوں نے دوسرے امور میں کی ہے۔

قرآن میں بی بی کے مارنے کی اجازت نہیں

۹۹- (۱) یہ امر کہ آنحضرتؐ نے شوہروں کو اجازت دی ہے کہ انتہائی حالات میں وہ اپنی سرکش بیبیوں کو جسمانی سزا دے سکتے ہیں (النساء ۴- آیت ۳۴) صحیح ہے۔ لیکن یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ یہ حالت ابتدائی زمانہ کی ہے۔ جبکہ مدینہ کے ہر گھر میں بزرگ خاندان کی حکومت تھی۔[۲] جہاں کوئی باقاعدہ عدالت ججوں یا مفتیوں کی نہ تھی خاندان کا سردار اپنے گھر کا جج ہوتا تھا۔ لیکن جب یہ صورت بدل گئی عدالتیں قائم ہو گئیں اور انصاف ایک خاص قاعدے اور طرز پر ہونے لگا تو شوہر کو جو اختیار دیا گیا تھا وہ اُٹھا دیا گیا اور پھر طرفین یعنے میاں بی بی کو مفتی کے سامنے اپنا معاملہ پیش کرنا ہوتا تھا۔ اور مفتیوں نے لوگوں کو قانون اپنے ہاتھ میں لینے کی ممانعت کر دی۔ دوسری ہی آیت (النساء۴- آیت ۳۵) کے رُو سے پہلے جو اختیار شوہروں کو بیبیوں کے مارنے کا دیا گیا تھا بالکل جاتا رہا۔ آیت یہ ہے :-

۳۵- وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝ (النساء۴- آیت ۳۵)

۳۵- اور اگر تم کو میاں بی بی میں ناچاقی کا اندیشہ ہو تو ایک ثالث مرد کے کنبے سے اور ایک ثالث عورت کے کنبے سے مقرر کر دو اگر یہ دونوں میں میل کرا دینا چاہیں گے تو خدا میاں بی بی میں موافقت کرا دیگا۔ اللہ واقف و خبردار ہے۔ (النساء۴- آیت ۳۵)

[۱] محمد اینڈ محمدن ازم صفحہ ۲۴۲ لیکچر جو رائل انسٹی ٹیوشن آف گریٹ برٹن میں ماہ فروری و مارچ ۱۸۷۴ء میں آر۔ باسورتھ سمتھ ایم۔ اے نے بمقام لندن دیا۔

[۲] یوس جی لش نے اس فقرہ کو محفوظ رکھا ہے جس میں کیٹو نے یہ لکھا ہے کہ " خاوند کو اپنی بی بی پر کامل اختیار حاصل ہے۔ اسے اختیار ہے کہ اگر وہ بیجا فعل مثلاً شراب نوشی یا بدکاری کی مرتکب ہو تو وہ اُسے ملزم قرار دے اور سزا دے" ہسٹری آف یوروپین مارلز فرام اگسٹس ٹو شارلمین مصنفہ ڈبلیو اے۔ لیکی۔ ایم۔ اے جلد دوم صفحہ ۹۳-۹۴۔

۱۰۰-(۲) آنحضرت[1] صلعم نے عورتوں کو پردہ میں رہنے کی نہ اجازت دی اور نہ تاکید کی۔ آپ نے ان کے عادات و اطوار اور لباس میں البتہ اصلاح کی تاکہ اُن کی عزت و وقعت بڑھ جائے نیز آپ نے ایسی تدبیریں بتائیں کہ جب وہ راستوں اور گلیوں میں نکلیں تو ناشایستہ اور بیہودہ لوگوں کی تذلیل و توہین سے محفوظ رہیں۔ قرآن مجید میں مندرجہ ذیل آیتیں اس مضمون کی ہیں۔

۵۹- یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ[2] ذٰلِكَ اَدْنٰٓی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا

(الاحزاب ۳۳- آیت ۵۹)

۵۹- اے پیغمبر اپنی بیبیوں بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی چادروں کے گھونگٹ نکال لیا کریں۔ اس سے غالباً یہ الگ پہچان پڑیں گی پھر وہ نہ ستائی جائیں گی اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(الاحزاب ۳۳- آیت ۵۹)

۳۱- وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ[3] عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا

۳۱- اور اے پیغمبر مسلمان عورتوں سے کہو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کے مقامات کو ظاہر نہ ہونے دیں مگر جو اس میں سے چار و ناچار کھلا رہتا ہے اور اپنے گریبانوں پر اوڑھنیاں

---

[1] یونانیوں کی عورتیں بالکل پردہ میں رہتی تھیں اور بچپن ہی میں ان کا بیاہ ہو جاتا تھا۔ ان کے معمولی کام یہ تھے کہ چرخہ کاتیں کپڑے بُنیں کشیدہ نکالیں خانہ داری کا انتظام کریں اور بیمار غلاموں کی خدمت کریں اور گھر کے الگ حصہ میں رہتی تھیں۔ جو زیادہ دولتمند تھیں وہ تو باہر جاتی تھیں مگر وہ بھی باندیوں لونڈیوں کے ہمراہ۔ مگر کبھی کسی عام جلسے یا عام مقام میں نہیں جا سکتی تھیں اور سوائے خاوند کی حضوری کے کسی مرد سے گھر میں نہیں مل سکتی تھیں اور جب مہمان آجاتے تھے تو وہ کھانے پینے کی میز پر نہیں بیٹھ سکتی تھیں (لیکی کی ہسٹری آف یورپین مارلز جلد دوم صفحہ ۲۸۷)

[2] اصل لفظ جلابیب اور واحد جلباب ہے جس کا ترجمہ راڈول نے غلطی سے پردہ کیا ہے۔ اس کے معنے ہیں عورت کی بیرونی چادر (دیکھو لینز اربک لیکسی کان جلد اول حصہ دوم صفحہ ۴۴۰) سیل نے اس کا ترجمہ "بیرونی لباس" اور پامر نے "بیرونی چادر" کیا ہے۔

[3] اصل لفظ خمر جمع "خمار" ہے جس کے معنے عورت کے لباس سر کے ہیں یہ ایک کپڑا ہوتا ہے جس سے عورتیں اپنا سر چھپا لیتی ہیں۔ دیکھو لین کی اربک لیکسی کان پی آئی حصہ دوم صفحہ ۸۰۹۔ سیل اور راڈول نے "خمر" کا ترجمہ پردہ کیا ہے وہ غلط ہے۔ البتہ پامر نے اس کا ترجمہ صحیح کیا ہے۔

لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰي عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (النور- آیت ۳۱)

ڈالے رہیں۔ اور اپنی زینت کے مقامات کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ پر یا اپنے خاوند کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہر کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھتیجوں پر یا اپنے بھانجوں پر یا اپنی عورتوں پر یا اپنی لونڈیوں پر یا گھر کے لگے ہوئے ایسے مرد خدمتیوں پر جن کو عورتوں سے کچھ غرض و مطلب نہ ہو۔ یا لڑکوں پر جو عورتوں کے پردے کی بات سے آگاہ نہیں اور چلنے میں اپنے پاؤں ایسے زور سے نہ رکھیں کہ لوگوں کو اُن کے اندرونی زیور کی خبر ہو۔ اور مسلمانو! تم سب اللہ کی جناب میں توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ (النور ۲۴-آیت ۳۱)

فقہ[1] اسلامی میں بھی اس امر کا خیال رکھا گیا ہے اور یہ قرار دیا گیا ہے کہ شریف عورتوں کے ہاتھ مُنہ کھلے رہنے چاہئیں۔ کیونکہ جسم کے یہ حصے "عورۃ" نہیں کہلاتے سوائے ہاتھ اور مُنہ اور بعض کے نزدیک پاؤں بھی۔ باقی تمام جسم "عورۃ" کہلاتا ہے اور اچھی طرح ڈھکا رہنا چاہیئے۔

۱۰۱- (۳) یہ خیال کہ کثرت ازدواج کے بارے میں آنحضرت ؐ نے جو قیدیں قائم کیں انہیں اپنے حق میں کم کر دیا بالکل غلط اور مہمل ہے اور بہر یورپین مصنف اس غلطی میں پڑا ہوا ہے۔ پہلی مرتبہ (النساء ۴- آیت ۳) تعداد ازدواج کو محدود کرنے کے بعد آپ نے کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا بلکہ اصل یہ ہے کہ آپ نے گویا اس رسم کو اُٹھا دیا (النساء ۴- آیات ۔۔۔) قانون ازدواج میں آنحضرت کیلئے کوئی رعایت نہیں ہوئی۔

[1] یہ ایک ایسا مضمون ہے جس میں بہت سی فضول باتیں آگئی ہیں اس پر صرف اس خیال سے بحث کرنی چاہیئے کہ شائستگی اور نیک اطواری کا معاملہ ہے اس میں خاص طور پر عورتوں کی حیا پر توجہ کی گئی ہے اور اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ کوئی فعل ایسا ظہور میں نہ آوے جو حیاداری کے خلاف ہو بلکہ ایسی بات کا خیال تک بھی نہ آئے یہ امر قابل لحاظ ہے کہ اس سے کسی طرح عورتوں کا پردہ مراد نہیں ہے جیسا کہ بعض مصنفین نے خیال کر رکھا ہے یہ پردہ درحقیقت کوئی فقہی حکم نہیں ہے بلکہ محض رشک و رقابت فخر و غرور کا نتیجہ ہے جیسا ہدایہ کے اس حصہ اور بعض دوسرے حصوں سے ظاہر ہے اور نہ یہ کوئی ایسا رواج ہے جو عام طور پر اسلامی ممالک میں پایا جاتا ہو (ہدایہ ترجمہ ... جلد اول ابتدائی صفحہ ...)

۳۳ و ۵۲ (ملاکر پڑھو)۔ اس قانون سے قبل جس قدر بیبیاں آنحضرت صلعم کی زوجیت میں تھیں ان کے باقی رکھنے کی اجازت دی گئی۔ حالانکہ دوسرے مسلمانوں کو یہ اختیار تھا کہ جس کے پاس چار سے زیادہ بیبیاں ہیں (اور ایسے بہت کم تھے) تو الگ کر سکتے ہیں۔ گویا پیغمبر کے لئے یہ خاص رعایت تھی۔ (الاحزاب ۳۳۔ آیت ۴۹۔ ۵۰) کیونکہ جب انہوں نے کثرت ازدواج کی ان قیود کی وجہ سے اپنی بیبیوں کو علیحدہ کرنا چاہا تو انہوں نے الگ ہونے سے انکار کیا۔ اور آپ کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی (الاحزاب ۳۳۔ آیت ۲۸۔ ۲۹۔ ۵۱) اور اس طرح انہیں وہی تعداد کی اجازت دی گئی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس رعایت کے معاوضہ میں انہیں موجودہ بیبیوں کے بجائے جب کوئی مرجائے یا الگ ہو جائے تو کسی اور شادی کی اجازت نہیں دی گئی۔ خواہ انہیں ان کے سوا دوسری عورتوں کا حسن کیسا ہی اچھا کیوں نہ معلوم ہو (الاحزاب ۳۳۔ آیت ۵۲) غرض جتنی بیبیاں آپ کی اس وقت تھیں اسی قدر رکھنی پڑیں۔ اور اس طور پر اس قانون میں آپ کے لئے کوئی رعایت نہیں کی گئی۔ البتہ اتنی رعایت ضرور ہوئی کہ انہیں سب کے سب بیبیاں رکھنی پڑیں۔ دوسرے مسلمانوں کو اختیار تھا کہ چار سے زیادہ جتنی بیبیاں تھیں انہیں وہ الگ کر سکتے ہیں۔ لیکن آپ کو یہ نقصان رہا کہ سوائے ان بیبیوں کے جو پہلے سے تھیں وہ کوئی دوسری شادی نہیں کر سکتے تھے۔ دراں حالیکہ دوسرے لوگوں کو یہ اجازت تھی۔ کہ اگر چار بیبیوں سے کوئی مرجائے یا الگ ہو جائے تو انہیں شرائط اور حدود کے اندر بجائے اس کے دوسری کر سکتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کے بعد آنحضرت صلعم کے متعلق کوئی شخص یہ غلط خیال نہ کرے گا کہ اس قانون میں اُن کے حق میں بیجا رعایت کی گئی ہے۔ (الاحزاب ۳۳۔ آیت ۵۲)۔ جس کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے۔

| | |
|---|---|
| ۵۲۔ لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ | ۵۲۔ اے پیغمبر اس وقت کے بعد سے دوسری عورتیں تم کو درست نہیں اور نہ یہ درست ہے کہ اُن کو بدل کر |

| | |
|---|---|
| وَلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ۝ (الاحزاب ۳۳ - آیت ۵۲) | دوسری بیبیاں کر لو ہر چند ان کا حسن وصورت تم کو کتنا ہی اچھا کیوں نہ معلوم ہو مگر اپنے ہاتھ کے مال یعنے لونڈیوں کا مضایقہ نہیں اور اللہ ہر چیز کا نگران حال ہے (الاحزاب ۳۳ - آیت ۵۲) |

۱۰۲ - (۴) مسٹر باسورتھ سمتھ نے یہ بڑی غلطی کی ہے جو کہا ہے کہ آنحضرت ؐ نے اجازت دی ہے کہ جو عورتیں جنگ میں گرفتار ہوں وہ لونڈیاں بنا کر کام میں لائی جائیں - میں نے اس مسئلہ پر فقرات (۱۵۲ تا ۱۶۲) میں پورے طور پر بحث کی ہے +

آنحضرت ؐ نے اس کی کبھی اجازت نہیں دی کہ جو عورتیں جنگ میں گرفتار ہوں انکو لونڈیاں بنا کر کام میں لایا جائے۔

قرآن میں کہیں اس کا ذکر نہیں ہے کہ جنگ کی گرفتار شدہ عورتیں لونڈیاں بنا کر اپنے کام میں لائی جائیں - آنحضرت نے ہر جگہ یہ تاکید کی ہے کہ نکاح یا تو "حرہ" عورت سے کیا جائے یا غلام عورت سے - اس میں کچھ شبہ نہیں کہ اُس زمانہ میں غلامی لونڈیوں کی شکل میں عملاً موجود تھی - اگرچہ شرع نے اس کی اجازت نہیں دی - اور قرآن نے ہر جگہ صاف صاف طور سے نکاح کرنے کی تاکید کی ہے -

۱۰۳ - مسٹر باسورتھ سمتھ اس اقتباس کے متعلق جو فقرہ ۹۸ میں نقل کیا گیا ہے بطور فٹ نوٹ کے لکھتے ہیں :-

النساء ۴ آیت ۳ کی تعبیر جو سیل اور ... نے کی ہے

"سیل کی یہ رائے ہے اور نیز اکثر مسلمان علما بھی اس کے موئید ہیں اور قرآن کے الفاظ سے "بھی بظاہر اس کی تائید نکلتی ہے - (النساء ۴ - آیت ۳) کہ کسی حالت میں بھی کسی شخص کو یہ اجازت "نہیں ہے کہ غلام عورتوں کو لونڈی بنا کر اپنے استعمال میں لانے - اگر اس کے پاس انتہائی تعداد میں از "روے شرع (شریف) چار عورتیں موجود ہوں - مگر مسٹر لین کی راے اس کے مخالف ہے اور وہ "دوسرے علما اور نیز بعض صحابہ کے عمل کو اپنے تائید میں پیش کرتے ہیں - لیکن اس پر (سیل کی "راے پر) زور دینا یقیناً خطرناک ہے اور کوئی مسلمان اس پر اعتراض نہ کرے گا کہ صحابہ کا "عمل قابل تقلید ہے"

از روے اصول تعبیر مسٹر سیل[۱] کی تعبیر (النساء ۴ - آیت ۳) بالکل درست ہے اور مسٹر لین

[۱] میں نے سیل کے ترجمہ پر ریورنڈ وہری کے نوٹ دیکھے (اے کمپری ہنسیو کمنٹری آن دی قران از تالیف اے - یم وہری - یم - اے جلد ا مطبوعہ لندن ٹرنبر اینڈ کو ۱۸۸۲ء صفحہ ۲۰۶) میں بھی انہوں نے بھی مسٹر میور کی طرح غلطی کی ہے اور اُن کا حوالہ بھی دیا ہے - مسٹر میور لکھتے ہیں (لائف آف محمد جلد ۳ صفحہ ۳۰۳) (صفحہ

کا ترجمہ غلط ہے (النساء آیت ۳) سے ظاہراً یا باطناً کسی طرح غلام لونڈیوں کو اپنے استعمال میں لانے کی اجازت نہیں نکلتی۔ یہ صرف مرد اور عورت کے اجتماع کو عقد کے ذریعہ سے ظاہر کرتی ہے۔ اور وہ بھی خاص تعداد کے اندر رہنا چاہیئے۔ حقیقت یہ ہے کہ فعل "انکحوا" صورت امر یہ کے معنے نکاح کرنے کے ہیں۔ یہ لفظ آیت کے پہلے جملے میں آیا ہے اور باقی دو جملوں میں محذوف ہے۔ ہمیں حق نہیں ہے کہ سوائے اس فعل کے جو پہلے جملے میں ہے کسی دوسرے فعل کو ان دو جملوں میں داخل کریں۔ مسٹر لین نے "انکحوا" کے ترجمہ میں جو لفظ "نکاح" سے نکلا ہے یہ غلطی کی ہے کہ بجائے "نکاح کرو" ترجمہ کرنے کے پہلی جگہ "نکاح میں لو" ترجمہ کیا ہے۔ اور دوسری جگہوں میں صرف لفظ "لو" براکٹ کے اندر لکھا ہے۔ اس آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے :۔

"نکاح کرو (" انکحوا ") ان عورتوں سے جو تمہیں بھلی معلوم ہوں دو یا تین یا چار۔ لیکن اگر تمہیں یہ
"اندیشہ ہو کہ تم (ان سب کے ساتھ) عدل نہیں کر سکتے تو ایک سے (نکاح کرو) یا (نکاح کرو)
"اُن سے جنہیں تمہارے سیدھے ہاتھ نے حاصل کیا ہے[1]۔

مسٹر لین اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں :۔

"نکاح میں لو اُن عورتوں کو جو تمہیں بھلی معلوم ہوں دو تین یا چار۔ لیکن اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم
"عدل نہیں کر سکتے (ان سب کے ساتھ تو لو) ایک یا لو اُن کو جنہیں تمہارے سیدھے ہاتھ نے
"حاصل کیا ہے[2]"

بالفرض اگر یہ مان بھی لیا جاوے جیسا باسورتھ کا خیال ہے کہ آنحضرت ؐ نے جنگ میں گرفتار شدہ لونڈیوں کے استعمال کی اجازت دی۔ لیکن جب آپ نے بعد میں غلامی کو موقوف کر دیا۔ اور جنگ میں جو لوگ گرفتار کئے جائیں وہ غلام نہیں بنائے جا سکتے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۰) "لونڈیوں کی تعداد جن کے ساتھ ایک مسلمان بغیر عقد یا کسی اور رسم یا اقرار دوام کے رہ سکتا ہے محدود نہیں ہے جیسا کہ سیل نے محدود خیال کیا ہے"۔ لیکن سیل از روئے اصول تعبیر صحت پر ہے اور اس کا زور قرآن کے الفاظ پر ہے۔ یہ اس کا محض خیال ہی نہیں جیسا کہ میں متن میں ظاہر کر چکا ہوں۔

[1] یعنی جو تمہاری لونڈیاں ہیں۔ (اڈیٹر)

[2] منتخبات قرآن مترجمہ لین باب ۴۴ و ۴۵۔ دی ماڈرن ایکیشین مولفہ لین جلد ا صفحہ ۱۲۲ مطبوعہ لندن سنہ ۱۸۷۱ء۔

(محمد ۴۷-آیت ۴ و ۵) تو اسی آیت کے رُو سے ضمناً لونڈیوں کا استعمال بھی ممنوع ہوگیا۔

# تعدّد زوجاتؓ

عرب میں کثرت ازدواج۔

۱۰۴۔ عربوں میں تعدد زوجات آنحضرت سے قبل اور بعد بھی ایک ضروری رواج تھا یہ پیغمبر اسلام کی ایجاد نہ تھی۔ آپ سے پہلے ہی یہ رواج عربی سوسائٹی میں مستحکم طور سے جڑ پکڑے ہوئے تھا۔ کچھ مدت تک تو آپ نے بھی اس تمدنی رواج سے فائدہ اُٹھایا۔ لیکن آپ کی عقل سلیم نے آپ کی توجہ اس کے خوفناک نتائج کی طرف جلد مبذول کی۔ صرف زمانہ قیام مدینہ میں آپ نے کئی نکاح کئے۔ اور یہ وہ زمانہ تھا جو آپ کی زندگی کے آخری سات

لہ آنحضرت کے نکاح میں زمانہ واحد میں کتنی بیبیاں تھیں اس کے متعلق جو بیانات ہم تک پہنچے ہیں وہ قابل اعتماد نہیں کیونکہ سیرنویسوں نے صرف مختلف اسناد سے تعداد بیان کی ہے۔ اور صحیح تعداد کا تصفیہ نہیں کیا لیکن اس میں شک نہیں کہ انکی تعداد چار سے زیادہ تھی۔ دیکھو (النساء ۴ آیت ۳) (الاحزاب ۳۳-آیت ۴۹) یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ سوائے ایک کے جتنے نکاح آنحضرت نے کئے وہ سب (۵۴) سال کی عمر میں اور اُس کے بعد واقع ہوئے قریب قریب وہ سب کی سب آفت رسیدہ اور صاحب احتیاج بیواؤں کے ساتھ کئے گئے۔ کم سے کم تین ایسے مسلمانوں کی بیوائیں تھیں کہ وہ اہل مکہ کی ایذا دہی سے بھاگ کر مع اپنی بیبیوں کے حبش میں پناہ گزین ہوئے تھے اور وہاں جا کر مر گئے۔ دو ایسی تھیں جن کے خاوند مدینہ میں اسلام و اہل اسلام کی حمایت میں لڑتے لڑتے مر گئے تھے۔ ایسے دوستوں کی بیکس اور بے بس بیواؤں سے شادی کرنا اور انہیں جائز حفاظت اور نگرانی میں لینا جنہوں نے آپ کے کام میں اپنی جانیں تک فدا کردیں اہل عرب کی نظر میں نہایت شریفانہ اور فیاضانہ فعل خیال کیا جاتا تھا اور کیا جاتا ہے۔ لیڈی ڈف گارڈن تحریر کرتی ہیں کہ۔

"میں نے آج عربوں کے اخلاق و آداب کے متعلق عجیب عجیب حالات سنے۔ میں حسان امریکن قونسل خانہ کے فوجی ملازم
"سے ملا جو ایک معزز اور نیک شخص ہے اس نے مجھ سے کہا کہ پچھلے سال میں نے ایک اور شادی کی۔ میں نے پوچھا کس لئے۔
"وہ درحقیقت اس کے بھائی کی بیوہ تھی اور وہ مثل ایک خاندان کے ایک ہی گھر میں رہتے تھے۔ اس کا
"انتقال ہوگیا۔ اور دو بچے چھوڑ مرا اس کی بیوی نہ تو جوان ہے نہ خوب صورت۔ حسان نے اسے اپنا فرض سمجھا
"کہ اس کے اور اُس کے بچوں کے نان و نفقہ کا انتظام کرے اور اس کی کسی غیر سے شادی نہ ہونے دی۔
"پس یہ معلوم ہوا کہ کثرت ازدواج ہمیشہ عیاشی اور ہوا و ہوس ہی کے لئے نہیں ہے۔ بجائے
"اس کے کہ انسان متوفی بیوی کی بہنوں کے متعلق زبانی ہمدردی کرے۔ وہ عملاً اس سے زیادہ
"ایثار اور بے نفسی کو کام میں لا سکتا ہے۔ (لیٹرز فرام ایجپٹ صفحہ ۱۳۹-۱۴۰ مطبوعہ
"لندن ۱۸۶۶ء)۔

آٹھ سال تھے۔ آپ اپنی عمر کے بہت بڑے حصہ میں یعنے ترپن سال تک صرف ایک ہی نکاح پر قناعت کئے رہے۔ آپ کی رسالت کا ابتدائی زمانہ روحانی اور اخلاقی اصلاح میں صرف ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ انہیں اہل مکہ کے ہاتھوں طرح طرح کی سخت ایذائیں اٹھانی پڑیں۔ اور پھر جب دشمنوں کی فوج کثیر نے مدینہ کا محاصرہ کیا جہاں آپ کو اور آپکے ساتھیوں کو پناہ ملی تھی تو آپ اُن کی مدافعت میں مصروف رہے اور اگرچہ وہ ان مشکلات و مصائب میں گھرے ہوئے تھے لیکن اُن کے کفر شکن دل میں اس رواج کی خرابیوں کا خیال پیدا ہوا۔ اور رفتہ رفتہ انہوں نے اس رسم کو کمزور کرنا شروع کیا اور آخر میں اسے بالکل موقوف کر دیا۔ ابتدا میں یہ تقریباً ناممکن معلوم ہوا۔ کیونکہ جو اصلاحات آپ کرنا چاہتے تھے وہ ان لوگوں کے طبائع اور تمدن کے بالکل مخالف تھیں۔ اگرچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ترقی و نشو و نما کے ازمنہ اولی میں کثرت زوجات کی رسم اہل عرب کے لئے مفید تھی اور بعض شرائط اور حدود کے ساتھ وہ ان کے اخلاق اور تمدن کو زیادہ عمدگی کے ساتھ ترقی دینے میں مدد دے سکتی تھی۔ تاہم یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ نقائص سے خالی نہیں جن سے آنحضرت صلعم پورے طور پر آگاہ تھے۔ یہ پہلی قید بلاشبہ ترقی کا بہت بڑا زینہ تھا اور جو لوگ آیات قرآن کے باطنی معنوں پر نگاہ رکھتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ یہ قید صرف ایک ہی بی بی پر قناعت کرنے کے حکم کے برابر ہے۔ لیکن جب آپ نے دیکھا کہ مسلمان اسے اس معنوں میں نہیں لیتے تو آپ نے ایک قدم اور بڑھایا اور اس مسئلہ کے متعلق دوسرے حکم میں اس امر کی صریحاً تاکید کی جو پہلے حکم میں مستتر تھا۔ اور یہ ظاہر کر دیا کہ متعدد بیبیوں کے ساتھ عدل کرنا انسانی طاقت سے خارج ہے خواہ وہ کتنی ہی کوشش کریں +

از روئے قرآن مجید متعدد بیبیوں میں عدل ناممکن ہے۔

۱۰۵۔ قرآن میں اس کی تاکید (النساء ۴۔ آیت ۳۔ اور ۱۲۸) میں پائی جاتی ہے لیکن آخری اور قطعی تدبیر جو آنحضرت صلعم نے اہل عرب کی سب سے بڑی رسم کو اٹھا دینے کے متعلق اختیار کی وہ قرآن کا یہ ارشاد تھا کہ خواہ انسان کتنا ہی چاہے وہ ایک سے

زیادہ بیبیوں میں عدل نہیں کرسکتا (النساء۴ - آیت ۱۲۸)-

۱۲۸ - وَلَن تَسْتَطِيعُوا أَن تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ (النساء۴ آیت ۱۲۸)

۱۲۸ - اور تم (اپنی طرف سے) بہتیرا چاہو لیکن یہ تو تم سے ہو نہیں سکیگا کہ کئی کئی بیبیوں میں پوری پوری برابری کرسکو (النساء۴ آیت ۱۲۸)

یہ درحقیقت تعدد زوجات کا موقوف کردینا ہے لیکن جو شادیاں کہ اس سے قبل آنحضرت صلعم اور اُن کے پیرو کرچکے تھے وہ جائز تصور کی گئیں - کیونکہ وہ اہل عرب کے مسلمہ رسوم کے مطابق عمل میں آئی تھی لیکن اس وقت جن لوگوں کے پاس ایک سے زائد بیبیاں تھیں انہیں نصیحت کی گئی کہ وہ بعض بیبیوں کی خاطر سے بعض کو معلق نہ چھوڑدیں - یہ ہدایت آیت مذکور کے آخری حصہ میں ہے -

فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ وَإِن تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا (النساء - آیت ۱۲۸)

تو بالکل ایک ہی طرف جھک نہ پڑو اور دوسری کو اس طرح چھوڑ بیٹھو کہ گویا بیچ میں لٹک رہی ہے اور اگر درستی سے چلو اور زیادتی کرنے سے بچے رہو تو اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے (النساء۴ آیت ۱۲۸)

۱۰۶ - وہ مصنفین سخت غلطی پر ہیں جو یہ خیال کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے چار عورتوں سے نکاح جائز رکھا ہے - یا جو یہ کہتے ہیں کہ اگرچہ آپ نے غیر محدود کثرت زوجات کو جو آپ سے پہلے عرب میں رائج تھا محدود اور مقید تو کردیا - لیکن اس کو مستحکم طور سے قائم کردیا - گویا اس بیڑی کو ہلکا تو کردیا لیکن اس کے ساتھ زور سے جکڑ دیا یا جو یہ کہتے ہیں کہ کثرت زوجات کی بُرائی کم تو کی لیکن خود اسے اس عذر پر اختیار کیا کہ خداوند تعالیٰ نے آپ کے حق میں خاص رعایت کی ہے - تدابیر جو آنحضرت صلعم نے کثرت زوجات کے موقوف کرنے کے لئے اختیار کیں

وقت واحد میں متعدد شادیاں کرنے کے متعلق جو قید لگائی گئی تھی وہ اصلاح کا پہلا درجہ اور ایک عارضی تدبیر تھی - اس کے حقیقی تنسیخ کا تخم اس ناممکن العمل شرط میں ہے کہ سب بیبیوں میں یکساں عدل کیا جائے - اور ساتھ ہی یہ ارشاد ہے کہ ایسا کرنا انسان سے ممکن نہیں - یہ رواج عرب اور دوسرے مشرقی ممالک میں اس طرح رگ و پے

میں سرایت کر گیا تھا۔ کہ آنحضرت صلعم اس کے موقوف کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتے تھے کہ قرآن میں اس کے خلاف حکم دیا جائے۔ جس کی تعمیل فرض ہے (النساء ۴ آیت ۳ و ۱۲۸)۔

| | |
|---|---|
| ۳۔ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً (النساء ۴۔ آیت ۳)۔ | ۳۔ اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ کئی بیبیوں میں برابری نہ کر سکو گے تو اس صورت میں ایک ہی بی بی کرو (النساء ۴۔ آیت ۳) |
| ۱۲۸۔ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ (النساء ۴۔ آیت ۱۲۸) | ۱۲۸۔ اور تم اپنی طرف سے بہتیرا چاہو لیکن یہ تم سے ہو نہیں سکے گا کہ (کئی کئی) بیبیوں میں پوری پوری برابری کر سکو۔ (النساء ۴ آیت ۱۲۸) |

وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ اور نہ کوئی مصلح یا مقنن اس سے زیادہ کر سکتا ہے ✦

# طلاق

اہل عرب میں طلاق کی بہت غیر محدود تھی

۱۰۷۔ اہل عرب کی منتشر اور غیر متحد سوسایٹی میں طلاق کی بہت بڑی سہولت تھی اور اس وجہ سے یہ عیب عام طور پر پھیلا ہوا تھا۔ شوہر اپنی بیوی کو یکایک خیال یا وہم کی بنیاد پر جب چاہتا بغیر کسی وجہ کے دفعتہً طلاق دے سکتا تھا۔ جس کی اطلاع عورت کو وقوع واقعہ سے ایک لحہ پہلے بھی ہونی ضرور نہ تھی۔ بعض اشخاص اس خیال سے کہ اگر ان کی مطلقہ بیبیاں دوسروں سے نکاح کر لیں گی تو اُن کی ذلت ہوگی وہ انہیں قید نکاح سے علیحدہ کرنے کے بعد کس مپرسی اور بیم و رجا کی حالت میں اپنے گھروں ڈالے رکھتے تھے وہ اس قدر متلون واقع ہوئے تھے کہ ایک دفعہ طلاق دی اور پھر دوبارہ اُنہیں بلا لیا۔ اور اس طرح بار بار یہی ایر پھیر کرتے تھے اس میں نہ اُنہیں رحم آتا اور نہ شرم آتی اور نہ اُن بے خطا بیبیوں کے فیلنگز (احساسات) کی کچھ پرواہ ہوتی۔ ہر روز انہیں غیظ و غضب

خود غرضی اور تلون طلاق پر آمادہ کرتا تھا۔ ایک لفظ جو محض بے خیالی میں کہہ دیا گیا یا ایک اشارہ جس کی بناء وہم پر تھی یا ایک غصہ کا پیغام قطعی جدائی کا پیش خیمہ ہو سکتا تھا آنحضرتؐ نے اس ناجائز بدسلوکی پر ابتداء رسالت میں توجہ فرمائی اور طلاق کی اس سہولت کی روک تھام اور اصلاح کرنی شروع کی۔ ابتدائی تمدنی سورتوں میں اس مذموم رسم کے روکنے کے لئے ہر طرح کی عام و خاص عارضی اور مستقل تدبیریں کیں۔ آپ نے احکام وحی کے ذریعہ سے یہ ظاہر کر دیا کہ نکاح کے پاک عقد توڑنے سے طرفین کو ذلت اور نقصان ہوگا۔ آپ نے اپنے تابعین کو ہدایت فرمائی کہ اس قسم کی بے اعتدالی سے باہمی اعتماد بالکل جاتا رہے گا اور اُن کے گھرانوں میں چھوٹی سی چھوٹی بات پر اشتعال پیدا ہوگا۔

۱۰۸۔ سب سے اول آنحضرت صلعم نے ایلاء کی اصلاح کی۔ یہ بھی ایک قسم کی جدائی تھی۔ شوہر یہ عہد کر لیتا تھا کہ وہ جب تک چاہے بیوی کے پاس نہ جائے۔ آنحضرتؐ نے ایلاء کی مدت زیادہ سے زیادہ چار مہینے کی معین کی اور حکم دیا کہ اس کے بعد یا تو انہیں مصالحت کر لینی چاہیئے یا طلاق دینی چاہیئے۔ اس مدت کے معین ہو جانے سے بیم و رجا کا زمانہ کم ہو گیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس قسم کے واقعات میں بہت کمی واقع ہو گئی قرون اولے کے مسلمان جو ایلاء پر بحیثیت رسم خلاف اسلام کے عمل کرتے تھے اسے غیر اسلامی اور ناجائز رسم سمجھنے لگے۔ اس طرح سے طلاق میں جو سہولت تھی اُسے بہت کچھ کم کر دیا۔ قرآن میں اس کے متعلق یہ حکم ہے :۔ ایلاء کی اصلاح

| | |
|---|---|
| ۲۲۶۔ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ؁ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ؁ (البقرۃ۔ آیت ۲۲۶-۲۲۷) | ۲۲۶۔ جو لوگ اپنی بیبیوں کے پاس جانے کی قسم کھا لیتے ہیں ان کو چار مہینے کی مہلت ہے پھر اس مدت میں اگر رجوع کر لیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اگر طلاق کا پکا ارادہ کر لیں تو بھی اللہ سُنتا اور جانتا ہے۔ (البقرۃ۔ آیت ۲۲۶-۲۲۷)۔ |

۱۰۹۔ جاہلیت عرب کے ایک قدیم اور کثیر الوجود طریقہ طلاق کو قرآن مجید میں نہایت زور ایلاء و ظہار

کے ساتھ بے اثر بتایا گیا۔ اس سے میری مراد ظہار سے ہے۔ ظہار لفظ ظہر سے نکلا ہے جس کے معنے پشت کے ہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں یعنے قبل اسلام ظہار بجائے طلاق کے تھا۔ اعراب جاہلیت اپنے عربی محاورہ میں اپنی بیبیوں سے یہ کہا کرتے تھے کہ "تم میرے لئے میری ماں کی پشت ہو" قرآن مجید نے طلاق کے ان الفاظ کو بالکل لغو قرار دیا اور اس بیہودہ جھوٹ بکنے پر کفارہ مقرر کیا۔ وہ آیات یہ ہیں:-

۲۔ الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنكُم مِّن نِّسَائِهِم مَّا هُنَّ أُمَّهَاتِهِمْ إِنْ أُمَّهَاتُهُمْ إِلَّا اللَّائِي وَلَدْنَهُمْ وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُورًا وَإِنَّ اللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ ۝

(المجادلہ ۵۸۔ آیت ۲)

۲۔ تم میں سے جو لوگ اپنی بیبیوں کے ساتھ ظہار کرتے ہیں وہ (درحقیقت) کچھ ان کی مائیں تو ہیں نہیں اُن کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے اُن کو جنا ہے۔ البتہ یہ لوگ ایک بیہودہ اور جھوٹ بات کہتے ہیں اور بے شک اللہ بڑا معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔

(المجادلہ ۵۸۔ آیت ۲)

۳۔ وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِن نِّسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّا ذَٰلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝

(المجادلہ ۵۸۔ آیت ۳)۔

۳۔ اور جو لوگ اپنی بیبیوں سے ظہار کرتے ہیں پھر لوٹ کر وہی کام کرنا چاہتے ہیں جس کو کہہ چکے ہیں کہ (نہیں کرینگے) تو ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے مرد کو ایک بردہ آزاد کرنا چاہیئے۔ مسلمانو! تم کو یہ نصیحت کی جاتی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو۔ اللہ اس سے خبردار ہے۔ (المجادلہ ۵۸۔ آیت ۳)

۴۔ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّا فَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا ذَٰلِكَ لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ {المجادلہ ۵۸ آیت ۴}

۴۔ اور جس کو بردہ میسر نہ ہو تو ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے دو مہینے کے روزے پے درپے رکھے اور جو یہ بھی نہ کر سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاوے یہ حکم اس لئے ہے کہ تم لوگ اللہ اور اُس کے رسول پر پورا پورا ایمان لے آؤ اور یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں اور منکروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (المجادلہ ۵۸۔ آیت ۴)

اسلامی فقہ میں ظہار سے طلاق نہیں ہوسکتی۔ خواہ شوہر کی یہی نیت کیوں نہ ہو[1]۔ یہ کفارہ صرف بیہودہ جھوٹ بکنے کا ہے "اگر اس ممانعت کی خلاف ورزی کی جائے (یعنے کفارہ ادا کرنے سے پہلے مقاربت کی جائے) تو اس کے لئے کوئی زائد سزا نہ دی جائے گی[2]"۔

تیسری آخری طلاق۔

۱۰۱۔ ایسی حالت میں جب کہ شوہر نہ تو اس بات پر راضی تھا کہ اپنی بی بی کو اپنے پاس رکھے۔ اور نہ وہ یہ چاہتا تھا کہ دوسرے اس سے شادی کریں۔ اور چونکہ طلاق اور عارضی مصالحت کی کوئی حد نہ تھی اس لئے وہ اسے طلاق دے دیتا اور پھر بلا لیتا اور اسی طرح ایک مدت دراز تک یہی ہیر پھیر کرتا رہتا تھا۔ لہذا آنحضرت صلعم نے طلاق اور مصالحت کی تعداد دو تک محدود کر دی اور ہر ایک طلاق کے لئے مدت طویل غور کرنے کے لئے معین کی۔ تیسری طلاق سوائے ایک ایسی حالت کے جو عربوں کی عزت و رشک کے خلاف ہے قطعی ہو جاتی تھی اور واپس نہیں ہو سکتی تھی۔

| | |
|---|---|
| ۲۲۸۔ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاکٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ (البقرہ ۲ - آیت ۲۲۸) | ۲۲۸۔ طلاق دو مرتبہ ہے پھر دو طلاقوں کے بعد یا تو دستور کے مطابق زوجیت میں رکھنا یا حسن سلوک کے ساتھ رخصت کر دینا چاہیئے۔ (البقرۃ ۲۔ آیت ۲۲۸) |

لیکن اگر شوہر پھر وہی زبردستی کا معاملہ کریں یعنے اپنی بی بی کو تیسری طلاق دیدیں تو آپس کی رضامندی سے اس جھگڑے کو طے نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ وہ اس سے پہلے کر سکتے تھے۔ اگر کوئی بی بی تیسری طلاق کے بعد کسی دوسرے سے شادی کر لے اور اسی کے تھوڑے ہی دنوں بعد بیوہ ہو جائے تو بھی وہ اپنے پہلے شوہر کے پاس واپس نہیں آ سکتی۔ البتہ اس صورت میں کہ وہ کسی دوسرے سے نکاح کرلے اور طلاق کے بارہ میں اس قدر تعریض موجود ہونے کے بعد بھی دوسرا شوہر اسے طلاق دیدے تو پھر پہلا شوہر اس کے ساتھ جدید طور سے عقد کر سکتا ہے۔

[1] ہدایہ گریڈی صفحہ ۱۱۷ مطبوعہ لندن ۱۸۷۰ء۔ [2] ہدایہ گریڈی صفحہ ۱۱۷ مطبوعہ لندن ۱۸۷۰ء۔

۲۲۹- فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ (البقرۃ۲- آیت ۲۲۹)

۲۲۹ پھر اگر (تیسری بار) عورت کو طلاق دیدی تو وہ عورت اس کے لئے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرلے اب اگر دوسرا شوہر اس کو طلاق دیدے تو دونو میاں بی بی پر کچھ گناہ نہیں کہ پھر ایک دوسرے کی طرف رجوع کرلیں بشرطیکہ دونو کو توقع ہو کہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدوں کو قائم رکھیں گے اور یہ اللہ کی قائم کی ہوئی حدیں ہیں جن کو وہ ان لوگوں کے لئے بیان فرماتا ہے جو جاننے والے ہیں۔

یہ تدبیر خواہ کیسی ہی بھدی ہو مگر عارضی تھی اور اس سے عرب کی ناشایستہ رسم طلاق پر عجیب و غریب اثر پڑا۔ چونکہ یہ معاملہ شوہر اول کو بہت ناگوار ہوتا تھا۔ لہذا یہ نتیجہ ہوا کہ یہ بے تکی طلاقوں کی مانع ہوئی اور اس سے قطعی طلاقوں کی تعداد میں کمی ہوگئی اور جب اس کا پورا عمل ہوگیا تو یہ شرط بھی اُٹھادی گئی۔ (البقرۃ۲- آیت ۲۳۱-۲۳۲)۔

مہر بھی کثرت طلاق کے خلاف ایک تدبیر تھی

۱۱۱- طلاق کی صورت میں مہر کا ادا کرنا لازم ہے لیکن شرعی لحاظ سے مہر کی کوئی مقدار معین نہیں کی گئی ہے یہ بھی کثرتِ طلاق کے روکنے کے لئے ایک تدبیر تھی۔

۲۳۵- لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (البقرۃ ۲ آیت ۲۳۵)

۲۳۵- اگر تم نے عورتوں کو ہاتھ تک نہ لگایا ہو اور اُن کا نہ مہر ٹھیرایا ہو اور اس سے پہلے ان کو طلاق دیدو تو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ایسی عورتوں کے ساتھ کچھ سلوک کردو مقدور والے پر اپنی حیثیت کے موافق اور بے مقدور پر اپنی حیثیت کے موافق حسب دستور (سلوک کرنا چاہیئے) نیک لوگوں کے ذمہ ایک حق ہے {البقرۃ ۲ آیت ۲۳۵}

۲۳۶- وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ

۲۳۶- اور اگر ہاتھ لگانے سے پہلے عورتوں کو طلاق دیدو اور اُن کا مہر ٹھیرا چکے ہو تو جو کچھ تم نے ٹھیرایا تھا اُس کا آدھا دینا چاہیئے مگر یہ کہ عورتیں معاف کردیں یا وہ شخص معاف کردے جس کے ہاتھ میں عقد نکاح کا اختیار ہے وہ اپنا حق چھوڑ دے اور اگر اپنا

وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۭ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ (البقرہ ۲- آیت ۲۳۶)

حق چھوڑ دو تو یہ پرہیزگاری سے قریب ہے اور آپس میں ایک دوسرے پر احسان کرنا نہ بھولو جو کچھ تم کرتے ہو بیشک اللہ اس کو دیکھتا ہے۔ (البقرہ ۲- آیت ۲۳۶)

۴۹- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ (الاحزاب ۳۳- آیت ۴۹)

۴۹- مسلمانو! جب تم مسلمان عورتوں کو اپنے نکاح میں لاؤ پھر اُن کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دیدو تو عدت میں بٹھانے کا تم کو اُن پر کوئی حق نہیں جس کا تم شمار کرو بلکہ اُن کے ساتھ کچھ سلوک کرو اور خوش اسلوبی کے ساتھ اُن کو رخصت کردو۔ (الاحزاب ۳۳- آیت ۴۹)-

۱۹- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَاۗءَ كَرْهًا ۭ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۝ (النساء ۴- آیت ۱۹)

۱۹- اے مسلمانو! تم کو جائز نہیں کہ زبردستی عورتوں کے وارث بنو۔ اور اُن کو اس لئے بند نہ کر رکھو کہ کچھ اپنا دیا ہوا اُن سے چھین لو۔ ہاں اُن سے کھلی ہوئی بدکاری سرزد ہو تو (بند رکھنے کا) مضایقہ نہیں اور بیبیوں کے ساتھ حسن سلوک سے رہو سہو اور اگر تم کو بی بی ناپسند ہو تو عجب نہیں کہ تم کو ایک چیز ناپسند ہو اور اللہ اسی میں بہت سی خیر و برکت دے۔ (النساء ۴- آیت ۱۹)

۲۰- وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ۭ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ (النساء ۴- آیت ۲۰)

۲۰- اور اگر تمہارا ارادہ ایک بی بی کو بدل کر اس کی جگہ دوسری بی بی کرنے کا ہو تو گو تم نے پہلی بی بی کو ڈھیر سارا مال دیدیا ہو تاہم اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لینا کیا بہتان لگا کر اور صریح گناہ کر کے اپنا دیا ہوا اس سے واپس لیتے ہو۔ (النساء ۴- آیۃ ۲۰)

۲۱- وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا

۲۱- اور دیا ہوا کیسے واپس لے لو گے حالانکہ تم ایک دوسرے کے ساتھ صحبت کر چکے ہو اور بیبیاں نکاح کے وقت مہر و نفقہ وغیرہ

غَلِيظًا (النساء ۴- آیت ۲۱)

کا تم سے پکا قول لے چکی ہیں۔ (النساء ۴- آیت ۲۱)

بغیر فتوے عدالت طلاق نہیں ہو سکتی

**۱۲۔ شوہر کی بدسلوکی، عورت کی سرکشی، باہمی مناقشے اور اَن بَن کی صورت میں بھی قرآن مجید نے طلاق کی اجازت کو لازمی نہیں قرار دیا۔**

۳۴۔ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا (النساء ۴- آیت ۳۴)

۳۴۔ اور تم کو جن بیبیوں سے نافرمانی کا اندیشہ ہو تو (پہلی دفعہ) ان کو سمجھا دو پھر ان کو بستر پر تنہا چھوڑ دو (اس پر بھی نہ مانیں تو) پھر ان کو مارو پس اگر وہ اطاعت کر لیں تو ان پر الزام کے پہلو نہ ڈھونڈو۔ بے شک اللہ برتر و بزرگ ہے (النساء ۴- آیت ۳۴)

۳۵۔ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا (النساء ۴- آیت ۳۵)

۳۵۔ اور اگر تم کو میاں بی بی میں ناچاقی کا اندیشہ ہو تو ایک ثالث مرد کے کنبے سے اور ایک ثالث عورت کے کنبے سے مقرر کرو یہ دونوں ان میں میل کرا دینا چاہیں گے تو اللہ دونوں میاں بی بی میں موافقت کرا دے گا۔ اللہ واقف اور خبردار ہے۔ (النساء ۴- آیت ۳۵)

۱۲۸۔ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ

۱۲۸۔ اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے مخالفت یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو تو میاں بی بی پر کسی پر کچھ گناہ نہیں

[1] یہ اختیار قدیم حالت حکومت میں دیا گیا تھا جبکہ کوئی عدالت یا جج نہ تھے خاندان کا سردار ہی گھر کا جج تھا۔ یہ قدیم خاندانی حکومت کی خصوصیت تھی۔ لیکن جب یہ صورت بدل گئی اور جمہوری حکومت قائم ہو گئی تو زن و شو کو لازم ہوا کہ ججوں کے سامنے اپنا معاملہ پیش کریں اور ان کے فیصلہ پر عمل کریں۔ جیسا کہ بعد کی آیت میں حکم دیا گیا ہے۔ معتزلہ جو مسلمانوں کا ایک قدیم اور عقلی فرقہ ہے اس کی رائے ہے کہ طلاق کے لئے قاضی کا حکم ہر حال میں حاصل کرنا ضروری ہے اور یہی شرعی طلاق ہے۔ لہٰذا ایسی طلاق جو صرف شوہر یا بیوی کی طرف سے ہو وہ صحیح نہیں جب تک کہ حاکم شرع نے اس کو تسلیم نہ کیا ہو یا اس کے سامنے نہ دیا گیا ہو۔ کیونکہ معتزلہ کی رائے میں یہ تمدن کے اصول کے بالکل خلاف ہے کہ مرد یا عورت کو اجازت دیدی جائے کہ وہ اپنی خوشی اور مرضی پر عقد نکاح کو توڑ ڈالیں"۔

(دیکھو "پرسنل لا آف دی محمڈنس" مولفہ مولوی سید امیر علی ایم اے۔ ال ال۔ بی صفحہ ۳۵)۔

عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ (النساء ۴- آیت ۱۲۸)

کہ اصلاح کی کوئی بات ٹھیرا کر آپس میں صلح کریں اور صلح (ہر حال میں) بہتر ہے اور حرص تو جان سے لگی ہوئی ہے اور اگر تم اچھا سلوک اور پرہیزگاری کرو تو خدا تمہارے ان نیک کاموں سے باخبر ہے۔ (النساء ۴- آیت ۱۲۸)۔

۱۲۹- وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (النساء ۴- آیت ۱۲۹)

۱۲۹- اور تم (اپنی طرف سے) بہتیرا چاہو لیکن یہ تم سے ہرگز نہ ہو سکیگا کہ کئی کئی بیبیوں میں پوری پوری برابری کرسکو (خیر) بالکل ایک ہی طرف نہ جھک پڑو اور دوسری کو اس طرح چھوڑ بیٹھو کہ گویا بیچ میں لٹک رہی ہے اور اگر درستی سے چلو اور زیادتی کرنے سے بچتے رہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے {النساء ۴ آیت ۱۲۹}

۱۳۰- وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ۝ (النساء ۴- آیت ۱۳۰)

۱۳۰- اور اگر (صلح نہ ہو سکے) اور میاں بی بی جدا ہو جائیں تو اللہ اپنی وسعت (فضل) سے ہر ایک کو آسودہ رکھے گا اور اللہ گنجایش والا اور حکمت والا ہے (النساء ۴- آیت ۱۳۰)

مصالحت کے متعلق آنحضرتؐ کی خاص تدابیر۔

۱۳۱- زن و شو کی مصالحت کی غرض سے خاص خاص تدابیر اختیار کی گئیں مثلاً شوہر بی بی کو زمانۂ طلاق میں گھر سے باہر نہیں نکال سکتا۔ انہیں وہیں رکھنا چاہیئے جہاں شوہر خود رہتا ہے۔

۱- يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ لَا

۱- اے پیغمبر (اور اے مسلمانو) جب تم بیبیوں کو طلاق دینی چاہو تو اُن کو اُن کی عدت (کے شروع ہونے) پر طلاق دو اور عدت کا حساب کرتے رہو اور اللہ سے جو تمہارا پروردگار ہے ڈرتے رہو (عدت میں) اُن کو اُن کے گھروں سے نہ نکالو اور وہ خود بھی نہ نکلیں مگر جب علانیہ بدکاری کریں اور یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں اور جس شخص نے اللہ کی مقرر کی ہوئی حدوں سے

| | |
|---|---|
| تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًاo (الطلاق ۶۵ - آیت ۱) | قدم باہر رکھا تو اس نے آپ ہی اپنے اوپر ظلم کیا اے شخص تو نہیں جانتا شاید اس کے بعد اللہ کوئی نئی صورت پیدا کردے۔ [الطلاق ۶۵ آیت ۱] |
| ۲-فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَھُنَّ فَاَمْسِکُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْفَارِقُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّ اَشْھِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْکُمْ وَ اَقِیْمُوا الشَّھَادَۃَ لِلّٰہِ ذٰلِکُمْ یُوْعَظُ بِہٖ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًاo (الطلاق ۶۵ - آیت ۲) | ۲- پھر جب عورتیں اپنی مدت پوری کر چکیں تو یا رجوع کرکے دستور کے مطابق اُن کو اپنی زوجیت میں رکھو یا دستور کے مطابق اُن کو رخصت کرو اور اپنے لوگوں میں سے دو معتبر آدمیوں کو گواہ کرلو اور (اے گواہی دینے والو قرب) خدا کے لئے ادا ے شہادت کرو- یہ نصیحت کی باتیں اُن لوگوں کو سمجھائی جاتی ہیں جن کو اللہ اور روز آخرت کا یقین ہے اور جو شخص خدا سے ڈرتا ہے اس کے لئے وہ کوئی راہ نکال دیگا |
| ۶-اَسْکِنُوْھُنَّ مِنْ حَیْثُ سَکَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِکُمْ وَلَا تُضَآرُّوْھُنَّ لِتُضَیِّقُوْا عَلَیْھِنَّ وَاِنْ کُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَیْھِنَّ حَتّٰی یَضَعْنَ حَمْلَھُنَّ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَکُمْ فَاٰتُوْھُنَّ اُجُوْرَھُنَّ وَ اْتَمِرُوْا بَیْنَکُمْ بِمَعْرُوْفٍ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَہٗٓ اُخْرٰیo (الطلاق ۶۵ - آیۃ ۶) | ۶- اُن مطلقہ عورتوں کو اپنے مقدور کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم خود رہو اور اُن پر سختی کرنے کے لئے اُن کو ایذا نہ دو اور اگر حاملہ ہوں تو وضع حمل تک اُن کا خرچ اُٹھاتے رہو پھر اگر وہ تمہاری اولاد کو دودھ پلائیں تو اُن کو اُن کی دودھ پلائی کا حق ادا کرو اور آپس میں دستور کے مطابق اُجرت ٹھیرالو اور اگر آپس میں کشمکش کروگے تو کوئی دوسری عورت اُس کے لئے بچہ کو دودھ پلا دے گی- ( الطلاق ۶۵- آیت ۶) |

آنحضرت نے زید کو اپنی بی بی کے طلاق دینے سے منع کیا۔

۱۱۴- آنحضرت صلعم نے زید کو اپنی بی بی کے طلاق دینے سے منع کیا- اور قرآن میں اس کے متعلق صاف طور سے مذکور ہے کہ سب لوگوں کو اس مثال کی تقلید کرنی چاہیئے اور کوشش کرنی چاہیئے کہ طلاق دینے سے باز رہیں -

| | |
|---|---|
| ۳۷-وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْہِ اَمْسِکْ عَلَیْکَ | ۳۷- اور اے پیغمبر (اس بات کو یاد کرو) کہ جب تم اُس شخص کو سمجھاتے تھے جس پر اللہ نے اپنا احسان کیا اور تم نے بھی اس |

| | |
|---|---|
| زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰہَ (الاحزاب ۳۳۔ آیت ۳۷) | پر احسان کیا کہ اپنی بی بی کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈر۔ (الاحزاب ۳۳۔ آیت ۳۷) لہ |

میں اس موقع پر آنحضرت صلعم کی مشہور حدیث جو احادیث دارقطنی سے بروایت معاذ ابن جبلؓ ہے نقل کرتا ہوں۔ (حدیث)

| | |
|---|---|
| عن معاذ بن جبل قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا معاذ ما خلق اللہ شیئًا علی وجہ الارض احب علیہ من العتاق ولا خلق اللہ شیئًا علی وجہ الارض ابغض الیہ من الطلاق (رواہ الدارقطنی) | معاذ بن جبلؓ سے ہے کہا معاذ نے ارشاد فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے۔ اے معاذ! "دنیا میں کوئی شے خدا نے نہیں پیدا کی جس کو وہ زیادہ عزیز رکھتا ہو غلاموں کے آزاد کرنے سے، اور اُس نے کوئی شے نہیں مخلوق کی جس کو وہ زیادہ ناپسند کرتا ہو طلاق سے" (مشکوٰۃ کتاب النکاح باب طلاق فصل ۳) منقول از نسخہ قلمی کتب خانہ آصفیہ سرکار عالی۔ |

آنحضرت صلعم نے طلاق کو عام طور پر برا کہا۔

۱۱۵۔ ان رکاوٹوں اور نیز دیگر تدابیر اصلاح کی وجہ سے طلاق کے واقعات نہایت کم ہو گئے۔ کامل طور سے غور کرنے کے لئے اس توقع پر کافی وقت دیا گیا کہ شاید کوئی خوش کن نتیجہ برآمد ہو (البقرۃ ۲۔ آیت ۲۲۸ و ۲۲۹۔ الطلاق ۶۵۔ آیت ۱ و ۴) علاوہ اس کے ایک بہت ناگوار قانون (اگرچہ وہ عارضی تدبیر تھی) جاری کیا گیا۔ (البقرۃ ۲ آیت ۲۳۰) جس سے عربوں کی نہایت مغرور و سریع الحس اور رشک کرنے والی طبائع پر بہت بڑا اثر پڑا اور یہ بغیر غور و فکر اور بے سوچے سمجھے طلاق کے لئے ایک بڑا اثر ضمانت ثابت ہوئی اور اس عرصہ میں شوہروں کو اپنی مطلقہ بیبیوں کو اپنے ساتھ ایک ہی گھر میں رکھنا

لہ جے۔ ایم آرنلڈ ڈی ڈی لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے زید کو طلاق دینے کی ترغیب دی (دیکھو اسلام اٹس ہسٹری کریکٹر اینڈ ری لیشن ٹو کرسچیانٹی از جان میولی سین آرنلڈ ڈی ڈی مطبوعہ لندن ۱۸۷۴ء صفحہ ۱۱۰) ڈی ڈی آرنلڈ نے جس آیت کے حوالے سے ایسا لکھا ہے اُس کی بالکل غلط اور جھوٹی تعبیر کی ہے۔

الاحزاب ۳۳۔ آیت ۳۷ میں صاف طور سے لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم نے زید کو اپنی بیوی کے طلاق دینے سے منع کیا اور اُن کو نصیحت کی کہ خدا کا خوف کریں اور اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھیں۔

پڑتا تھا۔ طلاق کی تصدیق کے لئے دو معتبر گواہ بلائے جاتے تھے اور عموماً شوہروں کو ہدایت کی جاتی تھی کہ وہ محبت و مہربانی اور رحم و عفو سے کام لیں اور خدا سے خوف کریں (النساء ۴۔ آیت ۲۳ و ۳۹ و ۱۲۷ و ۱۲۸) جب ان تمام رکاوٹوں سہل تدابیر اور عام اصول نے طلاق کی سہولتوں میں بہت کچھ کمی پیدا کر دی اور اسے تقریباً روک دیا تو عارضی رکاوٹیں جن سے بہت عمدہ نتائج پیدا ہوتے تھے رفتہ رفتہ اُٹھا دی گئیں اور اس لئے اس مسئلہ کے بارے میں قرآن کے آخری حکم سے یہ تدبیر کہ اگر مطلقہ عورت جسے تین بار طلاق دی گئی کسی دوسرے سے شادی کرلے اور پھر وہ اُسے طلاق دیدے تو اس حالت میں عورت اپنے پہلے شوہر کے پاس آسکتی ہے بالکل موقوف کر دیا گیا۔

۲۳۰۔ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ (البقرۃ ۲۔ آیت ۲۳۰)

۲۳۰۔ اور جب تم عورتوں کو طلاق دیدو اور اُن کی عدت پوری ہو جائے تو دستور کے مطابق اُن کو زوجیت میں رکھو یا اُن کو اچھی طرح رخصت کردو اور ضرر پہنچانے کے لئے اُن کو روک نہ رکھو کہ بعد کو اُن پر ظلم کرو اور جس نے ایسا کیا تو اس نے اپنے اوپر ظلم آپ کیا اور اللہ تعالےٰ کے احکام کو ہنسی کھیل نہ سمجھو اور اللہ نے تم پر جو احسان کئے ہیں اُن کو یاد کرو اور (اس کا یہ احسان بھی) یاد کرو کہ اس نے تم پر کتاب اور عقل کی باتیں اُتاریں۔ تم کو اُن کے ذریعہ سے اللہ نصیحت کرتا ہے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ (البقرۃ ۲۔ آیت ۲۳۰)

۲۳۱۔ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ

۲۳۱۔ اور جب تم عورتوں کو طلاق دیدو اور وہ اپنی عدت کی مدت پوری کرلیں تو اُن کو دوسرے شوہروں کے ساتھ

| | |
|---|---|
| ينكحن ازواجهن اذا تراضوا بينهم بالمعروف ذلك يوعظ به من كان منكم يؤمن بالله واليوم الآخر ذلكم ازكى لكم واطهر والله يعلم وانتم لا تعلمون۝ | نکاح کر لینے سے نہ روکو جب کہ دستور کے موافق وہ آپس میں راضی ہوں۔ یہ نصیحت اُس کو کی جاتی ہے جو تم میں اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو یہ تمہارے لئے بڑی پاکیزگی اور بڑی صفائی کی بات ہے۔ اور اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔ |
| (البقرۃ ۲۔ آیت ۲۳۱) | (البقرۃ ۲۔ آیت ۲۳۱) |

یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلعم نے ان دونو شخصوں پر لعنت کی ہے۔ اس پر جو بیچ میں پڑتا ہے اور اس پر جس کے لئے یہ تدبیر کی جاتی ہے کہ قطعی مطلقہ عورت کا نکاح پھر شوہر اول سے جائز کر دیا جائے۔ یہ حدیث پیغمبرؐ سے دارمی نے بروایت عبداللہ بن مسعود اور ابن ماجہ نے بروایت علی و ابن عباس و عقبہ بن عامر بیان کی ہے۔

تیسری طلاق

۱۱۶۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے اور بہت کم ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اس مضمون پر توجہ کی ہے کہ وہ عارضی تدبیر جس کا ذکر (البقرہ ۲۔ آیت ۲۲۹) میں ہے یعنے یہ کہ تین طلاق دی ہوئی عورت کا ایک نکاح کرکے اور پھر بذریعہ طلاق اُس کا عقد شوہر اول سے کر دیا جائے کوئی ضروری شرط نہیں ہے جو اس مقصد کے لئے عمل میں لائی جائے۔ تین طلاقوں کے بعد جن میں ہر طلاق طویل مدت اور غور و خوض کے بعد دی جائے پھر زن و شو کا عقد ہونا بالکل ناجائز کر دیا گیا ہے۔ تیسری طلاق کے بعد مصالحت کا کوئی موقع بجز اس صورت کے نہیں ہے کہ وہ مطلقہ عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح کرلے اور یہ دوسرا شخص باوجود اُن تمام موانع کے جو طلاق کے لئے قرار دی گئی ہیں اُسے کسی وقت طلاق دیدے۔ شارع کی ہرگز یہ نیت نہ تھی کہ وہ کوئی ایسا قانون بنائے کہ جس کے ذریعہ سے عورتوں کو ایسا مکروہ اور ناگوار طریقہ اختیار کرنا پڑے اور ایک عارضی شوہر سے طلاق لے کر پھر شوہر اول سے نکاح کرلے۔ یہ طریقہ جو ناشایستہ اور خلاف آداب و اخلاق اور عورتوں کے لئے حیاسوز ہے کبھی جائز نہیں رکھا جاسکتا۔ یہ صرف حالات گرد و پیش پر منحصر تھا۔

پیروانِ اسلام کے لئے یہ کوئی ضروری شرط نہ تھی۔ یہ خوب معلوم تھا کہ اس قسم کی طلاق کے موقعے بہت ہی کم تھے کیونکہ شارع کی خاص نیت یہ تھی کہ طلاق کے رواج کو کم کیا جائے اور حتی الامکان اسے روکا جائے۔ اس لئے یہ ناممکن تھا کہ ایک عارضی شوہر کو خاص اس غرض سے مہیا کیا جائے کہ اس سے ایک مطلقہ کی شادی کر دی جائے تاکہ شوہر اوّل سے اس کے عقد کے لئے جواز پیدا ہو جائے۔

اسلامی قانون دیوانی دربارۂ طلاق۔

۱۷۔ گزشتہ فقرات میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے معلوم ہوگا کہ یہ خیال کرنا کہ آنحضرت صلعم نے طلاق کی سہولت کی عام اجازت دی یا نہایت آسان شرائط کے قائم کرنے سے طلاق کے رواج کو جاری رکھا سخت غلطی ہے۔ بلکہ برخلاف اس کے آپ نے اپنی طرف سے انتہا درجہ کی کوشش کی کہ جہاں تک ممکن ہو اس رواج کو روک دیا جائے آپ نے کبھی شوہر کو اجازت نہیں دی کہ بجز بد اطواری یا بغیر قانونی کارروائی یا عدالت میں مقدمہ پیش کئے اپنی بیوی کو طلاق دیدے۔ تمام قواعد اور قانون جو قرآن میں مذکور ہیں اور خصوصاً آخر زمانے کے، وہ اُن حالات کے متعلق ہیں جب کہ زن و شو کے خانگی جھگڑے انتہائی حالت کو پہنچ جائیں یا اُن میں سخت تنفر پیدا ہو جائے یا جب اُن کے آن بَن کی نوبت یہاں تک پہنچ جائے کہ اُن کا مل جُل کر رہنا دشوار ہو جائے۔ یہ محمڈن سول لا (مسلمانوں کا قانون دیوانی) ہے جس نے اسلامی شریع کو اس بارے میں ایسا نازیبا بنا رکھا ہے۔ اگرچہ محمڈن سول لا طلاق کے متعلق یہ تسلیم کرتا ہے۔ کہ "دراصل اس کی ممانعت کی گئی تھی اور اب بھی یہ بُری نظر سے دیکھی جاتی ہے لیکن ان بُرائیوں کے روکنے کے لئے اس کی اجازت دی گئی ہے جو طلاق سے زیادہ خوفناک ہیں[1]" لیکن اس میں قرآن کے اس مقصد کا خیال نہیں رکھا گیا جو اس رواج کا مانع

[1] بیلیز ڈائجسٹ آف محمڈن لا۔ فصل ۳۔ باب ۱ صفحہ ۲۰۶ سکنڈ اڈیشن مطبوعہ لندن ۱۸۶۹ء۔ یہ امر کہ طلاق کی سہولت پیدا کرنے سے ایسی خرابی پیدا نہیں ہوئی جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے۔ ذیل کے (دیکھو صفحہ ۴۸)

ہے اور صلح کو ترجیح دیتا ہے۔ اور چونکہ اس قانون میں قرآن کی اس غایت کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ لہذا عربی رسم ورواج کی وہ تمام خرابیاں اور بدعنوانیاں اس میں داخل ہیں جو آنحضرتؐ سے قبل رائج تھیں اور شوہر بلا کسی وجہ اور کسی اصول کے اپنی بیبیوں کو طلاق دے سکتے ہیں[۱]۔

۱۸ ۔ مسیحی مصنفین اکثر اس پر بحث کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت عیسےؑ نے طلاق کی ممانعت کر دی ہے۔ چنانچہ انجیل میں آیا ہے۔ حضرت مسیحؑ کا طلاق اور یہودی طلاق کی مذمت

"جو شخص سوائے وجہ زنا کے اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے وہ اُسے زانیہ بناتا ہے اور جو کوئی مطلقہ سے
"شادی کرتا ہے وہ زنا کا مرتکب ہوتا ہے۔ (متی باب ۵۔ آیت ۳۲)۔
"جو کوئی سوائے وجہ زنا اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے اور دوسری سے نکاح کرتا ہے وہ زنا کرتا ہے اور
"جو کوئی مطلقہ سے نکاح کرتا ہے وہ بھی زنا کرتا ہے۔ (متی باب ۱۹۔ آیت ۹)۔
"جو کوئی اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے دوسری سے شادی کرتا ہے وہ اس سے زنا کرتا ہے۔ اور اگر عورت

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۷) اقتباس سے واضح ہوگا:۔

"یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ کثرت ازدواج کا جواز اور طلاق کی ظاہرا سہولت خالص عدل کے مستحکم اصول کے مطابق نہیں لیکن اس کی برائی محض خیالی ہے اور عمل میں اس سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی"۔

"زن وشو کے طلاق کا فتوٰے ایسی سہولت سے دیدیا جاتا ہے جیسے اہل روما میں منگنی کے فسخ کا فتوٰے دیاجاتا تھا۔ طلاق کے لئے کسی خاص وجہ کی ضرورت نہیں ہے محض خیال یا وہم کافی ہے۔ جہاں عزت اور صداقت کے خیالات بیوی کو بلا وجہ طلاق دینے کے زیادہ مانع نہیں ہیں وہاں دنیاوی رکاوٹیں کچھ کم نہیں ہیں مثلاً طلاق دینے پر مہر طلب کیا جاتا ہے اور اسی روک کے لئے عموماً یہ قاعدہ ہوگیا ہے کہ مہر اس قدر بڑے بڑے باندھے جاتے ہیں کہ اُن کا ادا کرنا خاوند کی طاقت سے باہر ہوتا ہے (پرنسپلز ویریسیڈنس آف محمڈن لا) (اصول ونظائر شرع محمدی) (مولفہ ڈبلیو ایچ میک ناٹن اسکوائر بنگال سول سرویس صفحہ ۲۲ و ۲۵)۔

[۱] ابراہیم حلبی لکھتے ہیں کہ "شرع نے مرد کو ابتدائً نکاح کے فسخ کرنے کا اختیار دیا ہے جس حالت میں کہ عورت سرکش و بدمزاج یا بدچلن ہو اور زندگی تلخ کردے لیکن جب تک قوی وجوہ نہ ہوں طلاق مذہب وشرع دونوں کی نظر میں جائز نہیں ہوسکتی۔ اگر وہ محض وہم وخیال پر اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے تو وہ اپنے اوپر خدا کا غضب لیتا ہے کیونکہ پیغمبرؐ نے فرمایا ہے "خدا اس پر لعنت کرتا ہے جو اپنی بیوی کو بلا وجہ نکال دیتا ہے"۔ (پرسنل لا آف محمڈنس مولوی سید امیر علی ایم۔ اے۔ ایل ایل بی مطبوعہ لندن ۱۸۸۰ء)۔

"خاوند کو جدا کرتی اور دوسرے سے شادی کر لیتی ہے تو وہ زنا کرتی ہے۔ (مرقس باب ۱۰۔ آیت ۱۱و۱۲)
"جو شخص بیوی کو طلاق دیتا اور دوسری سے شادی کرتا ہے وہ زنا کرتا ہے اور جو کوئی مطلقہ سے شادی کرتا
"وہ بھی زنا کرتا ہے۔ (لوقا باب ۱۶۔ آیت ۱۸)

میں سمجھتا ہوں کہ حضرت عیسےٰؑ نے اپنے ملک کی تمدنی اور سیاسی انتظام یا شرع میں جو پہلے سے قائم تھی دخل دینے کا کبھی خیال نہیں کیا[1]۔ اپنے سامعین کے سوال پر حضرت عیسےٰؑ نے طلاق کے ناجائز قرار دینے میں ہیراڈ انیسٹی پس کی بدنام طلاق اور شادی کے متعلق صرف عام رائے میں حصہ لیا۔ جس کو حضرت یوحنا اس سے پہلے ناجائز قرار دے چکے تھے۔ اور جس کی عام طور پر لوگوں نے بہت کچھ مخالفت کی تھی۔

لیکن یہ حقیقی طلاق کا معاملہ نہ تھا جس کی بناء باہمی عدم اتحاد و مصالحت یا باہمی ناقابل برداشت منافرت یا فریقین کی ایسی حالت پر ہو کہ آپس میں مل جل کر رہنا ناممکن

[1] طلاق کی قطعی ممانعت جس کی حمایت عیسائی آج کل بہت کچھ کرتے ہیں۔ ابتدا میں دراصل عیسائی قوموں پر بغرض رفاہ نہیں عائد کی گئی بلکہ عقد کو ایک امر مقدس خیال کر کے ایسا کیا گیا۔

دو کونسلوں نے جو بہت سے دوسرے معاملات میں سول لا سے اختلاف رکھتی تھیں طلاق کے متعلق یہ رائے ظاہر کی کہ وہ مطلق گناہ نہیں ہے۔ کانسٹین ٹائن نے اس میں تین جرموں کی قید لگائی یعنے تین جرم خاوند کی طرف کے اور تین بیوی کی طرف کے۔ لیکن اس کے قانون کے مقابلہ میں لوگوں کے عادات زیادہ قوی ثابت ہوئے قانون میں ایک دو تبدیلیوں کے بعد جسٹینین کوڈ میں طلاق کی کامل اجازت بحال کر دی گئی۔ عیسائی علماء کو ایسے طلاق کے مقدمہ میں کچھ تامل نہ ہوتا تھا جبکہ بیوی فعل زنا کی مرتکب ہو اس کے علاوہ باقی تمام صورتوں میں انہوں نے طلاق کو جرم قرار دے رکھا تھا اور جو عیسائی طلاق کے مسئلہ میں سول لا (قانون دیوانی) پر عمل کرتے تھے۔ ان کے لئے استغفار کی میعادیں مقرر کیں۔ صدہا سال تک اس قانون میں دو عملی جاری رہی۔ جاہلیت کی قانون کی رو سے ان لوگوں پر جو اپنی بیویوں کو طلاق دیتے تھے سخت جرمانے کئے جاتے تھے۔ شارلمین نے طلاق کو جرم قرار دیا لیکن اس کے لئے کوئی سزا مقرر نہ کی۔ بلکہ خود اس نے طلاق دی۔ اس کے برعکس کلیسا نے تکفیر کا رعب بٹھا رکھا تھا اور بعض صورتوں میں اُن لوگوں کے متعلق جو اس جرم کے مرتکب پائے گئے اپنا فتوے جاری بھی کر دیا۔ آخر بارھویں صدی میں انہیں کامل طور پر کامیابی ہوئی اور سول لا نے کلیسا کے قانون کو اختیار کیا اور طلاق کی قطعی ممانعت کر دی۔ (لیکز ہسٹری آف یوروپین مارلز جلد ۲ صفحہ ۳۵۴)۔

ہوگیا ہو اور وہ بھی وہ قوی وجوہ ہیں جس کی بنیاد پر قرآن نے تمام اخلاقی معاشرتی اور قانونی مصالحت پیدا کرنے والی تدابیر کے بعد طلاق کی اجازت دی ہے اور نہ یہ معاملہ موسے کے قانون طلاق سے کچھ مختلف تھا جس کی رو سے ایک عورت کو صرف غلاظت یا ننگے ہونے (عداوت) کی وجہ سے طلاق دی جاسکتی ہے۔ اس قانون کی دو تعبیریں کی گئی ہیں۔ ہیل اور اس کے پیروؤں نے یہ معنی لئے ہیں کہ اگر شوہر کو بیوی سے نفرت ہو جائے تو طلاق کا دینا جائز ہے۔ اور بہ لحاظ تعبیر یہ معنی صحیح ہیں۔ لیکن فرقِ شمی نے اس کا مفہوم یہ بتایا ہے کہ طلاق صرف شرمناک بیحیائی کی حالت میں جائز ہے۔ یہ اخلاقاً تو صحیح ہے لیکن تعبیراً تو درست نہیں ہے اس طلاق کا واقعہ یہ ہے۔ کہ ہیرڈ انیٹی پاس فرماں روائے گلیلی نے جو ایک بے قصور اور غیر مطلقہ زوجہ کے ساتھ شادی کر چکا تھا فلپ کی خطاوار بیوی سے کہ وہ بھی غیر مطلقہ تھی بلا کسی عذر وحیلہ کے محض شہوت کے زور میں عقد کرلیا۔ اینٹی پاس روما میں اپنے بھائی ہیرڈ فلپ کے ہاں جو اس نام کے ایک حاکم کے سوا دوسرا شخص ہے مہمان تھا۔ یہ ہیرڈ ہیرڈ اعظم اور مریم دختر شمعون باشندہ بوتھوسیا کا بیٹا تھا اور چونکہ باپ نے اسے محروم الارث کردیا تھا اس لئے وہ روما میں خانگی زندگی بسر کرتا تھا۔ یہاں ہیرڈ اینٹی پاس اپنے بھائی فلپ کی بیوی ہیروڈیس کے دام میں پھنس گیا۔ اور اُس نے بھائی کی مہماں نوازی کا یہ معاوضہ کیا کہ اس کی بیوی کو بھگا لے گیا۔ اس کے فعل سے غداری اور بیحیائی اور احسان فراموشی ٹپکتی ہے۔ خاندان ہیرڈ میں باہمی شادی بیاہ اس حد تک بڑھ گیا تھا جس کی نظیر صرف مشرق اور مقدونیہ کے انتہا درجہ کے ناپاک اور بداخلاق خاندان امرا میں پائی جاتی ہے۔ ہیروڈیس ارسٹوبیولس کی بیٹی ہونے کی وجہ سے نہ صرف اینٹی پاس کی بھاوج تھی بلکہ اس کی بھتیجی بھی تھی۔ اس کے شوہر سے اس کی ایک بیٹی بھی تھی جو اب خاصی جوان ہوگئی تھی۔ خود اینٹی پاس کی شادی ایک مدت ہوئی آرینٹاس

یعنے حارث امیر عرب کی بیٹی سے ہو چکی تھی۔ اور لطف یہ ہے کہ وہ کچھ ایسا جوان بھی نہ تھا۔ کہ جوش جوانی کا عذر تک پیش کرتا۔ اس کو ابھارنے والی خالی ہوس تھی۔ اور عورت کے مد نظر فضول جاہ طلبی تھی۔ جس نے اس کی شادی کو جہاں عیاشی اور زناکاری کا خوب موقع تھا اس زندگی پر ترجیح دی جو اُسے ہیرڈ عزلت نشین جیسے شخص کے ساتھ بسر کرنی پڑتی تھی جسے ایک چھوٹی گورنری حاصل ہونے کا بھی فخر نہ تھا۔ روما سے واپس ہونے پر ہیرڈ نے اسے اپنی بیوی بنانے کا وعدہ کیا اور اس نے اس سے یہ وعدہ لیا کہ وہ اپنی بے خطا بیوی کو جو امیر عرب کی بیٹی[1] تھی طلاق دیدے۔ تمام لوگوں کی رائے میں وہ دُہرا زناکار تھا۔ ایسا زناکار جس نے زناکار بیوی سے زناکاری کی شادی کی۔ حضرت عیسٰیؑ بھی عام رائے کے ہم خیال تھے اور انہوں نے بغیر نام لئے اس شادی کی مذمت بیان کی۔ اگر ایسا ہی کوئی معاملہ محمد صلعم کے سامنے پیش کیا جاتا تو وہ بھی اس عام رائے کے ساتھ اتفاق کرتے +

## غلامی[2]

غلامی اور اُس کا بڑا ماخذ۔

۱۱۹۔ حضرت محمد صلعم کی بعثت کے وقت تمام عالم کے مہذب ممالک میں غلامی رائج تھی

[1] دیکھو ڈاکٹر فیرر کی لائف آف کرائسٹ (سیرت مسیح) پاپیولر اڈیشن مطبوعہ ۱۸۸۱ء صفحہ ۱۸۲۔ جوسوفس لکھتا ہے۔ "ہیرڈ ٹٹرارک (صوبہ کے چوتھائی حصہ کے حاکم) نے اریٹس کی بیٹی سے شادی کی اور ایک مدت تک اُسکے ساتھ رہا۔ لیکن ایک مرتبہ جب روما میں آیا تو ہیرڈ کے پاس آکر ٹھیرا جو اُس کا سوتیلا بھائی تھا کیونکہ یہ ہیرڈ بڑے پادری شمعون کی لڑکی کا بیٹا تھا۔ بہرحال اسے اس ہیرڈ کی بیوی ہیرڈیس سے عشق ہو گیا۔ یہ عورت اُن کے بھائی اریسٹوبوس کی بیٹی اور اگرپا اعظم کی بہن تھی۔ اس شخص نے اس سے شادی کی گفتگو کی۔ ہیروڈیس نے اُسے منظور کر لیا اور آپس میں یہ معاہدہ ہوا کہ ہیرڈ کے روما سے واپس جانے پر وہ تبدیل سکونت کرے اور اس کے پاس چلی آئے۔ ایک شرط اس شادی کی یہ بھی تھی کہ وہ اریٹس کی بیٹی کو طلاق دیدیگا"۔ (تصانیف فلے دی اس جوسوفس "اینٹی کوی ٹیز آف دی جیوز" کتاب ۱۸۔ باب ۵۔ فقرہ ۱ صفحہ ۴۲۹)+

[2] اس مضمون پر آنریبل سید احمد خاں بہادر سی۔ ایس۔ آئی نے نہایت خوبی کے ساتھ بحث کی ہے اور احکام قرآن کے رُو سے غلامی کے موقوف ہونے پر الگ رسالہ لکھا ہے جو رسالہ تہذیب الاخلاق میں چھپا ہے +

آپ نے اکناف و اطراف کے تمام اقوام میں اُسے جاری دیکھا۔ ہر ملک و سلطنت کے قوانین و رسوم کے رُو سے غلامی جائز و بجا سمجھی جاتی تھی۔ قدیم فلاسفہ و مصلحین[۵] نے اس کے موقوف کرنے کے متعلق کبھی کوئی خیال ظاہر نہیں کیا۔ قدیم انبیا حتّٰی کہ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ نے بھی اس کے خلاف قولاً یا فعلاً کبھی کچھ نہیں کیا۔ شریعت موسوی میں اس کی اجازت تھی اور عیسائی شہنشاہوں اور بادشاہوں نے اسے جائز رکھا۔ اور اپنے قوانین میں اس کے جواز کو داخل کیا۔ انبیا اور مصلحین میں سب سے پہلے اور سب سے آخر محمد رسول اللہ صلعم تھے جنھوں نے موجودہ اور آیندہ طریقہ غلامی اور اس کی تمام متعلقہ برائیوں کو جڑ سے اُکھاڑنے کے لئے کمرہمت باندھی۔ غلامی کی رونق کا سب سے بڑا ذریعہ اسیران جنگ تھے۔ کشت و خون کے بعد جو لوگ بچ رہتے تھے وہ غلام بنا لئے جاتے تھے۔ آنحضرت صلعم نے از روے احکام قرآن صاف اور صریح طور سے یہ تاکید فرمائی کہ غلام یا تو بالکل آزاد کر دئے جائیں یا تاوان لیکر چھوڑ دئے جائیں۔ اور اس طرح قدیم اقوام کی اس وحشیانہ رسم یعنے جنگ کے قیدیوں کو قتل کر دینے یا غلام بنا لینے کو بالکل موقوف کر دیا۔

قرآن کی وہ آیات جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آیندہ غلامی موقوف کر دی جائے۔ مفصلہ ذیل ہیں :-

۴۔ فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا

۴۔ تو مسلمانو (جب لڑائی میں) کافروں سے تمہاری مٹھ بھیڑ ہو تو (بے تامل اُن کی) گردنیں مارچلو یہاں تک کہ جب خوب اچھی طرح اُن کا

۵ "افلاطون نے اس بات پر زور دیا تھا کہ تمام یونانی قیدیوں کو معینہ معاوضہ ادا کرنے پر رہا کر دیا جائے (افلاطون کی کتاب ری پبلک کتاب ۵) اور سپارٹا کے جنرل کیلی کرٹے ڈی ڈس نے اس اصول پر اپنی شرافت سے عمل کیا۔ دگروٹ ہسٹری آف گریس جلد ۸ صفحہ ۲۲۴) لیکن اس کی مثال کی عموماً تقلید نہیں کی گئی۔ دلکیز ہسٹری آف یوروپین مارلز جلد ۲ صفحہ ۲۵۷) مگر ان دونو نے کبھی جنگ کے گرفتار کردہ قیدیوں کو بلا معاوضہ چھوڑنے کے متعلق کوئی خیال ظاہر نہیں کیا (چراغ علی)۔

فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا ۚ (محمد ۴۷-آیت ۴)۔

اور توڑ لو تو (اُن کی) مشکیں کس لو (یعنی قید کرلو) پھر (قید کئے) پیچھے یا تو احسان رکھ کر چھوڑ دینا یا معاوضہ لیکر یہاں تک کہ (دشمن) لڑائی کے ہتھیار رکھ دیں۔ (محمد ۴۷-آیت ۴)۔

یہ آیات آزادی کی سند اور آیندہ غلامی کی استیصال کرنے والی ہیں۔ لیکن نہایت افسوس ہے کہ نہ تو مسلمانوں نے اس پر توجہ کی (یعنے عوام مسلمانوں) اور نہ غیر مسلموں خصوصاً یورپین مصنفوں نے۔ یہ ایک فریق کی نادانی اور دوسرے کی جہالت ہے۔

قرآن نے آیندہ ہر قسم کی غلامی کو موقوف کر دیا اس کے احکام۔

۱۲۰۔ آنحضرت صلعم نے صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ آیندہ کے لئے غلامی کو موقوف کر دیا جو درحقیقت ایک بہت بڑا کارنامہ ہے۔ بلکہ آپ نے اخلاقی و قانونی اور مذہبی رُو سے ایسی تدابیر بھی اختیار کیں کہ جو غلامی اُس وقت رائج تھی وہ بھی موقوف ہو جائے +

(اول) اخلاقی۔ آپ نے اخلاقی طور سے تمام پیروان اسلام کو ہدایت کی کہ وہ اپنے قیدیوں یا غلاموں کو آزاد کریں کیونکہ غلام کا آزاد کرنا خدا کی نظر میں ایک بہت ہی نیک کام ہے۔

۸۔ أَلَمْ نَجْعَل لَّهُ عَيْنَيْنِ ۝ وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ ۝ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ۝ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ۝ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ (البلد۔ ۹۰۔ آیات از ۸ تا ۱۵)۔

۸ ۔ کیا ہم نے اُس کو (ایک چھوڑ) دو آنکھیں اور زبان اور دو ہونٹ نہیں دئے (بیشک دئے) اور اُس کو (نیکی اور بدی) کے دونو رستے بھی دکھا دئے پھر بھی (وہ ان نعمتوں کے شکر میں) گھاٹی میں سے ہو کر نہ نکلا اور (اے پیغمبر) تم کیا سمجھے کہ گھاٹی کیا ہے۔ (گھاٹی سے مراد ہے) کسی کی گردن کا (غلامی یا قرض کے پھندے سے) چھڑا دینا۔ یا بھوک کے دن یتیم کو خاص کر جبکہ وہ اپنا رشتہ دار بھی ہو۔ یا محتاج خاک نشین کو کھانا کھلانا۔ (البلد۔ ۹۰۔ آیات از ۸ تا ۱۵)۔

---

ؔ عبداللہ بن جدعان کے پاس مکے میں بہت سے (۱۰۰) غلام تھے۔ جب آنحضرت صلعم نے غلاموں کی آزادی کا اعلان کیا تو اُن میں اس قدر جوش پھیلا کہ ان کو مکہ سے نکال کر دوسری جگہ لے جانا پڑا۔

۱۷۶۔ لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ (البقرۃ۲۔ آیت ۱۷۶)

۱۷۶۔ نیکی یہی نہیں کہ نماز میں اپنا منہ (مشرق کی) طرف کرلو یا مغرب کی طرف کرو بلکہ (اصل) نیکی تو اُن کی ہے جو اللہ اور روز آخرت اور فرشتوں اور (آسمانی) کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور مال (عزیز) اللہ کی محبت پر رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیا اور (غلامی وغیرہ کی قید سے لوگوں کی) گردنوں (کے چھڑانے) میں دیا۔ (البقرۃ۲۔ آیت ۱۷۶)۔

(دوم) **قانونی**۔ آپ نے غلاموں کے مالکوں پر از روے قانون یہ فرض قرار دیا کہ غلام جس وقت آزادی چاہیں انہیں آزاد کر دیا جائے۔

۳۳۔ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ (النور۲۴ آیۃ ۳۳)

۳۳۔ اور جو لوگ نکاح (کرنے) کا مقدور نہیں رکھتے اُن کو چاہیئے کہ ضبط کریں یہاں تک کہ اللہ اُن کو اپنے فضل سے غنی کر دے اور تمہارے ہاتھ کے مال (یعنی غلاموں) میں سے جو مکاتبت کے خواہاں ہوں تو تم اُن کے ساتھ مکاتبت کر لیا کرو بشرطیکہ تم اُن میں بہتری کے (آثار) پاؤ اور مال خدا میں سے جو اُس نے تم کو دے رکھا ہے اُن کو بھی دو۔ (النور۲۴ آیۃ ۳۳)

آپ نے نادانستہ قتل انسان کے فدیہ میں بھی اس وقت کے موجودہ غلاموں کی آزادی کا حکم فرمایا۔

۹۲۔ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ (النساء۴۔ آیت ۹۲)

۹۲۔ اور جو مسلمان کو غلطی سے مار ڈالے تو ایک مسلمان بردہ آزاد کرے۔ (النساء۴۔ آیت ۹۲)۔

آپ نے مد زکوٰۃ سے غلاموں کے آزاد کرنے کے لئے ایک فنڈ قائم کیا تھا۔ اور بیت المال

سے رقم ادا کر کے غلام آزاد کئے جاتے تھے۔

۶۰۔ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (التوبہ ۹ آیت ۶۰)

۶۰۔ خیرات کا (مال) تو بس فقیروں کا حق ہے اور محتاجوں کا اور اس مال کے کارکنوں کا اور جن لوگوں کی تالیف قلب منظور ہے اور (غلاموں کی) گردنوں کے چھڑانے میں اور قرضداروں کے قرضہ میں اور خدا کی راہ میں اور مسافروں کی زادراہ میں یہ حقوق اللہ کے ٹھیرائے ہوئے ہیں اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ (التوبہ ۹۔ آیت ۶۰)۔

سوم۔ **مذہبی**۔ آپ نے یہ قاعدہ بھی قرار دیا کہ قسم کے کفارہ میں غلام آزاد کئے جائیں۔

۸۹۔ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (المائدہ ۵ آیۃ ۸۹)

۸۹۔ تمہاری قسموں میں جو لغو ہیں خدا تم سے اُن کا کچھ مواخذہ نہ کریگا البتہ جو قسمیں واقعی ہیں اُن کا مواخذہ کریگا تو اُس کے (پورا نہ کرنے کا) کفارہ دس مسکینوں کو متوسط درجہ کا کھانا کھلا دینا ہے جیسا تم اپنے اہل وعیال کو کھلایا کرتے ہو یا اُن ہی دس مسکینوں کو کپڑے بنا دینا یا ایک بردہ آزاد کرنا اور جس کو بردہ میسّر نہ ہو تو تین دن کے روزے یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب کہ تم قسم کھاؤ۔ پس اپنی قسموں کے پورا کرنے کی احتیاط رکھو۔ اس طرح اللہ اپنے احکام تم سے کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم اس کی شکر گزاری کرو۔ (المائدہ ۵۔ آیت ۸۹)۔

نیز ایک جھوٹی اور ناشایستہ بات کے کفارہ میں غلام آزاد کرنے کی ہدایت کی گئی جس کو اگر کوئی شوہر اپنی بیوی سے کہتا تو وہ عرب جاہلیت کے نزدیک بمنزلہ طلاق کے

سمجھی جاتی تھی۔ جیسا کہ میں فقرہ ۱۰۹ میں بیان کر چکا ہوں۔ یہ طریقہ بھی موقوف کیا گیا یعنے اس کو بے اثر قرار دیا گیا۔ اور اس جھوٹ بکنے کے کفارہ میں غلام آزاد کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس بارہ میں جو آیات نازل ہوئیں وہ فقرہ (۱۰۹) میں مندرج ہو چکی ہیں۔

قرآن میں غلامی کے خلاف پیش کردہ قانون اور مذہبی تدابیر۔

۱۲۱۔ آنحضرت صلعم نے انسداد غلامی کے لئے جو مستقل یا عارضی تدابیر اختیار کیں اُن سب کا خلاصہ ذیل کے عنوانوں میں کیا جا سکتا ہے:۔

(الف) **سیاسی یا مبنی بر قوانین بین الاقوام**۔ قیدی یا تو یونہی آزاد کر دئے جائیں یا تاوان لے کر۔ اس میں قیدیوں کا تبادلہ بھی شریک ہے۔

(ب) **اخلاقی**۔ غلاموں کی آزادی ایک نیک اور پرہیزگاری کا کام بنایا گیا ہے (دیکھو البلد ۹۰۔ آیت ۱۳، البقرہ ۲۔ آیت ۱۷۶)۔

(ج) **قانونی** (۱) غلام آزاد کئے جائیں۔ (النور ۲۴۔ آیت ۳۳)۔

(۲) نادانستہ قتل کے ذریعہ میں غلام آزاد کئے جائیں۔ (النساء ۴۔ آیت ۹۲)۔

(۳) بیت المال کے مد زکوٰۃ سے روپیہ ادا کر کے غلام آزاد کئے جائیں۔ (التوبہ ۹ آیت ۶۰)۔

(۴) طلاق کے ایک مذموم طریقہ کے کفارہ میں (ظہار سے مراد ہے) غلام آزاد کئے جائیں۔ (المجادلہ ۵۸۔ آیت ۳)۔

(د) **مذہبی**۔ قسم کے کفارہ میں غلام آزاد کئے جائیں۔ (المائدہ ۵۔ آیت ۸۹)۔

غلامی کے خلاف احادیث۔

۱۲۲۔ میں یہاں بعض منتخب احادیث جن کو میں نے تلاش کیا ہے نقل کروں گا۔ جس سے مجھے یہ امر دکھانا مقصود ہے کہ آنحضرت صلعم غلامی کو کس قدر بُرا سمجھتے تھے اور آپ نے ہر موقع پر کس کس طرح اس کی مذمت کی ہے۔ میں شاذ و نادر ہی احادیث نقل کرتا ہوں کیونکہ مجھے اُن کی صحت پر زیادہ اعتقاد نہیں۔ اس لئے کہ وہ عموماً غیر مستند بے ثبوت اور ایک طرفہ ہوتی ہیں۔ لیکن ان لوگوں کی دلچسپی کے لئے جو حدیث کے

بہت شائق ہیں۔ ایسی احادیث کے تلاش کرنے کا کام بھی میں نے اپنے ذمہ لیا جو غلامی کو ناجائز قرار دینے میں قرآن کی ہم زبان ہیں۔ ان کے علاوہ وہ حدیثیں رد کر دینی چاہئیں جو غلامی یا اس کی متعلقہ خرابیوں کو تسلیم کرتی ہیں۔ کیونکہ وہ قرآن کے خلاف ہیں یا غلامی کی موقوفی سے پہلے کی ہیں۔ یا اُس وقت کی موجودہ غلامی کے متعلق ہیں جو بلاشبہ قرآن ہیں برائے نام نہ کہ درحقیقت تسلیم کر لی گئی تھی۔ اور اس لئے یہ احادیث اسلام میں آئندہ غلامی کے قائم رہنے کے لئے نظیر نہیں ہوسکتیں۔

حدیث اول

**۱۲۳۔** (اول) امام شافعی۔ جو فقہ اسلام کے مذاہب اربعہ میں سے ایک مذہب کے بانی اور دوسری صدی کے آخری نصف سے تعلق رکھتے ہیں (ولادت ۱۵۰ھ وفات ۲۰۴ھ) امام بیہقی ایک فاضل محدث جو پانچویں صدی میں ہوئے (متوفی ۴۵۸ھ)۔ اور امام طبرانی نے جو چوتھی صدی کے ایک نامور محدث ہیں (متوفی ۳۶۰ھ) دو مختلف اسناد اور جداگانہ سلسلے رواۃ سے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے جنگ حُنین کے روز فرمایا کہ "اگر عربوں کا غلام بنانا جائز ہوتا تو آج بہت سے عرب اسیر ہوتے[1]"۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم غلامی کو ناجائز سمجھتے تھے۔ تاریخ سے بھی اس حدیث کی تصدیق ہوتی ہے۔ آنحضرت صلعم کے تمام سیرت نویسوں نے یہ بیان کیا ہے کہ آپ نے جنگ حُنین کے بعد[2] بنی ہوازن کے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا تھا۔

میں جانتا ہوں کہ بعض مسلمان مصنفین یہ بحث پیش کرتے ہیں کہ حدیث مذکورہ بالا کے

[1] وہو یشیر الی حدیث معاذ الذی اخرجہ الشافعی والبیہقی ان النبی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم قال یوم حنین لو کان الاسترقاق جائزا علے العرب لکان الیوم انما ہو اسرے وفی اسنادہ الواقدی وہو ضعیف جدا ورواہ الطبرانی من طریق اخری فیہا یزید بن عیاض اشد ضعفا من الواقدی . . . . . . پھر آگے چل کر اسی کتاب میں لکھا ہے کہ " وقول علی وفعلہ عند بعض المانعین من استرقاق ذکور العرب حجۃ" یعنی حضرت علیؓ کا قول اور عمل ان لوگوں کے نزدیک جو عرب کو غلام بنانا جائز نہیں سمجھتے حجت ہے۔ نیل الاوطار جلد ۷۔ صفحہ ۲۰۹ و ۲۱۰۔ مترجم۔

[2] میورز لائف آف محمد نیو ایڈیشن صفحہ ۴۳۵۔

رواۃ میں واقدی اور یزید بن عیاض دو مشتبہ راوی ہیں۔ لیکن یہ شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے یہ حدیث بنائی یا وضع کی ہو۔ کیونکہ اگر وہ یہ حدیث وضع کرتے تو اس سے انہیں کیا حاصل تھا اور ان کی کون سی غایت اس سے پوری ہوتی تھی۔ اگر یہ حدیث غلامی کے جواز کی تائید کرتی تو البتہ واقدی اور یزید کا چال چلن اپنے اپنے سلسلے میں ناقابل اعتبار ہوتا۔ لیکن یہ راوی مثل دوسرے مسلمانوں کے عموماً اور خصوصاً غلامی کے حامی تھے اور چونکہ یہ حدیث عام خیالات کے خلاف ہے لہذا یہ شبہ کرنا کہ انہوں نے اس حدیث کے مضمون میں تصرف کیا ہے بالکل فضول ہے۔ علاوہ اس کے ہمیں صرف رُواۃ ہی پر اعتماد نہیں کرنا چاہیئے بلکہ حدیث کے مضمون پر بھی غور کرنا چاہیئے۔ قرآن سے بھی اس حدیث کے مضمون کی تائید ہوتی ہے جس کے رو سے آیندہ ہر قسم کی غلامی موقوف کردی گئی ہے۔ (محمدؐ ۴۷۔ آیات ۴)

حدیث مذکورہ بالا کی تائید حضرت عمرؓ خلیفہ ثانی کے اس حکم سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے اپنے زمانۂ خلافت میں صادر فرمایا تھا کہ "کوئی عرب[1] غلام نہیں بنایا جاسکتا" امام احمد بن حنبل نے حدیث مذکورہ بالا بیان کی ہے اور روآن کریمر نے بھی اپنی کتاب "تمدن مشرق" بعہد خلفا[2] میں اسے نقل کیا ہے۔

حدیث دوم

۱۲۴۔ (دوم) امام احمد بن حنبل (متوفی ۲۴۱ھ) اور ابن ابی شیبہ (متوفی ۲۳۵ھ) نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ "آنحضرت نے ان تمام غلاموں کو جو آپ کے پاس محاصرۂ طائف کے روز آئے آزاد کردیا"[3،4]

---

[1] عن عمر قال لایسترق عربی (الشافعی ق) کنز العمال ص جلد ۵ مطبوعہ حیدرآباد دکن۔

[2] دیکھو اڈنبرا ریویو نمبر ۳۱۸ بابت ماہ اپریل ۱۸۸۲ء صفحہ ۳۴۳۔

[3] دیکھو زرقانی شرح المواہب اللدنیہ للقسطلانی جلد ۳۔ صفحہ ۳۸۔

[4] عن ابن عباس قال اعتق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوم الطائف کل من خرج الیہ من رقیق المشرکین۔ (ش) نمبر حدیث ۵۶۱۹۔ ص ۳۰۷۔ ج ۵ کنز العمال۔ مطبوعہ حیدرآباد دکن۔ مترجم۔

جنگ حنین کے بعد جس کا ذکر گذشتہ فقرے میں کیا گیا ہے۔ دشمن کے مفرور لوگوں نے قلعہ طائف میں پناہ لی جس کا محاصرہ آنحضرت صلعم نے کر رکھا تھا۔ آپ نے یہ اعلان شائع کیا کہ جو غلام قلعہ سے آپ کے پاس آئے گا وہ آزاد کر دیا جائے گا۔[1]

سر ولیم میور زمانۂ محاصرہ طائف میں آنحضرت صلعم کے متعلق یہ تحریر کرتے ہیں:-

"آپ نے محصورین کے پاس ایک اعلان بھیجا۔ جس سے وہ لوگ بہت ناراض ہوئے۔ اس
"اعلان کا مضمون یہ تھا کہ اگر شہر سے کوئی غلام ہمارے پاس آئے گا تو وہ آزاد کر دیا جائے گا۔
"تقریباً بیس غلاموں نے اس اعلان سے فائدہ اٹھایا اور وہ اپنے آزادی دینے والے کے
"سچے اور بہادر پیرو ثابت ہوئے"۔[2]

بلاذری لکھتا ہے کہ:-

"طائف کے بعض غلام آنحضرت صلعم کے پاس چلے آئے۔ اُن میں سے سب سے پہلے ابوبکرہ
"بن مسروح (جس کا نام نفیع تھا) اور ایک رومی غلام ازرق آئے۔ اس کی اولاد ازارقہ
"کہلاتی ہے۔ یہ ذات کا لوہار تھا۔ یہ نافع بن ازرق خارجی کے نام سے بھی مشہور ہے۔ یہ
"لوگ آنحضرت کے پاس آئے اور آزاد کردئے گئے"۔[3]

آپ کے اس اعلان حریت نشان سے بہت سے غلاموں نے فائدہ اُٹھایا۔ بخاری کا بیان ہے کہ پیغمبر صلعم کے پاس تئیس غلام آئے اور سب نے آزادی حاصل کی۔ ابوداؤد نے ایک اور شخص کا نام بھی لیا ہے جو بعد میں معلوم ہوا اور جس کا نام ابوبکرہ (ٹوکری والا) پڑ گیا تھا۔ کیونکہ وہ ایک عجیب ترکیب سے قلعہ کی دیوار سے ٹوکری لٹکا نیچے اُتر آیا۔ واقدی نے ایسے غلاموں کی تعداد جنہوں نے آزادی حاصل کی نو بتائی ہے۔ اور مغلطائی نے تیرہ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم غلامی کو جائز نہیں سمجھتے تھے ورنہ وہ دوسرے لوگوں کے غلاموں کو آزاد کرنے میں اپنے آپ

[1] زرقانی (ج ۳۔ ص ۳۷) میں یہ واقعہ بروایت ابن اسحٰق و واقدی وغیرہ درج ہے اور زاد المعاد (ج ۱۔ صفحہ ۳۴۶) مصنفہ حافظ ابن القیم میں بروایت ابن سعد۔
[2] میورز لائف آف محمد صفحہ ۴۳۴۔ نیو ایڈیشن۔ [3] فتوح البلدان بلاذری مطبوعہ یورپ ۱۸۶۶ء۔ صفحہ ۵۵ و ۵۶۔ ہم نے اصل عربی سے ترجمہ کیا ہے۔ مترجم اُردو۔

کو کس طرح بجا خیال کرتے - از روے قانون عرب و فقہ اسلام ایک مفرور غلام یا ایسا غلام جو اسلام قبول کرلے آزادی کا حق نہیں رکھتا۔[1]

۱۲۵- (زحوم) ابو داؤد (ولادت ۲۰۲ وفات ۲۷۵ ہجری) ترمذی (ولادت ۲۰۹ وفات حدیث سوم
۲۷۹ ہجری) اور حاکم نیشاپوری (ولادت ۳۲۱ وفات ۴۰۵ ہجری) نے بیان کیا ہے کہ "جنگ حدیبیہ کے دن صلح سے پہلے دو غلام آنحضرت صلعم کے پاس آئے - ان کے مالکوں نے یہ عذر کیا کہ یہ غلام کچھ رغبت سے آپ کے پاس نہیں آئے ہیں بلکہ غلامی کے خوف سے بھاگ نکلے ہیں - حاضرین نے بھی اس کی تصدیق کی - لیکن آنحضرت ص نے اُن غلاموں کو واپس دینے سے انکار کیا اور فرمایا کہ " یہ خدا کے آزاد مرد ہیں"۔[2]

پہلی حدیث کی طرح (۲) سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم غلامی کو جائز خیال نہیں فرماتے تھے - لیکن فقہ اسلام اس کے بالکل خلاف ہے - حنفی یہ کہتے ہیں کہ اگر ایک غیر مسلم غلام مسلمان بھی ہو جائے تب بھی وہ اپنے آقا ہی کی مِلک ہے۔[3]

۱۲۶- مسلمان فقیہ یہ کہیں گے کہ ایک غلام اپنے مالک سے سرکشی کرکے یعنے مالک کی بلا اجازت و منظوری بھاگ جانے اور دار الحرب سے پار ہو جانے یا اپنے مالک کے حدود ارضی سے باہر چلے جانے سے اپنا مختار یا بالفاظ دیگر خود اپنا مالک ہو جاتا ہے - اور یہ ایک ایسا حق ہے جو اُسے پہلے حاصل نہ تھا - لیکن ان میں سے کوئی سی وجہ بھی قوی نہیں

[1] دیکھو فتح القدیر شرح ہدایہ مؤلفہ ابن ہمام - جلد ۲ - صفحہ ۷۴۲ - مطبوعہ نولکشور لکھنؤ - اور عنایہ شرح ہدایہ مصنفہ اکمل الدین (جلد ۲ - صفحہ ۸۵۲ - م کلکتہ) -

[2] وعن علی قال خرج عبدان الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعنی یوم الحدیبیۃ قبل الصلح فکتب الیہ موالیھم فقالوا واللہ یا محمد ما خرجوا الیک رغبۃ فی دینک وانما خرجوا ھربا من الرق فقال ناس صدقوا یا رسول اللہ ردھم الیھم فغضب رسول اللہ صلعم وقال ما اراکم تنتھون یا معشر قریش حتی یبعث اللہ علیکم من یضرب رقابکم علی ھذا وابی ان یردھم وقال ھم عتقاء اللہ عز وجل - (رواہ ابو داؤد) نیل الاوطار جلد ۷ - صفحہ ۲۱۲ - مطبوعہ مصر - مترجم -

[3] دیکھو الغرۃ المنیفۃ فی ترجیح مذہب ابی حنیفۃ صفحہ ۲۷ -

ہے۔ کیونکہ نہ تو آنحضرت صلعم کے یہ خیالات تھے۔ اور نہ کبھی آپ نے ایسی تعلیم دی۔
پہلی وجہ میں یہ ضعف ہے کہ چونکہ غلام ایک دوسرے شخص کی ملک ہے۔ اگر وہ اس کے پاس سے بھاگ جائے اور اس طرح آپ اپنا مالک بن جائے تو گویا وہ ایک دوسرے شخص کی ملک کو غصب کرتا ہے جو اس کا حقیقی مالک ہے۔ فقہ کی اصطلاح میں ایسا غلام کبھی اپنا مالک نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ غاصب ہے۔

دوسری وجہ بھی ضعیف ہے۔ کیونکہ اگر مفرور غلام کفار کی حدود سے نکل کر اسلامی حدود میں آجائے۔ یا اس کے برعکس کرے۔ تو اس فعل سے از روئے قانون اس پر سے مالکانہ حق زائل نہیں ہوسکتا۔ ایسی صورت میں فقہ کا حکم یہ ہے کہ :-

"اگر غلام (کسی ضرورت سے) اپنے مالک (حربی) کی اجازت سے یا جبکہ مالک کے ساتھ
"امن سے رہتا ہو اسلامی کیمپ (دارالاسلام) میں آجائے (اور اسلام قبول کرلے) تو اُسے
"حق آزادی حاصل نہیں ہوسکتا۔ بلکہ برخلاف اس کے وہ بیچ دیا جائے گا۔ اور اس کی قیمت
"بحق مالک (حربی) جمع کردی جائے گی۔"[1]

اسی طرح اگر مسلمان مالک کا مسلمان غلام اسلامی حدود یا دارالاسلام سے نکل جائے تو اُسے آزادی کا حق حاصل نہیں ہوسکتا۔ بلکہ وہ لاوارث کہلائے گا۔ اور جو شخص اس پر قابض ہو جائے گا وہی اس کا مالک ہوگا۔ امام ابوحنیفہؒ کے دونوں شاگردوں کی فقہی رائے یہی ہے۔[2]

حدیث چہارم
**۱۲۷**۔ چہارم۔ حافظ ابوالحسن دارقطنی (ولادت ۳۰۶ وفات ۳۸۶ ہجری) اور امام احمد بن حنبل نے بیان کیا ہے کہ جب زید بن ارقمؓ کی ایک ام ولد نے حضرت عائشہؓ کو یہ اطلاع دی کہ اُس نے ایک غلام زید بن ارقم کے ہاتھ (۸۰۰) درہم اُدھار پر بیچا

---

[1] دیکھو ردالمحتار۔ مطبوعہ مصر۔ جلد ۳۔ صفحہ ۳۸۱۔ جامع الرموز۔ صفحہ ۴۷۹ ۵۔ وچلپی برمختصر شرح وقایہ۔
نوٹ۔ قوس میں جو الفاظ درج ہیں وہ اصل عربی ردالمختار سے ترجمہ کئے گئے ہیں۔ ورنہ اصل اقتباس کتب محولہ کا مجموعی طور سے ماحصل ہے۔ مترجم۔
[2] ہدایہ مترجمہ سی ہملٹن جلد ۲۔ صفحہ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔

ہے۔ اور پھر اسی سے (۶۰۰) درہم نقد ادا کر کے خرید لیا ہے تو حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا کہ اول تو اس کا بیچنا ہی بُرا تھا اور پھر دوبارہ اس کا خرید نا اس سے بھی بدتر ہوا۔ اور یہ حکم دیا کہ زید سے کہہ دو کہ جب تک وہ توبہ نہ کرے گا تو اس کے وہ تمام مساعی اکارت جائیں گی جو پیغمبرؐ کے ساتھ انجام دی ہیں[1]۔ غلامی کے خلاف یہ ایک بہت بڑی قوی دلیل ہے۔ حضرت عائشہ رضؓ نے بڑی سختی سے اس کی مذمت کی اور زید کو اطلاع دی کہ اس نے پیغمبر خدا کے ساتھ جتنی مساعی جمیلہ کی تھیں وہ سب اس کی اس بیع و شرے سے زائل ہو گئیں۔ کیونکہ وہ اس بارے میں پیغمبر خدا صلعم کے خیالات سے خوب واقف تھیں۔ جو فقہا یہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضؓ نے ایک شئے کو اُدھار بیچنے اور پھر اسی کو کم قیمت پر خرید لینے کی مذمت کی تھی اُن کا یہ عذر محض ایک عذر لنگ ہے۔ امام شافعی ایسی خرید و فروخت کی اجازت دیتے ہیں۔ اور اس کو بُرا کہنا قرین عقل بھی نہیں معلوم ہوتا۔

حدیث پنجم

۱۲۸ پنجم۔ بخاری (ولادت ۱۹۴ - وفات ۲۵۶ ہجری) نے بیان کیا ہے۔ کہ پیغمبر خدا صلعم اپنی بیوی ام سلمہ رضؓ کے پاس تشریف لائے۔ اس وقت ایک خواجہ سرا ام سلمہ رضؓ کے قریب بیٹھا ہوا ان کے بھائی سے یہ کہہ رہا تھا "اگر طائف کل فتح ہو گیا۔ تو بنت غیلان کو (میں بتاؤں گا اُسے) تم (اپنی لونڈی بنانے کے لئے) لے لینا۔ پیغمبر صلعم نے یہ سُن کر فرمایا کہ ایسے آدمی تمہارے پاس نہ آیا کریں[2]"۔

اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلعم کو غلامی یا غلام لڑکیوں کا رکھنا کیسا ناگوار

---

[1] عن امراۃ ابی سفیان سالت عائشہ فقلت بعت زید بن ارقم جاریۃ ابی العطاء بثمان مایۃ وابتعتها منہ بستمایۃ فقالت عائشہ رضؓ بئس واللہ ما اشتریت ابلغی زید بن ارقم انہ قد ابطل جہادہ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا ان یتوب۔ کنز العمال کتاب البیوع ج ۲۔ صفحہ ۲۳۳۔ مطبوعہ حیدر آباد۔ مترجم۔

[2] ان فتح اللہ علیکم الطائف غدا فعلیک بابنۃ غیلان" فقال النبی صلعم لا یدخلن ہٰؤلاء علیکن۔ صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوہ طائف یا تیسیر الباری پارہ ۱۷۔ صفحہ ۵۷۔ مترجم۔

گذرتا تھا۔

تاریخ سے ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ خواجہ سرا ہمیشہ کے لئے خارج البلد کر دیا گیا تھا۔ اور وہ جنگلوں میں بسر کرتا تھا۔ اُسے ہفتہ میں صرف ایک بار جمعہ کے روز بھیک مانگنے کے لئے شہر میں آنے کی اجازت تھی۔ اور یہ اجازت بھی حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں اسکی ناتوانی وضعف پر رحم کھاکے دی تھی۔[1]

حدیث ششم

۱۲۹۔ ششم۔ بخاری نے ابوسعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک روز وہ پیغمبر صلعم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک شخص آیا اور اُس نے لونڈیوں کے متعلق اپنی عادت کو بیان کیا۔ پیغمبر خدا ؐ نے (تعجب سے) فرمایا کہ "تم ایسا کرتے ہو؟ نہیں تم پر لازم ہے کہ ایسا نہ کرو۔ کیونکہ جس جان کے لئے خدا نے یہ قرار دیا ہے کہ وہ باہر آئے تو وہ ضرور باہر آکر رہے گی۔"[2]

آنحضرت صلعم نے اس موقع پر صاف طور سے تسری اور تجارتِ غلامی کی مذمت فرمائی

---

[1] قسطلانی جلد ۶۔ صفحہ ۲۳۲۔ اس مخنث کا نام ہیت تھا۔

[2] عن ابی سعید الخدری۔ ۔ قال انا نصیب سبیاً فکیف ترى فی العزل فقال او انکم تفعلون ذلک لاعلیکم ان لاتفعلوا ذلکم فانها لیست نسمة کتب اللہ ان تخرج الا ہی خارجة۔

تشریح قوا لاعلیکم ان لاتفعلوا لیس عدم الفعل واجباً علیکم (لاعلیکم ان لاتفعلوا) اس سے یہ مراد ہے کہ اس فعل کا ترک کرنا تم پر واجب نہیں ہے۔ وقال المبرد کلمۃ لا زائدۃ ای لا باس علیکم فی فعلہ۔ مبرد کا قول ہے کہ "تفعلوا" سے پہلے "لا" ایک کلمہ زائدہ ہے۔ پس اس کے یہ معنے ہیں کہ تمہارے لئے اس فعل کے کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ واما من لم یجوز العزل فقال لا نفی لما سئلوہ وعلیکم ان لاتفعلوا کلام مستانف موکد لہ۔ لیکن جو عزل کو ناجائز کہتے ہیں ان کا قول ہے کہ "لا" بطور نفی سوال کے ارشاد ہوا ہے۔ اور "علیکم ان لاتفعلوا" ایک کلام مستانفہ بطور تاکید نفی فرمایا گیا ہے۔ دیکھو عینی مطبوعہ قسطنطنیہ۔ جلد ۵۔ صفحہ ۵۹۸۔ مترجم۔

(استدلال علامہ مصنّف مرحوم) (۱) جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث مسئلہ عزل سے متعلق ہے "تو یہ الفاظ حدیث کے صریح خلاف ہے"۔ کیونکہ او انکم تفعلون ذلک اور لاتفعلوا سے ظاہر ہے کہ جس فعل کی سائل نے بالفعل کرنے کی خبر دی تھی اسی کو منع کیا گیا۔ اس نے یہی کہا تھا کہ "ہم لونڈیوں کے ساتھ سوتے ہیں۔ یہ نہیں کہا تھا کہ ہم عزل بھی کرتے ہیں۔ (۲) اگر "لا" کے بعد لفظ "حرج" مقدر تسلیم کیا جائے (دیکھو صفحہ ۵۴)

ہے۔ تمام فقہا نے بڑا زور لگایا ہے کہ اپنے شوق تسری کو آنحضرت صلعم کے اس ارشاد کے مطابق ثابت کریں۔ لیکن ان کی یہ زحمت بے فائدہ گئی۔ کیونکہ وہ اس حدیث کو کسی طرح مشتبہ نہیں ٹھیرا سکتے۔ جو احادیث کی سب سے صحیح اور معتبر کتاب صحیح بخاری میں درج ہے بعض فقہا کا یہ قول ہے کہ اس حدیث میں دوسرا "لا" زائد ہے۔ لیکن یہ ایک ضعیف استدلال ہے۔

حدیث ہفتم ۱۳۰۔ (ہفتم) ابوداؤد (ولادت ۲۰۲ وفات ۲۷۵ ہجری) نے بیان کیا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے ایک جنگ میں ایک عورت کو حاملہ دیکھا۔ آپ نے اُس کے ساتھی کی طرف اشارہ کرکے ان لوگوں سے جو پاس کھڑے تھے پوچھا کہ "کیا اس شخص نے اس عورت کو اپنی لونڈی بنا کر یعنے تسریہ کے طور پر رکھا تھا"؟ لوگوں نے جواب دیا "ہاں"۔ پیغمبر صلعم نے فرمایا "میں نے اس پر ایسی لعنت بھیجی ہے جو اس کے ساتھ قبر تک جائیگی۔ وہ کیونکر اپنی اولاد کو وارث قرار دے گا کیونکہ وہ اس کی جائز اولاد نہیں ہے؟ کیونکر اس سے کوئی کام لے گا۔ کیونکہ وہ اس کا جائز فرزند نہیں ہے"۔[1]

یہ سب سے زیادہ صاف اور صریح اور سب سے زیادہ سخت مذمت غلامی اور تسری کی ہے۔

حدیث ہشتم ۱۳۱۔ ہشتم۔ امام احمد بن حنبل اور طبرانی نے بیان کیا ہے کہ ایک شخص زنبہ نامی نے اپنے غلام کے ساتھ بدسلوکی کی۔ غلام نے آنحضرت صلعم سے شکایت کی۔ آپ نے فوراً اُسے آزاد کردیا اور کہا "جا تو آزاد ہے"۔ آزاد شدہ غلام نے پوچھا اب میرا سرپرست

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳) تب بھی ہمارے مفید ہے" جس کا یہ مفہوم ہوگا کہ اس کا کرنا گناہ ہے" (۳) جو لوگ "لا" کو زائد مانتے ہیں "وہ صریح تحریف ہے اس لئے کہ ایک لفظ موجود ہے اور فرض کر لیتے ہیں کہ نہیں ہے"۔ نوٹ:- یہ استدلال مصنف کے ایک مضمون سے نقل کیا ہے جو اُن کی وفات کے بعد حیدرآباد کے رسالہ افسر میں طبع ہوا تھا۔

[1] عن ابی الدرداء ان رسول اللہ کان فی غزوۃ فرای امراۃ مجحاً فقال لعل صاحبہا الم بہا قال لقد ہممت ان العنہ لعنۃ تدخل معہ فی قبرہ کیف یورثہ وہو لا یحل لہ وکیف یستخدمہ وہو لا یحل لہ۔ سنن ابوداؤد کتاب النکاح۔ باب وطی السبایا۔ صفحہ ۲۱۳۔ مطبوعہ مصر۔

کون ہوگا؟ آپ نے فرمایا "خدا اور اس کا رسول"۔ آپ نے تمام مسلمانوں سے فرمایا کہ اس شخص کی امداد کرو۔

حدیث نہم

۱۳۲۔ نہم۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ نے شعبی سے روایت کی ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلعم کے پاس روتا ہوا آیا اور اپنے آقا کی بدسلوکی کی شکایت کی۔ آنحضرت صلعم نے آقا کو بُلا بھیجا لیکن وہ نہیں آیا۔ تب آنحضرت صلعم نے غلام سے خطاب کرکے کہا "جا تو آزاد ہے"۔ آزاد شدہ غلام نے پوچھا "اگر میرے آقا نے پھر مجھے غلام بنا لیا تو میری مدد کون کرے گا"۔ آپ نے فرمایا "ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ تیری مدد کرے"۔

حدیث دہم

۱۳۳۔ دہم۔ مسلم نے ابومسعود البدری سے روایت کی ہے کہ وہ اپنے غلام کو پیٹ رہا تھا کہ اس نے پیچھے سے ایک آواز سُنی۔ دیکھتا کیا ہے کہ پیغمبر خدا صلعم کہہ رہے ہیں "خدا تجھ سے کہیں قوی ہے جتنا کہ تو اس جوان شخص سے ہے"۔ ابومسعودؓ نے جواب دیا "میں نے خدا کے لئے اسے آزاد کیا"۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا "اگر تو ایسا نہ کرتا تو دوزخ کی آگ تجھے جلاتی"[1]۔ اب اگر آنحضرت صلعم غلامی کو جائز سمجھتے تو کبھی دوسروں کے غلاموں کو آزاد نہ کرتے۔ ورنہ اس کے یہ معنے ہوتے کہ آپ دوسروں کے املاک کو تلف کرتے تھے۔

آنحضرت صلعم کو غلامی سے نفرت تھی۔

۱۳۴۔ یہ فقہا کا صرف حیلہ ہے جو وہ کہتے ہیں کہ جب غلام سے ظالمانہ سلوک کیا جائے تو وہ آزاد کر دیا جائے۔ یہ قید آنحضرت صلعم کے عام اصول اور عمل اور تعلیم کے منشا کے خلاف ہے۔ آپ نے تو یہاں تک تاکید فرمائی ہے کہ مالک اپنے غلام کے تھپڑ مارے تو اُسے آزاد کر دیا جائے۔ ابوداؤد اور مسلم[2] نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ اس نے

---

[1] عن ابی مسعود الانصاری قال کنت اضرب غلاماً لی فسمعت من خلفی صوتاً اعلم ابامسعود للہ اقدر علیک منک علیہ فالتفت فاذا ہو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فقلت یارسول اللہ ہو حر لوجہ اللہ فقال اما لو لم تفعل للفحتک النار (مسلم)

یہ حدیث بحار الانوار جلد ۱۶ صفحہ ۱۴۱ میں بھی درج ہے۔ اور اس کے علاوہ اسی مضمون کی ایک اور حدیث حضرت ابوعبداللہ سے بنی فہد کے ایک غلام کے متعلق درج ہے۔

[2] عن ابن عمرؓ قال سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من ضرب غلاماً حداً لم یاتہ اولطمہ فان کفارتہ ان یعتقہ۔

پیغمبر خدا صلعم کو یہ کہتے سُنا کہ جو کوئی اپنے غلام کو تھپڑ مارتا ہے یا اُسے پیٹتا ہے تو اُس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اس غلام کو آزاد کر دے۔[5]

مسلم ابوداؤد اور ترمذی نے سوید بن مقرن سے روایت کی ہے کہ اس[1] نے کہا کہ "ہمارے خاندان مقرن کے پاس ایک باندی ہے۔ اور ہم میں سے ایک نے اس کے تھپڑ مارا اس کی خبر آنحضرت صلعم کو پہنچی۔ تو آپ نے حکم دیا۔ کہ اُسے آزاد کر دیا جائے۔

مذکورہ بالا دونوں احادیث سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلعم کو غلامی اور تسری سے سخت نفرت تھی۔

دوسرے ضابطے جو آنحضرت صلعم غلامی کے خلاف عمل میں لائے

۱۳۵- علاوہ ان احادیث کے آنحضرت صلعم نے چند اور بھی ایسے جزئی قانون وضع کئے تھے جن کی رو سے بعض حالات میں غلاموں کو فوراً آزادی کا حق حاصل ہو جاتا تھا۔ ان میں سب سے مقدم غلامی اور تسری کی موقوفی کے متعلق ایک سخت تدبیر یہ تھی کہ آنحضرت صلعم نے یہ واجب قرار دے دیا تھا کہ اگر کوئی باندی اپنے مالک سے حاملہ ہو جائے یا اس سے کوئی اولاد ہو جائے۔ یا اسقاط ہی کیوں نہ ہو جائے۔ یا مُردہ بچہ ہی کیوں نہ پیدا ہو تب بھی وہ باندی اس واقعہ کے بعد فی الفور آزاد ہو جائے گی۔[2]

ابن ماجہ اور دارقطنی نے ابن عباس رضؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے ایک باندی ام ابراہیم کا حوالہ دے کر فرمایا کہ "اس کے بیٹے نے اُسے آزاد کرا دیا۔" جس کے یہ معنے تھے کہ غلامی کی حالت میں اس کے مالک سے اس کے ایک بیٹا پیدا ہوا۔ اور اس لئے اُسے آزادی مل گئی۔[3]

بیہقی نے ام ابراہیم کے متعلق ایک اور حدیث بیان کی ہے۔ وہ لکھتا ہے۔ کہ

[1] عن سوید بن المقرن المزنی لقد رأیتنا سبع اخوۃ مالنا خادم الا واحدۃ فلطمہا احدنا فامرنا نبی اللہ صلعم ان نعتقہا۔ جامع ترمذی مطبوعہ دہلی جلد اول صفحہ ۱۸۶۔ مترجم۔

[2] ام الولد حرۃ وان کان سقطا۔ کنز العمال باب استیلاد۔ مطبوعہ حیدر آباد۔ مترجم۔

[3] عن ابن عباس رضؓ قال ذکرت ام ابراہیم عند رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال اعتقہا ولدہا۔ رواہ ابن ماجہ و الدارقطنی مطبوعہ مصر۔ جلد ۵۔ صفحہ ۲۷۲۔ مترجم۔

آنحضرت صلعم نے ام ابراہیم سے فرمایا کہ "تیرے بیٹے نے تجھے آزادی دلوائی"[1]

ابتداءً یہ اسلامی قانون کسی قیود اور شرائط سے جکڑا ہوا نہ تھا۔ اور آنحضرت صلعم کے زمانے میں اس پر دوسری طرح عمل ہوتا تھا۔ لیکن آپ کے بعد اکثر صحابہ نے ایسی سرّیۃ (باندی) کا بیع و شرائے ناجائز قرار دیا جس کے اولاد ہو چکی ہو۔ حضرت عمر رضہ نے اپنے عہد میں اس کے متعلق بہت شدید احکام نافذ فرمائے۔ فقہ اسلامی میں یہ قانون اس شرط اور قید کے ساتھ درج ہے کہ ام ولد صرف مالک کی وفات کے بعد آزاد ہوتی ہے۔ لیکن مالک کی زندگی میں اُسی طرح اس کی غلام رہتی ہے۔ اگرچہ کہ وہ اسے بیچ نہیں سکتا۔ لیکن یہ صورت آنحضرت صلعم کے قانون کے منشاء کے خلاف ہے۔ بعض احادیث کی نسبت یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ان میں یہ شرط پائی جاتی ہے کہ ام ولد اپنے مالک کی وفات کے بعد آزاد ہوتی ہے۔ یہ حدیثیں اُن لوگوں سے روایت کی گئی ہیں جو اس کے فروخت کو ناجائز خیال کرتے تھے۔ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد صحابہ رضہ میں ایک اُم ولد کے متعلق بحث پیش ہوئی۔ انہوں نے آنحضرت صلعم کے قول کو تو بھلا دیا اور بحث صرف اس مسئلہ پر آپڑی کہ اس کا مالک اسے فروخت کر سکتا ہے یا نہیں۔ کثرت رائے سے آخری صورت پر فیصلہ ہوا۔ اور بعد ازاں یہی فقہی مسئلہ ہو گیا۔ اور یہ طے پایا کہ وہ مالک کی موت کے بعد ہی آزاد ہوتی ہے۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ صحابہ کی نہایت مسلمہ رائے اور خود آنحضرت صلعم کی اصل حدیث جس کا مقصد یہ تھا کہ بچہ تولد ہوتے ہی سرّیۃ (باندی) فی الفور آزاد ہو جاتی ہے اب معرض بحث میں پڑ گئی ہے۔[2]

غلاموں کی فوری آزادی۔

**۱۳۶۔** پیغمبر خدا صلعم کا ایک اور قانون یہ تھا کہ جب کبھی کوئی غلام ایسے شخص کی ملک

[1] ولہ طرق اخری رواہ البیہقی عن عبد اللہ بن جعفر ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم قال لام ابراہیم اعتقک ولدک۔ نیل الاوطار۔ مطبوعہ مصر۔ جلد ۵۔ صفحہ ۲۷۲۔ مترجم۔

[2] دیکھو عینی مطبوعہ قسطنطنیہ باب ام ولد صفحہ ۲۱۷ سے صفحہ ۲۱۹ تک تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ نیل الاوطار جلد ۵ صفحہ ۲۷۲۔ مطبوعہ مصر۔

ہو جائے جو اس کا قریبی رشتہ دار ہو تو وہ فوراً آزاد ہو جاتا ہے۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ اور ترمذی نے سمرہؓ سے اس کے متعلق ایک حدیث روایت کی ہے۔ اس مضمون کی ایک دوسری حدیث نسائی، ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم نے بھی بروایت ابن عمرؓ بیان کی ہے۔

۱۳۷۔ فقہ اسلامی میں بعض صورتیں ایسی ہیں جن میں غلام خود بخود آزاد ہو جاتا ہے وہ حسب ذیل ہیں:۔

(۱) اگر کوئی غلام مطلق (قن) خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم اور خواہ مسلم کی ملک ہو یا غیر مسلم کی، اسلامی ملک سے بھاگ کر مخالفین اسلام کی حدود ارضی میں چلا جائے تو بوجہ تبدیل حدود ارضی آزاد ہو جاتا ہے[۲]۔ امام ابوحنیفہ کی رائے میں اگر کسی مسلمان کے مفرور غلام کو غیر ملک والے پکڑ لیں تو وہ آزاد ہو جاتا ہے۔ لیکن ان کے دونو شاگرد اس مسئلہ میں امام صاحب سے متفق نہیں ہیں۔ ان کی رائے میں جو غلام اس طرح پکڑ لیا جائے۔ وہ پکڑنے والے کی ملک ہو جاتا ہے۔

(۲) اگر کوئی مُستامن (وہ غیر شخص جو اسلامی ملک میں پناہ گزین ہو) کسی مسلمان غلام کو اسلامی ملک میں خرید ے اور اُسے اپنے ملک یعنی کفار مخالفین اسلام کے حدود میں لے جائے تو یہ غلام تبدیل حدود ارضی کے ساتھ ہی آزاد ہو جاتا ہے[۳]۔ یہ امام ابوحنیفہ کی رائے ہے۔ مگر ان کے شاگرد اس مسئلہ میں بھی اُن سے متفق نہیں ہیں۔

---

[۱] عن سمرۃ بن جندب قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من ملک ذارحم محرم فھو حر۔ بخاری۔

وقال الترمذی عن سمرۃ من ملک ذارحم محرم فھو حر۔

قال النسائی عن سمرۃ من ملک ذارحم محرم فھو حر۔

وقال ابن ماجہ عن سمرۃ بن جندب من ملک ذارحم محرم فھو حر۔

قال ابن حزم ہذا خبر صحیح تقوم بہ الحجۃ کل من رواہ ثقات۔

عینی جلد ۶ مطبوعہ قسطنطنیہ صفحہ ۲۲۲۔ وجامع ترمذی مطبوعہ دہلی جلد ۱ صفحہ ۱۶۳۔ مترجم۔

[۲] لظھور یدہ علی نفسہ بالخروج من دارنا فلم یبق محلا للملک۔ متن ردالمحتار مطبوعہ مصر صفحہ ۳۸۔ مترجم۔

[۳] وعتق عبد مسلم او ذمی۔ ۔ شراہ مستامن بھنا وادخلہ دارہم اقامۃ لتباین الدارین مقام الاعتاق۔ متن ردالمحتار صفحہ ۳۸ مطبوعہ [illegible]

(۳) [1] جب مسلمان کسی اسلامی ملک میں بزورِ شمشیر داخل ہوں اور کسی مسلم یا غیر مسلم غلام کو پکڑ لے جائیں اور اس کے بعد وہ غلام کسی غیر اسلامی حدود میں بھاگ جائے تو وہ بوجہ تبدیل ملک آزاد ہو جاتا ہے۔

(۴) جب کوئی غیر مسلم غلام کسی غیر ملک میں اسلام قبول کرے اور پھر اسلامی ملک میں چلا آوے تو وہ بھی آزاد ہے۔

(۵) اگر کوئی ایسا غلام اسلامی فوج میں شریک ہو جائے تب بھی آزاد ہو جاتا ہے گرچہ اُس کا یہ فعل مخالفین اسلام کے ملک میں ہی کیوں نہ واقع ہوا ہو۔

(۶) اگر کسی ایسے غلام کو مسلم یا غیر مسلم ذمی یا حربی مخالفین اسلام کے ملک میں خریدے تو وہ بھی آزاد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مالک اس کے فروخت کرنے سے اپنے حق مالکانہ سے دست بردار ہو جاتا ہے۔ اور غلامی در اصل اصول اسلام کے خلاف ہے۔ لہذا غلام آزاد ہو جاتا ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ رح کی رائے ہے۔ لیکن ان کے شاگردوں کی رائے میں یہ تو مسلم مسلمان خریدار کی ملک ہو جائے گا۔

(۷) اگر ایک ایسا ہی غلام فروخت کرنے کے لئے پیش کیا جائے۔ لیکن بیع عمل میں نہ آئے۔ تو وہ بھی بوجہ مذکورہ بالا آزاد ہے۔

(۸) اگر کوئی غلام دار الحرب میں اسلام قبول کرے اور مسلمان اس ملک کو فتح کر لیں تو وہ بھی آزاد ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اسلامی حفاظت میں آ گیا ہے۔

(۹) اگر کوئی غلام اپنے ذی محرم رشتہ دار کی ملک ہو جائے۔ تو وہ بھی فوراً آزاد

[1] وہ کل صورتیں جن میں غلام خود بخود آزاد ہو جاتا ہے۔ ردالمحتار شرح درمختار میں تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔ بنظر اختصار صرف متن کی عبارت درج کی جاتی ہے۔

کعبدلهم اسلم ثمه فجاء نا الی دارنا او الی عسکرنا ثمه او اشتراه مسلم او ذمی او حربی ثمه او عرضه علی البیع و ان لم یقبل المشتری (بحر) او ظهرنا علیهم ففی هذه التسع صور یعتق العبد بلا اعتاق ولا ولاء لاحد علیه لان هذا عتق حکمی (درر) متن ردالمحتار صفحہ ۳۸۱۔ مطبوعہ مصر۔ نیز دیکھو غایۃ الاوطار صفحہ ۴۰۸۔ مترجم۔

ہو جاتا ہے[1]

(۱۰) استیلاد۔ اگر کسی سریّہ کے اولاد ہو جائے تو وہ مالک کے انتقال پر آزاد ہو جاتی ہے[2]

(۱۱) جب کوئی سریّہ آزاد ہو جائے تو جو بچّہ اس کے بطن میں ہے وہ بھی آزاد ہو جائیگا[3]

(۱۲) اگر کسی سریّہ سے کوئی بیٹا پیدا ہو۔ اور مالک اُسے اپنا بیٹا بھی تسلیم کرے۔ تو وہ بھی آزاد ہو جاتا ہے۔

(۱۳) اگر کسی شخص کی منکوحہ سریّہ ام ولد ہو جائے۔ اور وہ اُسے اُس کے مالک سے خریدلے۔ تو وہ بھی اُس کے انتقال کے بعد آزاد ہو جاتی ہے[4]

**۱۳۸**۔ ایک دوسرا بڑا ذریعہ جس سے غلامی کو سرسبزی اور شادابی حاصل ہوتی ہے وہ سرایا (باندیوں) کی اولاد ہے۔ ایک سریّہ کی اولاد جو غلام سے ہو۔ یا کسی ایسے حر (آزاد شخص) سے ہو جو اس باندی کا مالک نہ ہو۔ یا خود مالک کے صلب سے ہو مگر وہ اسکو اپنی اولاد تسلیم نہ کرتا ہو۔ تو اس قسم کی اولاد پر بھی خط غلامی جاری ہوتا ہے۔ جو اولاد باندی کے بطن اور غلام کے صلب سے پیدا ہوئی ہو۔ خواہ یہ غلام باندی کے آقا کا مملوک ہو یا کسی دوسرے شخص کا۔ اور یا اولاد کسی آزاد شخص سے پیدا ہوئی۔ ان سب صورتوں میں وہ باندی کے مالک کی ملک ہوگی۔ فقہ کا یہ مسئلہ رومن لا[5] سے لیا گیا ہے کہ اولاد بلحاظ غلامی ماں کی حالت کے تابع ہوتی ہے[6]۔ اس کے علاوہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جو بچّہ ماں کے پیٹ میں ہے اس کی حالت بھی ماں کی حالت کے مطابق ہوتی ہے۔ یہ ایک کمزور قانون ہے امی میں اضا کا ایک دوسرا ذریعہ۔

[1] دیکھو فقرہ ۱۳۶۔ اور اردو در مختار مسمی بہ غایۃ الاوطار صفحہ ۲۹۱۔
[2] دیکھو فقرہ ۱۳۵۔ [3] در مختار اردو صفحہ ۲۸۷۔
[4] غایۃ الاوطار باب استیلاد۔ صفحہ ۳۲۰۔
[5] رومن لا میں لفظ 'قانونی' کے ایک خاص مفہوم کے مطابق غلام شادی کرنیکے مجاز نہ تھے۔ باندی کی اولاد لازمی طور سے غلام ہوتی تھی۔ ہینڈرز انسٹیٹیوٹس آف جسٹینین صفحہ ۱۴۔ لیکیز ہسٹری آف یورپین مارلز۔ جلد ۱۔ صفحہ ۳۰۳۔
[6] ہدایہ باب العتاق۔ مترجمہ ہملٹن جلد ۱۔ در مختار باب عتاق۔ جامع الرموز باب جہاد۔ رد المحتار جلد ۳۔ صفحہ ۱۱ و ۲۴۶۔ تحفۃ المحتاج اور بیلیز ڈائجسٹ آف محمڈن لا صفحہ ۳۶۳۔

اور کوئی معقول دلائل اس کے تائید میں نہیں ہیں۔ بلکہ خلاف عقل اور قانون قدرت کے مخالف ہے۔ اس کے ضعف کی دو وجوہ ہیں پہلی وجہ یہ ہے کہ فقہ کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ "اولاد آدم فطرۃً حُر ہے[۱]"۔ اور یہ کہ "غلام قانون ملکیت کے لحاظ سے اپنے مالک کا مملوک ہے نہ کہ از روئے قانون قدرت[۲]" (اسلامی قانون بین الاقوام میں) انسان کی حفاظت جان اُس کے تبدیل مذہب پر مبنی نہیں ہے بلکہ اُس کی ایذا دہی فطرۃً ناجائز ہے[۳]" اور یہ کہ ایک آزاد مسلمان اور ایک آزاد ذمی پر کسی کی ملکیت جاری نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ فطرۃً معصوم و مامون ہے[۴]"۔ اور نیز یہ کہ "عصمت مؤثمہ (وہ فطری استحقاق حفاظت جان جس سے تعرض کرنا گناہ ہے) کا تعلق اسلام سے نہیں بلکہ انسان سے ہے[۵]"۔ اور یہ حفاظت انسانیت کی حمایت میں ہے[۶]۔ ان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ باندی یا غلام کی اولاد فطرۃً آزاد ہونی چاہیئے۔

غلاموں کی اولاد غلام نہیں ہو سکتی

**۱۳۹**۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ اصول کہ "جنین کی حالت ماں کی حالت کے تابع ہے" ایک قانونی سفسطہ ہے۔ یہ بچہ ماں کا جز نہیں ہے بلکہ اس سے الگ ہے۔ خصوصاً پیدا ہونے کے بعد تو وہ ماں کا جزو ہو ہی نہیں سکتا۔ اور نہ اس کی حالت ماں کی حالت کے تابع ہو سکتی ہے۔ کیونکہ فقہ خود اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ سریّہ (باندی) کے جنین کی حریت قانوناً جائز ہے اور وہ قبل تولد بھی آزاد ہو سکتا ہے[۷]۔ لہذا ماں کی وجہ سے

---

[۱] ہدایہ کتاب ۹ باب غنیمت۔ مترجمہ ہملٹن جلد ۲۔ صفحہ ۱۷۱۔
[۲] بیلز ڈائجسٹ آف محمدن لا۔ صفحہ ۳۶۳۔
[۳] ہدایہ مترجمہ ہملٹن جلد ۲ صفحہ ۱۷۲
[۴] ایضاً 〃 〃 〃 ۱۸۸
[۵] ایضاً 〃 〃 〃 ۲۰۱
[۶] ایضاً 〃 〃 〃 ۲۱۷۔ یہ بحث اسی کتاب کے حصہ اول فقرہ (۲۱) میں مفصل آچکی ہے۔ مترجم
[۷] ہدایہ میں لکھا ہے کہ "اگر مالک صرف جنین کو آزاد کرے اور ماں کو نہ کرے تو صرف جنین آزاد ہوگا۔ جنین (بلحاظ آزادی غلام) ماں سے جدا ہے۔ ہدایہ جلد ۱۔ صفحہ ۴۳۵۔ مطبوعہ مصطفائی۔

اسے غلام تصور کرنا غلط ہے۔ وہ اصولاً اور فطرۃً آزاد ہے۔

رومن لا اور شرع اسلامی کا مقابلہ

۴۰ ا فقیہوں نے اس مسئلہ میں رومن لا کی پیروی کرنے میں بہت بڑی غلطی کی ہے۔ رومن لا نے غلاموں کی شادی کو ناجائز قرار دیا ہے اور اس لئے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ سریہ (باندی) کی بدقسمت اولاد بھی غلام رکھی جائے۔ بخلاف اس کے فقہ اسلام نے غلاموں کی شادی جائز قرار دی ہے۔ ایک آزاد مرد یا عورت کی شادی باندی یا غلام کے ساتھ جائز ہے پس ایسی حالت میں اس کی ضرورت نہیں ہے کہ سریہ کی اولاد ایک عیب دار انسان یا کسی غلط اصول کے تابع کی جائے۔ شادی بیاہ اور طلاق کے مسئلہ میں غلام اور آزاد دونوں برابر ہیں[1]۔ لہٰذا غلام اور سریہ دونوں کی اولاد قانوناً اور فطرۃً آزاد تسلیم کرنی چاہیئے۔

۴۱ ا۔ اس مسئلہ سے کہ اولاد اپنی ماں کی حالت کے تابع ہوتی ہے بہت سے نتائج مستنبط ہوتے ہیں۔ مفصلہ ذیل صورتوں میں باندیوں کی اولاد ماں کی حالت کے تابع ہوتی ہے :-

۱۔ حق مالکانہ۔

۲۔ اسیری یا غلامی۔

۳۔ حریت۔

۴۔ عتاق۔ (غلامی سے آزادی پانا)۔

۵۔ کتابت۔ (غلام سے معاوضہ لے کر آزاد کرنا)۔

۶۔ تدبیر۔ (مالک کا اپنی وفات کے بعد آزادی کو مشروط کرنا)۔

۷۔ استیلاد۔ (سریہ کا امِ ولد ہونے کے بعد آزاد ہونا)۔

۸۔ رہن۔

[1] غلاموں کی شادی کے متعلق قرآن کے احکام فقرہ ۱۵۲ میں درج کئے گئے ہیں۔

۹۔قرضہ۔

۱۰۔استرداد۔

۱۱۔سریان ملک۔

ایک آزاد شخص کی اولاد جو باندی سے ہو کسی طرح غلام نہیں ہو سکتی۔ اس قاعدہ کے مطابق کہ جہاں دو مخالفوں میں مصالحت دشوار ہو تو کم زور ہی کو مغلوب ہونا پڑتا ہے لہٰذا جہاں آزاد اور غلام کی اولاد کے بارے میں غلامی اور آزادی کا مقابلہ آپڑے۔ تو آزادی کا غلبہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ آزادی قوی ہے۔

ازروئے قرآن اسلام اور غلامی کا اجتماع ناممکن ہے۔

**۴۲** ۱۔فقہ اسلامی کے لئے یہ بڑی شرم ناک بات ہے کہ وہ غلامی کے طوق کو ایک ایسے مسلمان سے جدا نہیں کرتا جو بدقسمتی سے اسلام قبول کرنے سے قبل غلام تھا۔ پھر اسلام سے کیا حاصل اگر وہ غلامی کی خیالی ظالمانہ اور جابرانہ آفت سے بھی اپنے پیرووں کو نہ بچا سکے۔ فقہ اسلام کا ایک اصول یہ ہے کہ کوئی مسلمان فطرۃً غلام نہیں بنایا جا سکتا[۱] لیکن فقہ اس بات کو جائز رکھتا ہے کہ ایک ایسا شخص جو بحالت غلامی اسلام لایا ہو۔ وہ خود تمام عمر اور اُس کی اولاد نسلاً بعد نسلٍ غلام رہے۔

"ایک مسلمان (اصلاً تو نہیں لیکن) دوسرے شخص کی زبردستی سے غلام ہو سکتا ہے" (ہدایہ ترجمہ ہملٹن جلد ا صفحہ ۱۷۱) اگر مسلمان کا ایک کافر غلام مسلمان ہو جائے تو وہ آزاد نہیں ہوتا۔ خواہ یہ صورت غیر اسلامی ملک میں واقع ہو یا اسلامی ملک میں۔

یہاں تک کہ ازروئے فقہ ایک مسلمان غلام کو جو کسی اسلامی ملک میں بھاگ کر چلا آئے۔ پناہ نہیں دی جا سکتی۔ جب تک کہ وہ اپنے مالک سے لڑ کر علانیہ مخالفت سے نہ چلا آیا ہو۔ صرف اُس کا زبردستی اپنے مالک کی اطاعت سے نکلنا اور دارالحرب سے چلا

[۱] ایک شخص جو ابتداءً مسلمان ہے غلام نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اسلام میں اس کی ممانعت ہے۔ ہدایہ مطبوعہ مصطفائی جلد ۲ صفحہ ۵۵۱۔ وہدایہ ہملٹن جلد ۲ صفحہ ۱۷۰۔

آنا تبھی اس کو آزاد کر سکتا ہے نہ یہ کہ اسلام قبول کرنے سے وہ آزادی کا مستحق ہوتا ہے۔ فقہ میں صرف اس قدر رعایت ہے کہ اگر ایک غیر ملک کا غلام مسلمان ہو جائے اور اپنے مالک کی مرضی کے خلاف اسلامی ملک میں چلا آئے یا اسلامی لشکر میں آجائے یا اگر مسلمان اس کے ملک کو فتح کر لیں تو وہ ان صورتوں میں آزادی کا مستحق ہو جاتا ہے لیکن یہ سب شرائط فضول ہیں۔ خود اسلامی فقہ کے رو سے اسلام ایسے غلام کو جو مسلمان ہو گیا ہے محض قبول اسلام کی وجہ سے آزادی نہیں دے سکتا۔ جب تک کہ قبول اسلام کے ساتھ دیگر حالات جو اسلام سے زیادہ قوی ظاہر کئے جاتے ہیں شریک نہ ہوں[۵۱]۔

اس کے علاوہ فقہ نے مسلم کو غیر مسلم کا غلام یا ملک ہونا جائز رکھا ہے۔ اگر کوئی مالک اپنے غلام کے ساتھ ہے۔ یا وہ اپنے غلام سے پہلے اسلام قبول کر چکا ہے۔ تو اس صورت میں کسی غلام کا مخالف کے ملک سے نکل کر اسلامی ملک میں آنا اور اس کے ساتھ ہی اسلام قبول کر لینا اس کی آزادی کا سبب نہیں ہو سکتا۔ باوجود تغیر مذہب و ملک غلام ہر حالت میں غلام کا غلام ہی رہے گا۔

اقتباس از سر ولیم میور و تحدیہ۔

۱۴۳۔ سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ :۔

"احکام قرآن کے رو سے کفار کے خلاف جنگ کرنا چاہیئے۔ لڑنے والے مرد تو قتل کر دئے جائیں
"اور عورتیں اور بچے غلام بنا لئے جائیں۔
"کفار کے خلاف جنگ کے ساتھ غلامی کی ایسی بلا لگی ہوئی ہے جو اگرچہ بہت نرم اور مشروط شکل میں ہے لیکن اسکی
"مہلک گرفت مغرور مالک اور بدنصیب غلام دونوں کے لئے کچھ کم سخت نہیں ہے اور جب تک جنگ جدال باقی ہے
"نہ صرف موجودہ غلاموں کی کثیر جماعت اور انکی اولاد کے ذریعہ سے یہ بلا قائم و دائم رہیگی بلکہ انکی جماعت میں ہمیشہ اضافہ ہوتا
رہیگا۔ قرآن کا وحشیانہ اور غلامانہ جوش گو یورپ کے طعن و تشنیع کے سامنے دب جاتا ہے مگر مرا نہیں[۵۲]"

۵۱ مذہب ظاہریہ کے رو سے جب غلام مسلمان ہو جاتا ہے تو خواہ کفار کے ملک سے آئے یا نہ آئے وہ آزاد ہو جاتا ہے۔ دیکھو فتح القدیر شرح ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۴۸۳۔ مطبوعہ نول کشور لکھنؤ۔ ظاہریہ مذہب کا بانی ایک شخص داؤد تیسری صدی میں ہوا ہے اور آٹھویں صدی میں یہ مذہب معدوم ہو گیا۔

۵۲ قرآن انس کمپوزیشن اینڈ ٹیچنگ اینڈ دی ٹسٹی منی اِٹ بیرز ٹو دی ہولی اسکرپچرز مولفہ سر ولیم میور کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ ال ال ڈی صفحہ ۵۵ و ۵۹ مطبوعہ لندن ۱۸۷۸ء۔

سر ولیم میور کا یہ بیان اور یہ الزام قرآن کے خلاف نہ صرف صداقت ہی سے خالی ہے بلکہ اُس کی صاف و صریح تعلیم کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ قرآن نہایت سادہ اور بیّن اور روشن الفاظ میں یہ حکم دیتا ہے کہ جنگ کے قیدی یا تو مطلق آزاد کر دئے جائیں یا تاوان لیکے چھوڑ دئے جائیں۔ قرآن نے یہ کہیں حکم نہیں دیا کہ لڑنے والوں کو قتل کر دیا جائے اور عورتوں بچوں کو غلام بنا لیا جائے۔ میں سر ولیم میور کو تحدیہ (چیلنج) کرتا ہوں کہ وہ سارے قرآن میں سے اپنے بیان کی تائید میں کوئی ایک آیت ہی پیش کریں۔ میں اس سے پیشتر فقرہ (۱۱۹) میں سورۂ محمد ۴۷ کی چوتھی اور پانچویں آیت نقل کر چکا ہوں۔ اور اب پھر وہی آیتیں آسانی کے خیال سے قرآن کے مختلف انگریزی ترجموں سے لکھتا ہوں۔

"جب تمہارا کفار سے مقابلہ ہو تو تم ان کے سر قلم کر دو یہاں تک کہ تم اُن میں بڑا کشت و خون کر
"او۔ باقیوں۔کے بیڑیاں ڈال دو" (آیت ۴ مترجمہ ریورنڈ راڈول)
"اور بعد ازاں آزادی بلا تاوان یا تاوان لیکر دی جائے یہاں تک کہ جنگ اپنا بوجھ ڈال
"دے۔ اسی طرح کرو" (آیت ۵ مترجمہ ریورنڈ راڈول)
"جب تمہارا مقابلہ ان سے ہو جو ایمان نہیں لائے تو ان کے سر کاٹ ڈالو یہاں تک کہ تم
"اُن کو قتل کر ڈالو اور مضبوط بیڑیاں ڈال دو"
"پھر یا تو بالکل بغیر تاوان کے آزاد کر دو یا تاوان لے کر۔ یہاں تک کہ جنگ اپنا بوجھ ڈالدے
" (مترجمہ ہنری پامر)
"جب تم کفار سے مقابلہ کرو تو اُن کے سر کاٹ ڈالو یہاں تک کہ تم ان میں خوب کشت و خون کرو
"اور اُن کو بیڑیاں باندھو۔ اور پھر یا تو بلا تاوان آزادی بخش دو یا تاوان لیکر یہاں تک کہ
"جنگ اپنے ہتیار رکھ دے" (مترجمہ جارج سیل)

میں خیال کرتا ہوں یا تو سر ولیم میور ان آیات سے بالکل ناواقف تھے جو ایک ایسے نکتہ بین کے لئے جو قرآن کے متعلق اس قدر وسیع علم ظاہر کرتا ہے بہت ہی نامناسب ہے، یا انہوں نے جان بوجھ کر اُن پر پردہ ڈال دیا ہے جو جہل سے بدتر ہے۔ لیکن قرآن پر ایسا توہین آمیز الزام قائم کرنا تو اُس سے بھی بدتر ہے۔ میں جانتا ہوں کہ حنفی اور شافعی فقہا میں اس کے متعلق اختلاف ہے لیکن وہ اختلاف آیات کے معانی میں نہیں بلکہ

اس کے منسوخ ہونے یا نہ ہونے کی نسبت ہے۔ اور اس بحث کا تعلق فقہی فرقوں سے ہے۔ سر ولیم میور حنفی یا شافعی رایوں کے متعلق بحث نہیں کر رہے تھے۔ بلکہ اُن کی بحث کا موضوع قرآن اور صرف قرآن تھا۔ انصاف اور ایمان کے معنے یہ ہیں کہ انھیں ہرگز لازم نہ تھا کہ وہ ان آیات پر پردہ ڈال دیتے اور نہ اُنہیں یہ چاہیئے تھا کہ قرآن پر باطل اور بے بنیاد الزامات قائم کرتے۔

۴۴۔ سر ولیم میور یہ کہتے ہیں کہ اسلام میں غلامی جنگ کے ساتھ ساتھ ہے۔ لیکن دراصل آنحضرت صلعم کے تمام غزوات کی غرض اپنی اور اپنے تابعین کی حفاظت تھی۔ ان بیکسوں پر قریش نے طرح طرح سے مظالم توڑے۔ اُنہیں اُن کے گھروں سے بے گھر کیا۔ یہ لڑائیاں اُس وقت لڑی گئیں جب کہ مکہ کی سرزمین سے اُن کا حقِ توطن۔ حقِ آزادی۔ حقِ ایمان۔ اور حقِ حفاظت جان و مال چھینا گیا۔ اور جب کہ قریش کے دیکھا دیکھی بدوی قبائل بھی اُن کی مخالفت پر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور مسلمانوں کے مامن یعنی مدینہ پر حملے کرنے لگے۔ بلکہ درحقیقت اس پر فوج کشی کی اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ تو یہ معرکہ آرائیاں محض بغرض حفاظت کی گئیں۔ اور کامل غور و فکر اور تنقیح کے بعد معلوم ہوگا کہ ان جنگوں کے قیدیوں میں سے ایک متنفس بھی غلام نہیں بنایا گیا۔ بلکہ بخلاف اس کے یا تو تاوان لیکے چھوڑ دئے گئے۔ جیسا کہ جنگ بدر میں ہوا۔ یا بلا کسی شرط و تاوان کے آزاد کر دئے گئے۔ جیسا کہ غزوات مریسیع۔ بطن۔ مکہ اور حنین وغیرہ میں واقع ہوا۔ میں نے اپنی ایک دوسری کتاب میں جس کا نام "آل وارس آف محمد ور ڈی فنسیو (محمد صلعم کی تمام لڑائیاں مدافعانہ تھیں) ہے[1] غزوات اور اسیران جنگ کی آزادی کا ذکر بالتفصیل لکھا ہے۔

آنحضرت صلعم کی لڑائیاں اپنی حفاظت کے لئے تھیں

اخیر میں میں اپنے بے تعصب ناظرین کی خدمت میں سوال کرتا ہوں کہ آیا سر ولیم میور

[1] یہ کتاب تھیکر سپنک اینڈ کمپنی مقام کلکتہ کے ہاں زیر طبع ہے۔ چراغ علی۔ یہ کتاب زمانہ ہوا چھپ چکی ہے اور امعانِ نظر اور تحقیق حق میں اپنا نظیر نہیں رکھتی۔ مولوی عبداللہ خاں صاحب پبلشر کتاب ہذا کی فرمایش سے اس کا اردو ترجمہ بھی رفاہ عام سٹیم پریس لاہور میں زیر طبع ہے۔ اردو ترجمہ کا نام "تحقیق الجہاد" ہے۔ مترجم۔

اپنے اس قول میں حق بجانب ہیں کہ "قرآن کا وحشیانہ اور استبدادانہ جوش یورپ کے طعن و تشنیع کے آگے دب جاتا ہے"۔ یا یہ بات حق بجانب ہے کہ قرآن نے ساتویں صدی عیسوی میں اُس وقت غلامی کی بیخ کنی کی جب کہ تمام یورپ اور ساری عیسوی دنیا میں غلامی جاری اور جائز سمجھی جاتی تھی۔

آنحضرت صلعم نے سورۂ محمدؐ ۴۷ کی چوتھی اور پانچویں آیت پر ہمیشہ عمل کیا۔ اور اس کی پوری پوری پابندی کرتے رہے۔ جب سے یہ آیتیں نازل ہوئیں کبھی کوئی اسیر جنگ غلام نہیں بنایا گیا۔ آپ تاوان کے مقابلہ میں غیر مشروط آزادی کو ہمیشہ ترجیح دیتے تھے۔ اور کبھی تاوان لینے پر زور نہیں دیتے تھے۔ چونکہ قرآن میں آیندہ غلاموں کی آزادی اور غلامی کا حکم بلا کسی شرط و تاوان کے آچکا تھا۔ لہذا تاوان کے مقابلہ میں غیر مشروط آزادی کو زیادہ ترجیح و تقدیم حاصل تھی۔

"ابو عبیدہ نے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے جنگ بدر کے بعد کبھی تاوان کا روپیہ نہیں لیا
"یا تو آپ قیدیوں کو آزاد کر دیتے تھے یا تبادلہ کر لیتے تھے"۔
"سہیلی نے بیان کیا ہے کہ آپ کا یہ عمل قرآن کے ان الفاظ پر تھا کہ 'تم چاہتے ہو مال دنیا کا الخ'
"(الانفال ۸ آیت ۶۸) یعنے تاوان اگرچہ یہ بھی جائز تھا لیکن اس کے بعد آپ کا جو عمل در آمد رہا وہ
"یہ تھا کہ یا تو بلا تاوان آزادی دیدی جاتی تھی یا تبادلہ میں قیدی دے دئے جاتے تھے یہی عمل
"سب سے زیادہ قابل ترجیح ہے۔ کیا تم نص قرآن میں نہیں دیکھتے کہ 'یا تو احسان رکھ کر چھوڑ دو یا
"تاوان لے کے آزاد کر دو' چونکہ آیت میں 'تحریر بالمن' کا ذکر 'تحریر بالفدیہ' سے پہلے کیا گیا ہے۔
"لہذا پیغمبر خدا بلا تاوان چھوڑنے کو ترجیح دیتے تھے"[1]

غلامی کے موقوف کرنے میں محمد صلعم کا رتبہ سب سے اعلیٰ ہے۔

۱۴۵۔ ریورنڈ مسٹر ٹی۔ پی۔ ہیوز کا مفصلہ ذیل خیال بالکل صحیح نہیں ہے۔

"غلامی تعلیم اسلام کے عین مطابق ہے لیکن مذہب عیسوی کو غلامی سے تنفر ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ
"محمد صلعم نے عرب کی جاہلیت کی غلامی میں کچھ اصلاح کی لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ شارع عرب کا منشا
"غلامی کو ہمیشہ قائم رکھنے کا تھا"[2]

---

[1] دیکھو زرقانی کی شرح مواہب اللدنیہ جلد ۲۔ صفحہ ۳۴۳ و ۳۴۴۔ مطبوعہ مصر۔

[2] نوٹس آن محمد ازم۔ مولفہ ریورنڈ ٹی۔ پی۔ ہیوز سی۔ ایم۔ ایس سکنڈ اڈیشن صفحہ ۱۹۵۔

یہ صرف کل کی بات ہے کہ مذہب عیسوی غلامی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگا ہے۔ حالانکہ اُنیسویں صدی تک تمام عیسائی دنیا میں غلامی جائز سمجھی جاتی تھی۔ وہ صرف اسلام یا قرآن ہے جس نے غلامی کا قلع و قمع کیا۔ اس کے اصلی سرچشمے یعنی اسیران جنگ کے استرقاق کو مسدود کیا۔ قبل اسلام کے فلاسفہ انبیا اور معلمین میں سے کسی کا نام نہیں بتایا جاسکتا جن کے دل میں آیندہ انسداد غلامی تک کا خیال بھی آیا ہو۔ یا اُس وقت کی موجودہ غلامی میں کچھ اصلاح ہی کی ہو۔ حضرت موسےٰ ؑ نے صرف غلامی کی اجازت ہی نہیں دی بلکہ اُسے عین مطابق احکام الٰہی قرار دیا۔ حضرت عیسےٰ ؑ نے کبھی ایک لفظ اس کے خلاف میں نہیں کہا۔ اور سینٹ پال نے بھی اس کے جواز کو تسلیم کیا[1]۔ یہ صرف محمد صلعم تھے جنہوں نے ساتویں صدی عیسوی میں غلامی کو موقوف کیا۔ اور اس وقت کی موجودہ غلامی کی حالت میں اصلاح کی۔ بلکہ ایسی ایسی سیاسی قانونی، اخلاقی، مذہبی اور عملی تدابیر اختیار کیں (دیکھو فقرات ۱۲۰-۱۲۲) جن کی رو سے آیندہ کی غلامی فوراً موقوف ہو جائے۔ اور موجودہ غلاموں کی تعداد رفتہ رفتہ بالکل کم ہو جاوے آپ نے غلامی کی ہر شاخ کے متعلق ایسے سیاسی، قانونی، اخلاقی اور مذہبی قوانین جاری کیئے جن کے روسے موجودہ غلاموں کو آزادی و رہائی مل سکے۔ لیکن آپ نے کوئی ایسا قانون نہیں بنایا جس کی مدد سے نئے غلام بنائے جاسکیں۔

عملی طور سے بھی آپ نے جنگ کے تمام قیدیوں کو جو آیندہ[2] غلام بننے والے تھے آزاد

[1] "جتنے غلام جوئے کے نیچے ہیں وہ اپنے اپنے مالکوں کو کمال عزت کے لائق جانیں تاکہ خدا کا نام اور تعلیم بدنام نہ ہو اور جن کے مالک ایمان دار ہیں تو وہ اپنے آقا کو بھائی ہونے کی وجہ سے حقیر نہ جانیں۔ بلکہ اس لئے زیادہ تر ان کی خدمت کریں کہ فائدہ اُٹھانے والے ایماندار اور عزیز ہیں۔ ان باتوں کی تعلیم دیں اور نصیحت کریں" تموتھی پہلا خط باب ۶ - ورس ۱ و ۲
"اے غلامو جو جسم کی رو سے تمہارے مالک ہیں سب باتوں میں اُن کا حکم مانو" کلوسیوں باب ۳۰ - ورس ۲۲-

[2] کتاب مقدس میں غلاموں کی لئے لفظ سَروی (یعنے غلام اور اس لفظ کے ابتدائی معنے زندہ رہنے کے ہیں) استعمال کیا گیا ہے اس لئے کہ سردار ان لشکر اپنے اپنے قیدیوں کو بیچ دینے کا حکم دیتے تھے اور اسطرح سے ان کو زندہ رہنے دیتے تھے اور ہلاک نہیں کرتے تھے۔ نیز غلاموں کے لئے لفظ مین سی اپی (بردہ) بھی آیا ہے کیونکہ وہ دشمن سے بزور حاصل کئے گئے ہیں۔ دی انسٹی ٹوٹس آف جسٹینن بای تھامس کولٹ سینڈرس ایم اے مطبوعہ لندن سنہ ۱۸۷۴ء۔

کر دیا۔ اور اکثر کو بلا کسی شرط کے آزادی عطا فرمائی۔ اور صرف دو ایک موقعوں پر قیدیوں کے تبادلہ کی صورت میں تاوان لیا۔ آپ نے کبھی کسی اسیر جنگ کو غلام نہیں بنایا اور نہ آپ نے کبھی کوئی غلام خریدا۔ لہذا یہ کہنا کہ آپ کا یہ منشا تھا کہ "غلامی کا نظام دوامًا قائم رہے ہرگز صحیح نہیں ہے۔

قرآن نے غلامی کو موقوف کیا

۲۷۴۔ مسٹر ہیوز نے اس مضمون کی ایک حدیث نقل کی ہے کہ ایک شخص نے اپنی وفات کے وقت اپنے چھ غلاموں کو آزاد کیا۔ اس کے پاس سوائے ان غلاموں کے اور کوئی ملک نہ تھی۔ مگر آنحضرت صلعم نے حکم دیا کہ دو تو آزاد کر دئے جائیں اور باقی چار ویسے ہی غلام رہیں۔ اس حدیث کو اگر صحیح بھی مان لیا جائے۔ کیونکہ میں نے اُس کے رُواۃ کے حالات اور چال چلن کی تنقیح نہیں کی ہے۔ تو اس سے یہ کیسے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت کا یہ منشا تھا کہ "غلامی کا نظام دوامًا قائم رکھا جائے"۔ کیونکہ آیندہ غلامی کی بیخ کنی تو قرآن (سورہ محمد ۴۷) کے صاف وصریح الفاظ میں قطعاً ہو چکی ہے۔

صرف اس وقت کی موجودہ غلامی کی رواداری کی گئی اور وہ بھی نہایت ہی کم اور شاذ مواقع پر۔ یہاں تک کہ بعض تدابیر ایسی اختیار کی گئیں جن سے اس وقت کی موجودہ غلامی بھی رفتہ رفتہ بالکل موقوف ہو جائے۔ ریورنڈ مسٹر ہیوز نے جابرؓ سے یہ نقل کیا ہے کہ اس نے کہا کہ "ہم پیغمبر خدا اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں اُمہات الاولاد کو (ایسی باندیاں جن کے مالک سے اولاد ہوئی ہو) بیچ دیا کرتے تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں اس کی ممانعت کر دی"۔ اس واقعہ کو اس دعوے سے کیا تعلق کہ پیغمبر اسلام کا یہ منشا تھا کہ "غلامی دوامًا قائم رکھی جائے"۔ ممکن ہے کہ جابرؓ اپنے نجی طور سے بھی بیچ دیتا ہو مگر یہ آنحضرت صلعم کی اجازت اور منظوری سے نہ تھا۔ کیونکہ انسداد غلامی کی سب سے مقدم تدابیر میں سے ایک یہ تدبیر بھی تھی کہ آپ نے اُن سرایا (باندیوں) کے فروخت کرنے کی ممانعت کر دی تھی جو اپنے مالکوں سے اُم ولد ہو چکی ہوں۔ ممکن ہے کہ جابرؓ نے یہ فعل چوری چھپے سے کیا ہو اور آپ کی سرزنش

سے بچ گیا ہو۔ اور حضرت عمرؓ نے اس قانون کی تعمیل میں سختی اور تشدد کیا ہو مسٹر میور نے اخلاق جلالی سے بھی سند پیش کی ہے کہ خدمت کے لئے مرد آزاد سے غلام قابل ترجیح ہے۔ مگر یہ کوئی مستند سند نہیں ہے ٭

مذہب عیسوی نے غلامی کو اٹھا دیا ہے

۱۴۷- ریورنڈ مسٹر ٹی پی ہیوز لکھتے ہیں کہ :-

"اگرچہ غلامی مذہب عیسوی کے پہلو بہ پہلو رہی ہے۔ لیکن اس میں بھی کچھ شبہ نہیں کہ یہ ہمارے خداوند کی "تعلیم کے خلاف ہے کیونکہ انہوں نے دنیا کو عام اخوۃ کی اعلےٰ تعلیم دی ہے"۔ [1]

میں نہیں خیال کرتا کہ حضرت عیسےٰؑ نے غلامی کے خلاف کبھی ایک لفظ بھی کہا ہو۔ یا کبھی آپ کے دل میں اس کا خیال بھی آیا ہو۔ اور سینٹ پال نے تو برخلاف اس کے غلام اور آقا کے فرائض کے متعلق یک طرفہ فیصلہ کیا ہے (دیکھو کالوشینز باب ۳۔ آیت ۲۲۔ ٹموتھی خط اول باب ۶۔ آیت ۱ و ۲)۔

ریورنڈ مسٹر ہیوز اور لیکی۔

۱۴۸- ریورنڈ مسٹر ہیوز نے لیکی سے ایک عبارت نقل کی ہے جو یہ ہے :-

"اس بارہ میں مذہب عیسوی کی خدمات تین قسم کی تھیں۔ ایک تو اس نے تعلقات کا ایک نیا سلسلہ "قائم کیا۔ جس میں مختلف طبقات کا کوئی امتیاز نہ تھا۔ اس نے طبقہ غلامان میں ایک اخلاقی شان پیدا "کر دی۔ اور آزادی کے خیال میں بے نظیر اعانت کی"۔

لیکن مسٹر ہیوز لیکی کی ایک دوسری عبارت لکھنی بھول گئے۔ جہاں وہ کہتا ہے کہ :-

"غلامی جو یہودی ایسی نیز کی ایک خاص خصوصیت تھی اس کی ممانعت یا موروثی غلامی کا عدم جواز مذہبی تعلیم میں "شریک نہیں تھا۔ مذہب عیسوی نے غلامی کو صاف و صریح اور باضابطہ طور پر تسلیم کیا ہے کسی مذہب نے اطاعت "اور مطلق العنان فرماں برداری کی عادت کو اس قدر تقویت نہیں دی جتنی کہ مذہب عیسوی نے۔ بے شبہ بزرگان "دین انسان کی فطری مساوات۔ غلاموں کی مواخاۃ اور جبر و ظلم کی مذمت میں بہت کچھ فرماتے تھے لیکن یہ "باتیں کم از کم اسی زور کے ساتھ سنیکا اور اپک ٹی ٹس بھی کہہ چکے تھے۔ اگرچہ وہ اس قدر دور دور تک "نہیں پھیلی تھی۔ ان غیر مسیحی مصنفین نے تمام انسانوں کی ابتدائی آزادی کا بارہا اعتراف اور ذکر کیا ہے"۔ [2]

[1] نوٹس آن محمدن ازم مؤلفہ ریورنڈ ٹی پی ہیوز سی۔ ایم۔ ایس دوسرا اڈیشن صفحہ ۱۹۶ و ۱۹۷ ٭ [2] (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۷)

اسلام کی غلامی کے متعلق باسورتھ اسمتھ کی رائے۔

۴۹ - مسٹر باسورتھ اسمتھ اسلام کی غلامی کے متعلق حسب ذیل تحریر کرتے ہیں :-

"اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ غلامی کی نسبت اسلام نے کیا کیا؟ اس میں بھی بلاشبہ ترقی اور اصلاح
"ہوئی۔ اس کی ترقی اور اصلاح بہ نسبت عورتوں کی اصلاح کے زیادہ قطعی تھی۔ محمد صلعم نے غلامی کو
"بالکل موقوف نہیں کیا۔ کیونکہ اس وقت عربوں کی حالت ایسی تھی کہ نہ تو ایسا کرنا ممکن تھا اور نہ مناسب
"لیکن آپ نے لوگوں کو غلاموں کے آزاد کرنے کی ترغیب دلائی۔ آپ نے یہ اصول قرار دیا کہ جو
"قیدی اسلام قبول کرے وہ آزاد ہے۔ اس سے زیادہ قابل تعریف یہ بات کی۔ کہ اگر آزاد
"شدہ عزت و ایمانداری کی زندگی بسر کرتا ہے۔ تو وہ ذلیل نہ سمجھا جائے۔ اور غلاموں کے
"بارے میں آپ نے یہ ہدایت کی کہ ان سے مہربانی اور نرمی کا برتاؤ کیا جائے[۹]۔ آپ نے اپنے خطبہ
"منیٰ میں جو وفات سے ایک سال قبل دیا تھا فرمایا کہ دیکھو غلاموں کو وُہی کھانا کھلاؤ جو خود تم کھاتے
"ہو اور ویسا ہی کپڑا پہناؤ جو خود تم پہنتے ہو۔ کیونکہ وہ بھی خدا کے بندے ہیں۔ ان کو کوئی ایذا نہ
"دینی چاہیئے +

"ایک غلام جس کی قانوناً اور مذہباً اس طرح حفاظت کی گئی ہو وہ زمانہ حال کے مفہوم غلامی
"کی رو سے غلام نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں یہ امر قابل غور ہے کہ قرآن میں یہ لفظ
"تک کہیں نہیں آیا۔ بلکہ اُس سے جو جملہ "تمہارے دائیں ہاتھ کی ملک" استعمال ہوا ہے۔ اس کے
"معنے جائز اسیران جنگ اور محروم الحریت اشخاص ہیں۔ ایسے قیدی مسلمان ہو جانے کی صورت
"میں آزاد کر دئے جاتے تھے۔ اور اگر وہ اپنے مذہب پر قائم رہتے۔ تب بھی وہ آنحضرت صلعم کی
"اس تعلیم کے بموجب جو انہوں نے اپنے پیرووں کو دی اُن کے بھائی خیال کئے جاتے تھے کہ "جو
"مالک اپنے غلاموں سے مہربانی کا برتاؤ کرے گا وہ خدا کا برگزیدہ بندہ ہے۔ اور جو کوئی اپنی
"قوت کو بُری طرح استعمال کرے گا وہ جنت میں داخل نہ ہونے پائے گا"۔ آنحضرت صلعم سے کسی نے
"پوچھا" اگر کوئی نوکر مجھے ناخوش کرے تو مجھے کتنی دفعہ اُسے معاف کرنا چاہیئے"۔ آپ نے جواب
"دیا۔" دن میں ستر بار"۔ مثل ہر نیم شائستہ قوم کے سردار کے محمد صلعم نے بھی قیدی عورتوں کو باندیاں
"بنانے کی اجازت دی ہے۔ لیکن جو باندی اپنے مالک[۲] ام ولد ہو جاتی نہ تو وہ اپنی اولاد سے
"جدا کی جاتی تھی۔ اور نہ دوبارہ فروخت کی جا سکتی تھی۔ بلکہ مالک کے انتقال پر آزاد ہو جاتی تھی
"یہ ہمدردانہ شرائط اُسی قسم کے ہیں جیسی حضرت موسےٰ ؑ کی شریعت میں پائی جاتی ہیں۔ لیکن یہ شرائط
"بہت سی باتوں میں موسےٰ ؑ کی شریعت سے زیادہ قابل ترجیح ہیں۔ اور ان میں زیادہ اصلاح اور

(نوٹ صفحہ ۷۰) یہ امر قابل غور ہے کہ قدیم بزرگان مذہب عیسوی نے نیز زمانہ حال کے حامیان غلامی نے غلامی کا جواز حام کی لعنت سے استخراج کیا ہے۔ دیکھو اُن عبارات کو جو مولف نے اپنی کتاب "عیسائیت و غلامی" (فرنچ اڈیشن) میں درج کی ہیں۔ ہسٹری آف یوروپین مارلز مصنفہ ولیم ایڈورڈ ہارٹ پول لیکی ایم۔ اے مطبوعہ لندن ۱۸۷۷ء صفحہ ۶۶ +

[۲] النور ۲۴ - آیت ۳۴ و ۵۷ -

"ترقی کا خیال رکھا گیا ہے۔ بلکہ ایسی ہیں کہ کسی یورو پین یا امریکن بردہ فروش سلطنت نے کبھی اپنے مجموعہ
"قوانین میں اُس وقت تک درج نہیں کیں جبتک کہ تمام عیسائی ممالک سے غلامی بالکل موقوف ہوگئی[ا]"

مجھے اب صرف اس قدر کہنا باقی ہے کہ قرآن نے آیندہ غلامی کے موقوف کرنے اور اس وقت کی موجودہ غلامی میں جو اصلاح کی وہ نہ صرف اس قانون سے زیادہ قطعی اور مستحکم ہے جو عورتوں کے لئے وضع کیا گیا بلکہ اُس وقت غلامی کے متعلق جس قدر قدیم سیاسی اخلاقی۔ اور مذہبی قوانین موجود تھے، اسے ان سب پر تفوق حاصل ہے۔ آپ نے جس قدر مفید اور عمدہ تدابیر غلاموں کی بہتری اور بہبودی کے لئے اختیار کیں وہ سب اس وقت کی موجودہ غلامی کی فلاح و اصلاح کے لئے تھیں۔ اور آپ کا آیندہ غلامی کو موقوف کر دینا بنی نوع انسان پر ایک ایسی رحمت اور برکت ہے جس کی وجہ سے وہ بنی آدم کے تمام مقننون، مصلحوں اور محسنوں پر گوے سبقت لے گئے۔ اور افسوس ہے کہ مسٹر باسورتھ اسمتھ کو اس کا کچھ علم نہیں ہے۔

ریورنڈ اسٹیون کی رائے غلامی پر

۱۵۰۔ ریورنڈ مسٹر ڈبلیو۔ آر۔ ڈبلیو اسٹیون لکھتے ہیں کہ :۔

"مثلاً غلامی کی حالت کو لیجئے۔ قرآن میں غلاموں سے جو مروت اور مہربانی کے سلوک کی ہدایت کی گئی
"ہے اور جیسا کہ اسلامی ممالک میں عمل ہوتا ہے۔ لوگ اسے دیکھ کر حیرت کرتے ہیں۔ لیکن وہ یہ بھول
"جاتے ہیں کہ قرآن نے غلامی کو تمدن کا ایک ضروری جزو تسلیم کیا ہے۔ مسلمانوں کے غلام یہودیوں
"کے غلاموں کی طرح ساتویں سال اپنی خلاصی کی توقع نہیں کر سکتے۔ قرآن اگرچہ عام الفاظ میں
"مہربانی اور نرمی کی ہدایت کرتا ہے۔ لیکن اس میں نہ ایسی متواتر اور مؤثر تنبیہیں موجود ہیں جیسی
"تورات میں غلاموں اور نوکروں پر ظلم کرنے کے خلاف میں پائی جاتی ہیں۔ اور نہ ایسی صاف و صریح
"اور تفصیلی تدابیر ان کی بہبودی اور فلاح کے لئے ہیں[۲]"

میں نہایت ادب سے یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن نے غلامی کو کبھی از روے قانون تمدن کا ضروری جزو نہیں تسلیم کیا۔ البتہ غلامی اہل عرب کے تمدن کا ایک ضروری جزو تھا۔

---

[ا] محمد اینڈ محمڈن ازم۔ مؤلفہ آر باسورتھ اسمتھ ایم۔ اے مطبوعہ لندن ۱۸۷۶ء۔ صفحہ ۲۴۳-۲۴۵۔

[۲] کرسچیانٹی اینڈ اسلام۔ دی بائبل اینڈ دی قرآن۔ فور لیکچرز از ریورنڈ مسٹر اسٹیون۔ مطبوعہ لندن ۱۸۷۷ء صفحہ ۱۰۴-۱۰۵۔

لیکن محمد صلعم نے حتےّ الامکان آیندہ غلامی کے انسداد میں بہت کچھ سعی کی۔ جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔

ڈاکٹر مارکس ڈاڈس کی رائے غلامی پر۔

**۱۵۱۔ ڈاکٹر مارکس ڈاڈس لکھتے ہیں کہ:۔**

"محمد صلعم بہت شفیق اور رحم دل شخص تھے۔ اور بلاشبہ آپ کا یہ منشا تھا کہ غلاموں کی حالت میں اصلاح و
"فلاح کریں۔ اگر آپ فی الفور غلاموں کی آزادی کا خیال بھی کرتے تب بھی اس کو عمل میں لانا غالباً ناممکن
"پاتے۔ لیکن آپنے " اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ " کا اعلان کرکے بتدریج اس مقصد کے حاصل کرنے
"کے لئے ایک ایسا یقینی ذریعہ سوچا جو آپ کے اختیار میں سب سے بہتر ذریعہ تھا۔ اس کے ساتھ ہی آپ
"نے موجودہ غلاموں سے نیک برتاؤ کی بھی ہدایت کی۔ اس بارے میں آپ کی آخری نصیحت ایسی اہم
"اور وقیع ہے کہ اس سے قطع نظر نہیں ہو سکتی۔ آپ نے فرمایا کہ اب رہے تمہارے غلام! سو دیکھو جو تم
"کھاتے ہو وہی ان کو کھلاؤ۔ جیسا کپڑا تم پہنتے ہو ویسا ہی انہیں پہناؤ۔ اگر وہ کوئی ایسا قصور کریں جو تم
"نہیں معاف کر سکتے تو انہیں فروخت کر دو۔ کیونکہ وہ خدا کے بندے ہیں۔ اور انہیں ایذا نہیں دینی چاہیئے
"لوگو! میری بات سُنو اور اسے خوب سمجھو۔ جان لو کہ مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ تم سب مساوی ہو۔ اور تم سب
"ایک برادری ہو۔[۱] اس بات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ آپ کی تلقین کردہ انسانی مساوات کی عملی مثالیں تو
"بعض ممالک میں نظر آتی ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ عیسائی ممالک میں اس پر عمل نظر نہیں آتا۔ حضرت عمرؓ
"اپنے اُونٹ کی نکیل پکڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور اُن کا غلام اُونٹ پر سوار ہے۔ اور آپ کی گوشۂ جگر فاطمہؓ
"اپنی باندیوں کے ساتھ باری باری سے چکی پیستی نظر آتی ہیں۔ یہ وہ نمونے ہیں جن میں آپ کی تعلیم کی کمل
"مثال ملتی ہے۔ اگرچہ آپ کی نیت غلاموں کے متعلق کیسی ہی کریمانہ اور شفیقانہ کیوں نہ ہو۔ اور اس اولوالعزمانہ
"اسلامی مساوات کے اعلان سے کیسے ہی مفید نتائج کیوں نہ مرتب ہوئے ہوں۔ مگر قرآن نے جواز تسری
"سے ان سب پر پانی پھیر دیا۔ اس میں کوئی چھپانے کی بات نہیں ہے کہ اس کے جواز سے غلاموں کی تجارت
"اپنے مشہور خوفناک نتائج اور سیہ کاریوں کے ساتھ قائم رہی۔ یہ وہ نظام ہے جس کی قرآن نے صریح اجازت
"دی ہے اور جس پر خود پیغمبر نے عمل کیا ہے۔ اور یہی جواز اس ذلت و خواری کا ذمہ دار ہے جو عمر بھر ان بد نصیب
"لڑکیوں کو بھگتنی پڑتی ہے جو حبشی غلاموں[۲] کے ظلم و ستم سے دریائے نیل کے پار اُتار دی جاتی ہیں۔ خود روشن خیال
"[۳]مسلمان اس خرابی اور ذلت سے شرماتے ہیں۔ اور یہاں تک کہتے ہیں کہ پیروان پیغمبر صلعم کے لئے یہ ایک
"دوامی ذلت ہے" کہ " غلامی خرید و فروخت اور دیگر ذرائع سے قائم رکھی گئی ہے[۴]"۔ اور یہ کہ اب مسلمانوں کو
"علے الاعلان یہ کہہ دینا چاہیئے کہ " یہ اس بڑے اور شریف پیغمبر پر ایک جھوٹا الزام ہے۔ اور یہ کہ مذہب

[۱] میور باب ۴ صفحہ ۲۳۹۔
[۲] لین ماڈرن اجپٹ باب ۱ صفحہ ۲۳۶۔
[۳] سید احمد صفحہ ۲۵۔
[۴] سید امیر علی صفحہ ۲۵۹۔

"اسلام غلامی کا دشمن اور فقہ اسلام غلامی کا مانع ہے"۔ ہم ان کی اس خواہش کی عزت کرتے ہیں کہ مذہب کو
"اس دھبے سے پاک کر دینا چاہئیے۔ لیکن ہم تمام اُمت اسلامی کو اس بات پر کیونکر آمادہ کر سکتے ہیں کہ وہ اس
"بڑے اور شریف پیغمبر کے اس فتوے کو رد کریں۔ اور اس جواز کو ممنوع ٹھیرا دیں جس کے قواعد قرآن میں
"موجود ہیں۔ غلامی اس وقت موقوف ہو سکتی ہے جب تسرّی موقوف کی جائے۔ اور جب تسرّی موقوف
"ہو جائے گی تو اسلام کی خصوصیات اور خاص کر پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کی مقدس کتاب کے متعلق بھی ضرور
"خیالات میں تبدیلی واقع ہو گی"۔[1]

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ اُس وقت کے تمام موجودہ غلاموں کو آزاد کر دینا ناممکن تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی امر واقعی ہے کہ آپ نے قرآن (سورہ محمد ۔۴) کے احکام کے رُو سے مطلق غلامی کو بالکل موقوف کر دیا۔ اور آپ نے تسرّی کی کبھی اجازت نہیں دی۔ صفحات ذیل سے بخوبی معلوم ہو گا کہ آپ نے اس رسم کو اہل عرب سے بالکل موقوف کر دیا تھا۔

## تسرّی

تسری کو قرآن نے تسلیم نہیں کیا۔

۱۵۲۔ آنحضرت صلعم نے باندیوں (تسرّی) کا رواج اہل عرب کے تمدن میں جاری و ساری پایا۔ ممکن ہے کہ ایک مدت تک آپ نے اس کی ممانعت نہ کی ہو۔ لیکن آخر کار آپ نے اس کی طرف توجہ فرمائی۔ اول اول آپ نے اس وقت کی موجودہ باندیوں کو قانوناً نہیں بلکہ بطور ایک واقع کے تسلیم کیا ہے۔ مسلمانوں کو ہدایت کی کہ وہ اپنی باندیوں کی شادی کر دیں اور انہیں مثل بر ایا کے نہ رکھیں۔ آپ نے باندیوں کی شادی کو کچھ زیادہ پسند نہیں کیا۔ بلکہ اس پُرانے رواج کو صرف اس خیال سے بنظر مسامحت دیکھا کہ وہ بالواسطہ اور بالآخر انسداد تسرّی و غلامی کا ایک ذریعہ ہے۔ آپ نے لوگوں کو تسرّی کی طرف سے نفرت دلائی۔ اور مرد عورت کے تعلق کے لئے صرف نکاح ہی کو ایک جائز صورت قرار دی۔ اور باندیوں سے عقد کرنے کی اجازت خاص خاص حالات میں دی۔

(۱) وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ مِنْکُمْ طَوْلاً | (۱) اور تم میں سے جس کو مسلمان بیبیوں سے نکاح

[1] محمد بدھا اور عیسے۔ فور لیکچرز آن ریجل اینڈ ری ویلڈ ریجن۔ مصنف مارکس ڈاڈس۔ ڈی۔ ڈی مطبوعہ لندن ۱۸۷۸ء۔

اَنْ یَّنْکِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ مِّنْ فَتَیٰتِکُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِکُمْ ؕ بَعْضُکُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْکِحُوْہُنَّ بِاِذْنِ اَہْلِہِنَّ وَ اٰتُوْہُنَّ اُجُوْرَہُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَیْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّ لَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَاۤ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَیْنَ بِفَاحِشَۃٍ فَعَلَیْہِنَّ نِصْفُ مَا عَلَی الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِیَ الْعَنَتَ مِنْکُمْ ؕ وَ اَنْ تَصْبِرُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ ؕ وَ اللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ» (النساء۴۔ آیت ۲۵)۔

کرنے کا مقدور نہ ہو تو خیر مسلمان لونڈیوں سے نکاح کرلو جو تمہارے داہنے ہاتھ کا مال ہوں۔ اور اللہ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے۔ تم ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔ پس ان کے مالکوں کی اجازت سے اُن کے ساتھ نکاح کر لو۔ اور دستور کے مطابق اُن کے مہر اُن کے حوالے کرو۔ مگر (شرط یہ ہے) کہ وہ پاکدامن ہوں۔ نہ تو علانیہ بدکار ہوں اور نہ پوشیدہ۔

(۲) پھر جب وہ قید نکاح میں آجائیں اور اس کے بعد اور کوئی علانیہ بدکاری کریں تو جو سزا بی بی کی ہے اس کی آدھی سزا ان کی ہے یہ (لونڈیوں سے نکاح کرنے کی) اجازت اسی کو ہے جس کو تم میں سے گناہ کر بیٹھنے کا خوف ہو اور صبر کرو تو تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔ (النساء۴۔ آیت ۲۵)

(۳) یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُبَیِّنَ لَکُمْ وَ یَہْدِیَکُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَ یَتُوْبَ عَلَیْکُمْ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ» (النساء۴۔ آیت ۲۶)۔

(۳) اللہ چاہتا ہے کہ (انبیاء و صلحاء) جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کے طریقے تم سے کھول کھول کر بیان کرے اور تم کو انہیں طریقوں پر چلائے اور تم پر مہر کی نظر رکھے اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ (النساء۴۔ آیت ۲۶)۔

(۴) وَ اللّٰہُ یُرِیْدُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْکُمْ ۟ وَ یُرِیْدُ الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الشَّہَوٰتِ اَنْ تَمِیْلُوْا مَیْلًا عَظِیْمًا

(۴) اللہ چاہتا ہے کہ تم پر مہر کی نظر رکھے اور جو لوگ نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑے ہیں اُن کا مطلب یہ ہے کہ تم راہ راست سے بھٹک کر بہت دور ہٹ جاؤ۔ اللہ چاہتا ہے

| | |
|---|---|
| يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا (النساء ۴۔ آیۃ ۲۹) | کہ تم پر سے بوجھ ہلکا کرے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ (النساء ۴۔ آیت ۲۹)۔ |

ان آیات سے صاف ثابت ہے کہ آنحضرت صلعم کے خیالات تسری کے متعلق یہ تھے کہ:۔

(۱) آپ نے تسری کو جائز تسلیم نہیں کیا۔

(۲) آپ نے مرد وزن کے تعلق مباشرت کے لئے صرف نکاح کو ایک جائز طریقہ تسلیم کیا ہے۔

(۳) آپ مرد وزن کے دوسرے قسم کے تعلقات مباشرت کو زنا خیال کرتے تھے۔

(۴) سرایا (باندیوں) سے عقد کرنے کی اجازت صرف انہیں مردوں کو دی گئی تھی جو آزاد (حرہ) عورتوں سے عقد نہیں کر سکتے تھے اور نہ بغیر شادی کے رہ سکتے تھے۔

(۵) بلکہ آپ نے ان کو یہ نصیحت کی کہ وہ سرایا (باندیوں) سے عقد ہی نہ کریں اور ذرا صبر کریں۔ کیونکہ آپ غلامی ہی کو سرے سے (کم از کم قانوناً) موقوف کرنے والے تھے۔ اور اس لئے مسلمانوں کو یہ ترغیب دینا نہیں چاہتے تھے کہ وہ باندیوں سے عقد کریں۔

(۶) سب سے آخر آپ نے تمام مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ جو لوگ اس حکم سے تجاوز کرتے ہیں وہ اپنی خواہشات نفسانی کے غلام اور "راہ راست سے بہت دور ہٹ جانے والے ہیں"۔ یہ نصیحت تسرّی کے موقوف کرنے کے لئے بہت کافی ہے۔

اس مضمون کی قرآن کی آیات

۱۵۳۔ اور جن آیات کا حوالہ دیا گیا ہے وہ اس مسئلہ میں قرآن کی سب سے آخری آیتیں ہیں۔ اور بعض آیتیں اس سے پہلے کی بھی ہیں (مثلاً المعارج ۷۰۔ آیات ۲۹ و ۳۱۔ المومنین ۲۳۔ آیت ۵ و ۷۔ النساء ۴۔ آیات ۳۔ ۲۸۔ ۲۹)۔ ان آیتوں میں تسری پر بایں حیثیت نظر مسامحت ڈالی گئی ہے کہ وہ زنا سے ایک کم درجہ کی خرابی ہے۔ ایک ایسے مصلح کے لئے جو رفتہ رفتہ تسری کو بالکل مٹانا چاہتا ہو اُس کا یہ طرز عمل بالکل ایک نیچرل

رفتار ہے۔لیکن مجھے تو اس میں بھی شبہ ہے کہ آیا مذکورۂ بالا آیات سے تسرّی کا جواز کسی طرح نکلتا بھی ہے یا نہیں۔

المعارج (آیات ۲۹ تا ۳۱)۔ اور المومنین (آیات ۵ تا ۷) کی آیتیں بالکل متحد ہیں۔ یہ آیات مکّہ میں نازل ہوئیں۔ ان میں ان لوگوں کی تعریف کی گئی ہے جنھوں نے آزاد یا غلام عورتوں سے شادی کی اور ان کی مذمت کی گئی ہے جو زنا کرتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ ان آیات میں تسرّی کو زنا پر ترجیح دی گئی ہو۔ لیکن مدنی سورۃ (النسا ۴) کے رو سے جو آخر میں نازل ہوئی تسرّی بالکل موقوف کرائی گئی۔ آیات یہ ہیں :۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۚ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ (المعارج ۷۰۔ آیہ ۲۹ تا ۳۱۔ المومنین ۲۳ آیہ ۵ تا ۷)

اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی بچاؤ رکھتے ہیں مگر اپنی بیبیوں اور اپنے داہنے ہاتھ کے مال یعنی لونڈیوں سے پس ان پر کچھ الزام نہیں۔ ہاں جو لوگ ان کے علاوہ اور کے طلبگار ہوں تو ایسے ہی لوگ حد سے بڑھ جانے والے ہیں۔ (المعارج ۷۰۔ آیت ۲۹ تا ۳۱۔ اور المومنین ۲۳۔ آیت ۵ تا ۷)۔

سورۂ نساء کی تیسری آیت سے تسرّی کا جواز نہیں نکلتا۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَىْءٍ

اور اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو۔ کہ یتیم لڑکیوں کے حق میں تم انصاف نہ کرو گے تو اپنی مرضی کے مطابق دو دو تین تین اور چار چار عورتوں سے نکاح کرو۔ لیکن اگر تم ڈرو کہ (متعدد بیبیوں میں) برابری نہ رکھو گے تو بس ایک ہی بی بی کرو)۔ یا جو لونڈیاں تمہارے قبضہ میں ہوں۔ اس طرح ناانصافی سے بچنے کے قریب تر ہو گے۔ اور عورتوں کو اُن کے مہر خوشی سے دے دو۔

مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا (النساء۴ - آیت ۳-۴)۔

پھر اگر وہ اپنی خوشی سے کچھ تم کو چھوڑ دیں تو اُسے کھاؤ پیو نوش جان۔ (النساء۴ - آیت ۳-۴)۔

قرآن میں ایک اور جگہ بھی سرایا سے عقد کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (النور ۲۴ - آیت ۳۲)۔

تم میں سے جو بے شوہر عورتیں اور بے زوجہ مرد ہوں اُن کا اور اپنے نیکبخت لونڈیوں اور غلاموں کا نکاح کردو۔ اگر یہ لوگ محتاج ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے اُن کو غنی کردے گا اور اللہ گنجایش والا اور جاننے والا ہے۔ (النور ۲۴ - آیت ۳۲)۔

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (النور ۲۴ - آیت ۳۳)

اور جو لوگ نکاح کرنے کا مقدور نہیں رکھتے۔ اُن کو چاہیئے کہ نیک چلن رہیں یہاں تک کہ اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کردے۔ (النور ۲۴ - آیت ۳۳)۔

النساء۴ آیت ۲۸

۵۴۔ سورۂ نساء کی اٹھائیسویں آیت میں اگرچہ سرایا کا ذکر ہے لیکن اُس سے تسرّی کی اجازت نہیں نکلتی چھبیسویں اور اٹھائیسویں آیت میں اُن مختلف رشتوں کی کئی عورتوں کا ذکر کیا گیا ہے جن سے مسلمانوں کو عقد کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ ان میں منکوحہ عورتیں بھی شامل ہیں۔ عربوں میں قدیم سے یہ دستور چلا آتا تھا کہ اگر کوئی منکوحہ عورت جنگ میں پکڑی آتی۔ یا غیر ملک میں غلام بنائی جاتی تو دوبارہ اُس کی شادی ہوسکتی تھی۔ اور اُن عورتوں کا پہلا عقد کالعدم سمجھا جاتا تھا۔ یہ عربوں اور دیگر نیم وحشی قبائل کا ایک مسلمہ نظام تمدن تھا۔ لیکن جب آنحضرت صلعم نے غلامی کا استیصال کیا تو اس کی بھی جڑ کاٹ ڈالی۔

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ۔ (النساء۴ آیت ۲۴)۔

اور وہ عورتیں بھی حرام ہیں جو دوسروں کی قید نکاح میں ہوں مگر وہ جو کافروں کی لڑائی میں قید ہوکر تمہارے قبضہ میں آئی ہوں۔ (النساء۴ - آیت ۲۴)۔

اس آیت سے تسری ثابت نہیں ہوتی۔ اس میں صرف اس بحث کا تصفیہ کیا گیا ہے کہ کن عورتوں سے شادی کی جاسکتی ہے اور کن سے نہیں۔

محمد صلعم نے تسری کی ممانعت کی ہے

۱۵۵۔ جو کچھ اُوپر بیان کیا گیا ہے اس سے ناظرین کو معلوم ہوا ہوگا کہ آنحضرتؐ نے کبھی تسری کی اجازت نہیں دی۔ بلکہ برخلاف اس کے عربوں کو اس سے منع کیا۔ مسلمانوں اور نیز دوسرے لوگوں کو اجازت تھی کہ وہ اپنی سرایا (باندیوں) سے شادی کر سکتے ہیں۔ مرد و زن کی باہمی مباشرت کا کوئی دوسرا طریقہ سوائے مدامی عقد کے قانوناً جائز نہیں رکھا گیا۔ یعنی نکاح کرنا اور عصمت سے رہنا اور زنا سے بچنا۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں عربوں میں امتیاز کے لئے دو قسم کی عورتیں تھیں۔ ایک آزاد اور دوسری غلام اور عقد نکاح بھی اُن کا ایک دُنیاوی تعلق تھا۔ تسری و زنا کی سخت مذمت و ممانعت کی گئی ہے۔ مگر تاہم آجکل کے بہت سے یوروپین مصنف متعصب مسلمانوں اور فقہ کی وجہ سے دھوکا کھا کر یہ خیال کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے تسری کو احکام الٰہی کی رُو سے جائز رکھا ہے۔

ازروئے شرع محمدی موجودہ غلامی اور تسری ممنوع ہے لیکن اس کے جاری رکھنے کے لئے بعض حیلے گھڑے گئے ہیں۔

۱۵۶۔ تسری کی نسبت کہا گیا ہے کہ:۔

"چونکہ عورتوں کی غلامی تسری کے جواز کے لئے ایک ضروری شرط ہے۔ لہٰذا مسلمان کبھی دلی جوش اور اتحاد کے ساتھ اس کے مٹانے کی کوشش نہ کریں گے۔"[۱]

یہ سچ ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی سچ ہے کہ مسلمان فقیہ ان لڑکیوں کو سرایا بنانے کی اجازت نہیں دیتے جو جارجیا افریقہ اور وسط ایشیا سے لائی جاتی ہیں۔ فقہی غلامی کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے۔ اور وہ اُس وقت حاصل ہوتا ہے جب کہ امام جائز کے حکم سے اُن کفار کے ساتھ شرعی لڑائی کی جائے جو مذہب اسلام کے خلاف جنگ کریں۔ جنگ کے خاتمہ پر مال غنیمت کا خمس جس میں قیدی اور دوسرا مال و اسباب ہوتا ہے۔ اغراض پبلک کے لئے الگ کر دیا جاتا ہے باقی مال اور غلام سپاہیوں میں تقسیم کر دئے جاتے ہیں۔ تقریباً ان تمام اسلامی ممالک میں جہاں

[۱] لائف آف محمد مصنفہ سر ولیم میور صفحہ ۳۴۷۔ جدید اڈیشن۔

جہاں مختلف بندرگاہوں سے غلام لائے جاتے ہیں۔ یہ دونو فقہی صورتیں معدوم ہیں۔ یعنے نہ تو غلام ایسی جنگ کے ذریعہ حاصل کئے جاتے ہیں جو امام جائز کے حکم سے کسی ایسے مخالف ملک سے کی گئی ہو جہاں کے باشندے اسلام کے خلاف جنگ کرتے ہوں۔ اور نہ مال غنیمت بعد وضع خمس اغراض ملک کے لئے بیت المال میں داخل ہوتا اور جائز و شرعی طور سے تقسیم کیا جاتا ہے۔ بلکہ برخلاف اس کے اب جن غلاموں کی تجارت کی جاتی ہے وہ مسلمانوں کے بچے ہوتے ہیں جن کو غلاب مختلف اسلامی بندرگاہوں سے چرا لاتے ہیں۔ جو کسی طرح پر شرعی غلام اور جائز ملک نہیں ہو سکتے۔ بالاتفاق قدیم علما کی یہی رائے تھی۔ اور وہ مسلمانوں کو ایسی عورتوں کے سراریا بنانے سے منع کرتے تھے جو ترکی و ہندوستان اور ترکستان سے لائی جاتی تھیں[1]۔ لیکن عمل تسری کے عدم جواز سے بچنے کے لئے انہوں نے بعض ایسے حیلے گھڑ لئے ہیں جن میں اگرچہ ہوشیاری اور چالاکی کی گئی ہے تاہم وہ مہمل اور ضعیف ہیں۔

سلطان سلیمان اور سلیم ثانی کے زمانہ میں مفتی ابوسعود آفندی شیخ الاسلام سے جو (سنہ ۹۵۲ - ۹۸۲ ہجری) ایسی لونڈیوں کی تسری کے متعلق فتوے طلب کیا گیا جو سپاہیوں سے خریدی جاتی تھیں اور از روے شرع منقسمہ غنیمت کا جزو نہ تھیں شیخ الاسلام نے جواب دیا۔ کہ ہمارے زمانے میں غنیمت کی تقسیم شرعی نہیں ہے لیکن سنہ ۹۴۸ ہجری میں عام تنفیل ہوئی اور اس لئے بعد وضع خمس جو کچھ باقی رہا اس میں شروع سے کچھ شبہ نہیں[2]۔

حیلاؤں یعنے تنفیل کی بحث

۵۷۔ تنفیل کے معنے ہیں اُس عطیہ کے جو سپاہیوں کو حصہ غنیمت سے زیادہ دیا جائے لیکن امام یا سلطان وقت کی عام تنفیل صرف ایک سال رہتی ہے۔ یا اس وقت تک جب تک

---

[1] دیکھو تحفۃ المحتاج فی شرح المنہاج مؤلفہ امام نووی حصہ چہارم صفحہ ۱۵۴۔

[2] "وفی معروضات المفتی ابی السعود هل یحل وطئ الاماء المشتراة من الغزاة الآن حیث وقع الاشتباه فی قسمتهم بالوجه المشروع فاجاب لاتوجد فی زماننا قسمة شرعیة لکن فی سنة ۹۴۸ وقع التنفیل الکلی فبعد اعطاء الخمس لا یبقی شبهة ابتداءً" (متن درمختار - ماخوذ از شرح موسوم بہ ردالمحتار - جلد ۳ - صفحہ ۲۷۳ - مطبوعہ مصر - نیز دیکھو غایۃ الاوطار جلد دوم صفحہ ۴۸۵)۔

کہ فوج لڑائی سے واپس آ ئے۔ بشرطیکہ سلطان کا انتقال نہ ہو جائے۔ یا وہ معزول نہ کر دیا جائے نہیں تو تنفیل اسی وقت ختم ہو جاتی ہے۔[1] اب ۹۴۰ ہجری کی قانونی تنفیل بھی سلطان سلیمان کے ساتھ گئی۔ اور اُس زمانے میں مال غنیمت کا خمس اغراض پبلک کے لئے بیت المال میں محفوظ رکھنا بھی بے سُود ہے۔ کیونکہ اول تو آج کل جو غلام لائے جاتے ہیں وہ مسلمانوں کے مسروقہ بچے ہوتے ہیں جو کسی حالت میں غلام نہیں ہو سکتے۔ دوسرے نہ مال غنیمت کی تقسیم کسی ایسی جائز جنگ کے بعد جو امام یا سلطان وقت کے حکم سے ہوئی ہو۔ شرعی طور پر ہوتی ہے اور نہ اغراض پبلک کے لئے بیت المال میں خمس جمع کیا جاتا ہے۔ علاوہ اس کے تنفیل کی صورت میں خمس کا وضع کرنا ضروری نہیں ہے مفتی مذکور نے احتیاطاً یہ حیلہ اس لئے گھڑا کہ تسرّی کے مقبول رواج کا جواز نکل سکے۔ جو درحقیقت آج کل فقہ کی رو سے بھی جائز نہیں۔

۱۵۸- ردالمحتار علی الدرالمختار کا مصنف مفتی ابوسعود کے فتوے مذکورہ بالا کے متعلق کہتا ہے کہ عام تنفیل کی صورت میں یہ ضرور نہیں ہے کہ خمس نکالا جائے اور اس زمانہ میں نہ قسمت ہے نہ خمس۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خمس کے نکالنے کو ضروری قرار دے کر جیسا کہ مفتی صاحب نے بیان کیا ہے یہ شبہ کیونکر رفع کیا جائے۔ برخلاف اس کے شبہ باقی رہتا ہے۔ کیونکہ ہمیں اس کا علم نہیں کہ آیا سلطان وقت نے عام تنفیل کی اجازت دی ہے یا نہیں اور ہم یقین کے ساتھ اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ جب آجکل قسمت نہیں ہے تو تنفیل بھی نہیں ہونی چاہیئے۔ علاوہ اس کے اس زمانہ کی فوجیں مال غنیمت کو اپنے تصرف میں لے آتی ہیں یہاں تک کہ بلاد اسلامی کے لُوٹ کا بھی یہی حشر ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی مسلمان مالک اپنے مال کا دعوےٰ کرتا ہے تو اُس کا مال واپس نہیں کیا جاتا بلکہ اُس کی قیمت دلا دی جائے۔ اسی طرح ہمارے وقت کے حکّام اور سپہ سالار افواج تنفیل و تقسیم کو عمل میں نہیں لاتے۔ جس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ جو مال غنیمت ہاتھ آتا ہے

[1] دیکھو ردالمحتار یا شامی جلد سوم صفحہ ۲۷۳۔ مطبوعہ مصر۔

اُس کا شمار غلول یعنی خفیہ تصرف میں ہوتا ہے[1]۔

۱۵۹۔ ایک دوسرا حیلہ[2] جو جوازِ تسری کے لئے عمل میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ باندیوں کو سلطان یا امام وقت سے خریدا جاتا ہے۔ کیونکہ اُسے دشمن کے ملک سے باہر لے جانے سے قبل مالِ غنیمت کے فروخت کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ اس صورت میں فروخت کنندہ پر لازم ہوگا کہ قیمت فروخت ہی میں سے خمس نکالے۔ اور اس طرح خریدار کے لئے بغیر خمس نکالے تسری جائز ہو جائے گی۔ لیکن اس قسم کی بیع دشمن کے ملک میں امام کی طرف سے ہونی چاہیئے قبل اس کے کہ مالِ غنیمت اسلامی حدود میں جائے یا شرعی تقسیم عمل میں آئے۔ مگر ایسی صورت کہیں نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا اس میں کچھ شُبہ نہیں کہ ایسی صورت میں جب کہ غلام باہر سے لاکر پبلک میں بیچے جاتے ہیں یہ ناممکن ہے۔ نہ تو بائع اس کی پابندی کر سکتا ہے نہ خریدار۔ ردالمحتار کا حوالہ

۱۶۰۔ تیسرا حیلہ[3] ازروے فقہ تسری کا جواز ثابت کرنے کے لئے یہ ہے کہ پکڑے ہوئے غلام بیت المال کے وکیل یا افسر خزانہ سے برائے نام خرید لئے جائیں لیکن اس زمانہ میں کسی اسلامی ملک میں بیت المال نہیں ہے۔ اور اگر کہیں ہے بھی تو غلاموں کی گرفتاری اور اُن کی برائے نام خریداری ناجائز ہے۔ کیونکہ ایسا مال "غلول" کے تحت میں آجائے گا اور کسی حیلہ سے بیت المال سے خریدا نہیں جا سکتا۔ کیونکہ اس مال کی نوعیت فوجی لُوٹ کی سی ہوگی۔ اور اس صورت میں اُسے سلطان المسلمین کے سامنے آنا چاہیئے جو اُسے ازروے شرع و انصاف اپنے

---

[1] لا یلزم اعطاء الخمس فی التنفیل العام . ان الواقع فی زماننا عدم القسمۃ وعدم اعطاء الخمس بل الشبھۃ ما فیہ من حیث انا لا نعلم ان سلطان زماننا ھل نفل تنفیلا عاما ام لا و لا یقال ان عدم القسمۃ دلیل علی وجود التنفیل لان جیوش زماننا یاخذون [illegible] ونھبۃ حتی من بلاد الاسلام ولو ظفر بھا مالکہ المسلم لا یدفع الیہ الا بثمنہ و [illegible] احکام ھذا الزمان وان الجیوش لا ینفلون لا یقسمون ولا یخمسون فالظاھر ان ما یؤخذ من الغنائم الیوم حکمہ حکم الغلول (ردالمحتار جلد ۳ صفحہ ۲۷۴ مطبوعہ مصر)

[2] وفی حاوی الزاھدی اشتری جاریۃ ماسورۃ لم یر دمنھا الخمس من الاسیر ینفذ ویحل وطؤھا وھذا ما مر فی بیع الاسیر بناء علی ان لہ البیع قبل الاحراز کما مر ویکون الخمس واجبا فی الثمن لا فیھا فیحل وطؤھا (ردالمحتار جلد ۳ صفحہ ۲۷۴ مطبوعہ مصر)۔

[3] اذا اراد التسری بجاریۃ شراھا ثانیا من وکیل بیت المال (ردالمحتار جلد ۳ صفحہ ۲۷۴ مطبوعہ مصر)۔

سپاہیوں میں تقسیم کرے اور اس کا ایک خمس اغراض پبلک کے لئے رکھے۔ اگر کوئی مسلمان مال غنیمت کا کچھ حصہ اپنے تصرف میں لائے تو وہ سنگین جرم کا مرتکب اور جسمانی سزا کا مستوجب ہے۔ امام زاہدی (متوفی ۶۵۸ھ) نے اس خاص بارے میں حاوی میں یہ فتوے دیا ہے:-

"چونکہ نہ تو نفل ہے (یعنے سپاہیوں کو سلطان کی بیجا جازت کہ وہ جو کچھ جنگ میں لوٹیں اُن کا مال ہے) نہ قسمت یعنے مال غنیمت کی شرعی تقسیم) اور نہ شرا (یعنے سپہ سالار سے غنیمت کی خریداری) لہذا باندیوں کی تسری کسی طرح جائز نہیں ہو سکتی"[1]

۱۶۱- چوتھا حیلہ جو عموماً تسری کے جواز کے لئے کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ خریدار باندی سے شرعی عقد کرلے۔ اس صورت میں یہ بحث تسری کی بحث نہ رہی۔ تاہم ایک خرید کردہ باندی سے ایسی صورت میں نکاح کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ مال غنیمت کا حصہ ہے جو پبلک کی ملک ہے اور اس میں سب شریک ہیں۔ لہذا نکاح جائز نہ ہوا[2] چوتھا حیلہ جواز از بحث ہے۔

۱۶۲- پانچواں حیلہ جواز تسری کا یہ ہے کہ جو غلام اس طرح پکڑے جاتے ہیں وہ بیت المال کی ملک ہیں۔ کیونکہ نہ تو اس زمانہ میں بیت المال ہی ہے اور نہ مسلمانوں کا بادشاہ (امام ہو یا سلطان) اس قسم کے مال اور ریاست کی دوسری آمدنی میں مساوی تقسیم شرعی کا پابند ہے۔ لہذا جو شخص غلاموں کو پکڑتا ہے وہی اُن کا مالک بھی ہے۔ اس لئے کہ بادشاہ بیت المال سے اُسے کوئی حصہ نہیں دیتا[3]۔ یہ قیاس بالکل بودا اور ناروا ہے۔ اور درحقیقت ملکی آمدنی کی لوٹ مار اور غارتگری و غضب کو جائز کرتا ہے۔ شیخ عزالدین ابن عبدالسلام (متوفی ۶۶۱ہجری) نے اسے بالکل ناجائز بتایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "مسلمانوں کی پبلک پر قبضہ کرنا ناجائز ہے"[4]

[1] کتاب قنیۃ المنیۃ علے مذہب ابی حنیفہ تالیف امام ابی الرجاء نجم الدین مختار محمود الزاہدی

[1] فاذا الم یوجد نفل ولا قسمۃ ولا شراء من امیر الجیش لا یحل الوطء بوجہ اصلا (الرد المختار جلد ۲ صفحہ ۲۷۴ مطبوعہ مصر)

[2] دیکھو ردالمحتار کتاب النکاح جلد دوم۔ اور کتاب الجہاد جلد سوم صفحہ ۲۷۴ مطبوعہ مصر۔

[3] قنیہ میں امام وبری سے منقول ہے کہ ان من لحظ فی بیت المال ظفر بمالہ وجہ لبیت المال وله ان یاخذ ہ دیانۃ یعنے جس شخص کو بیت المال سے حق پہنچتا ہے وہ اگر کسی ایسی چیز کو لے لے جو بیت المال سے متعلق ہے تو وہ از روے دیانت اسی کی ہے۔ کتاب الجہاد ردالمحتار حصہ سوم صفحہ ۲۷۴ مطبوعہ مصر۔ تشریح۔ لفظ "دیانت" لفظ "قضا" کی ضد ہے۔

[4] دیکھو تحفۃ المحتاج فی شرح المنہاج تالیف امام نووی حصہ سوم۔ صفحہ ۸۲۔

(متوفی ۸۵۶ھ) نہایت ناقابل اعتماد ہے۔ اگرچہ خود مصنف بہت مستند آدمی ہے۔[۱]

۱۶۳۔ مسٹر میک ناٹن (بنگال سول سروس) نے اپنی کتاب اصول نظائر شرع محمدی میں[۲] ایک فتوے سے استرقاق کے کئی طریقے نقل کئے ہیں جن میں سب کے سب سوائے ایک کے نہ قابل اعتماد اور از روئے فقہ غیر صحیح ہیں۔ کیونکہ اول تو جو غلام مسلمان پکڑیں گے وہ مال غنیمت سمجھے جائیں گے۔ اور اس لئے فقہ کی پابندی لازم آئے گی۔ یعنے یہ کہ امام یا سلطان بعد وضع خمس باقی مال کو سپاہیوں میں تقسیم کرے گا۔ ورنہ بصورت دیگر یہ مال غنیمت ناجائز تصور کیا جائیگا۔ دوسرے ممکن ہے کہ چوری چھپے پکڑ کے غلام بنائے جائیں تو ایسی صورت میں ایسے مال یا غلام کی شرا ناجائز خیال کی جائیگی۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ:۔

"اگر یقین ہو کہ غلام کا پکڑنے والا مسلمان ہے اور اس نے چوری چھپے سے غلاموں کو پکڑا ہے تو اُن کی شرا ناجائز ہوگی"۔[۳]

۱۶۴۔ اس حصے میں میں نے قرآن کے صاف و صریح الفاظ اور مستند احادیث سے پورے طور پر یہ ثابت کر دیا ہے کہ جو باتیں اسلام کی تمدنی خرابیوں کے نام سے مشہور ہیں یعنے تعدد زوجات۔ سہولت طلاق۔ غلامی اور اُس کی متعلقہ تسری کی خرابیاں قرآن میں کہیں ان کی اجازت نہیں دی گئی۔ بلکہ برخلاف اس کے اسلام نے۔ جس سے میری مراد وہ پاک اور ٹھیٹ اسلام ہے جو پیغمبر عرب محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قرآن میں بتایا ہے۔ ان تمدنی خرابیوں کی اصلاح کی ہے۔ اسلام نے عام طور پر عورتوں کی حالت میں ترقی و اصلاح کی رُوح پھونکی۔ اور ایسے اخلاقی و تمدنی نظام کی بنیاد ڈالی جو نہ صرف عرب کے لئے بلکہ تمام عالم کے لئے باعث برکت و رحمت ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ مسلمان پیغمبر صلعم کی تعلیم سے بھٹک گئے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ امر فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ انہیں اپنی تمدنی و سیاسی اصول کے اصلاح کا احساس ہے جنہیں وہ ان تغیرات سے مطابق کرتے ہیں جو نسبت زمانہ گذشتہ روز بروز واقعہ ہو رہے ہیں۔ فقط

خاتمہ

[۱] دیکھو حاجی خلیفہ کی کتاب کشف الظنون اور طحطاوی در مختار کی شرح میں لکھتے ہیں کہ "یہ مذہبی کتابوں میں ناقابل اعتماد ہے"۔

[۲] پرنسپلز اینڈ پرسیڈنٹس آف محمڈن لا۔ بیان اسلامی صفحہ ۳۳ و ۳۴ فٹ نوٹ۔

[۳] تحفۃ المحتاج فی شرح منہاج جلد ۴ صفحہ ۲۰۱۔